

علمی مباحثوں میں شریک ہوتا رہتا تھا جس سے اس کی معلومات اور قابلیت میں غیر معمولی وسعت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے دربار کے لورن اننگ مشہور ہیں۔ ان کا سب سے اہم کارنامہ دین الہی کی تردید ہے جو خالص اسلامی نقطہ نگاہ سے بید مضر، مگر خود اس کی سیاست الہی میں بہت معاون ثابت ہوا۔ چنانچہ ہندوستان کی پرستور فضا اسی مذہب کی بدولت جنت نشانی بن گئی۔ اکبر نے جہادی لاکھ نعرہ سنہ ۱۰۱۲ھ (۱۶۰۵ء) کو ۷ سال کی عمر میں اس دار فانی کو خیر باد کہا۔
 (۱۵) ابو الفضل، شیخ مبارک کا بیٹا اور فیضی کا بھائی ہے۔ یہ سنہ ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ء) میں پیدا ہوا۔ سنہ ۱۰۱۹ء اکبر شاہی میں ملازمت کا شرف حاصل کیا، اور بہت کھنڈے عرصہ میں وزارت کے درجے تک چا پہنچا اس کو رجب الاول سنہ ۱۰۱۱ھ (۱۶۰۷ء) میں شاہزادہ سلیم کے اہا سے ۵۳ سال ۲ ماہ کی عمر میں ظہیر شہر دیا گیا۔ بیڑا اور زبردست ادیب تھا۔ آئین اکبری، اکبرنامہ اور مسکنات علامہ تصنیفات ہیں۔ شعر بھی کہتا اور علمی تخلص کرتا تھا۔ یہ اکبری دربار کے لورن میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے قتل کی اطلاع سے اکبر کھڑے ہو کر صدمہ ہوا تھا کہ اس نے کئی وقت کھانا نہ کھایا۔ اور بار بار کہتا کہ اگر بیٹو بابا مجھے قتل کر دیتا تو اس سے بہتر تھا۔

(۱۵) فیضی، شیخ مبارک کا بیٹا، اور اکبری دربار کا ملک الشعراء، حکمت، فلسفہ، ریاضیات، تاریخ اور سنسکرت کا عالم تھا۔ سواطع الالہام، اور موارد الکلم، عربی میں، اور کلیاتہ تعلیم اور خسر، اور ترجمہ بیلاونی فارسی میں اس کی مشہور تصنیفات ہیں۔ یہ ۱۰۱۰ھ (۱۶۰۲ء) کو ۵۰ سال کی عمر میں فوت ہوا۔

(۱۶) اصل میں فون ساقط ہے، چونکہ میرزا صاحب نے ہمیشہ اس لفظ کو فون کے ساتھ لکھا ہے، اس لیے متن کے اندر فون کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

(۱۷) حکیم ابوالفتح سیح الدین ابن حکیم عبدالرزاق گیلانی اکبر کا طبیب خاص اور اس عہد کا بڑا فاضل تھا۔ یہ اپنا علمی و جامت و عظمت کے سبب سے بادشاہ کے دربار میں ممتاز درجے کا مالک اور لورن میں شامل تھا۔ اس نے سنہ ۹۹۹ھ (۱۵۸۸ء) میں وفات پائی۔

صفحہ ۱۱۱

(۱۸) میرزا صاحب نے پتا اس طرح لکھا ہے: "راہبوں کا آزاد خان کا بھگتہ و بدیر سکندری کا مطبع، محمد حسین خان مالک مطبع، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مطبع کا نام "حسنی" اور مالک مولوی محمد حسن خاں صاحب مطبع حسنی مراد ہے۔ مولوی محمد حسن خاں صاحب نے سنہ ۱۰۱۸ھ (۱۶۱۱ء) میں اسے جاری کیا تھا۔

(۱۹) دیکھئے سنگھ، بڑا پتھر کے زمیندار تھے۔ غدر کے پر آشوب ایام میں ان کے بڑوں کی خدمات جان بازی سے انجام دیں، جن کے ہیلے میں کسی یور کا سایہ آپر تکمہ جو فیضی میں آچکا تھا، گھر غنٹے نے عطا کر دیا، اور صلح بہر طر آئے ہیں بھی ایک بڑا علاقہ مرحمت کیا۔ اس کے علاوہ جملہ موروثی علاقے میں دس فی صدی جمع سرکاری معاف اور مرفوعہ القلم کر دی گئی۔ جو گینگو خور عدالت ہائی دیوانی کی چھری سے مستثنیٰ ہوئے، اور ان کے پاسو سہرا ہی ایکٹ اسلحہ کے اثر سے بری قرار پائے۔ نیز انہیں ہمارا جد بہادر اور کے ہی، ایں، آئی، کا خطاب بھی ملا، اور ۹۹۹ھ (۱۵۹۱ء) میں اس کا اعزاز حاصل ہوا۔ کچھ عرصے کے لیے دیسرای کی مجلس و مجمع قوانین نے رکن بنی رہے۔

طرازِ عقیدت آگیا خاکِ راہ آل محمد فصیح الدین بنی اسرار بیل متخلص بہ رنج
متوطن شہر میرٹھ

(۴) اس خط کے دوسرے پیرے کے الفاظ اور ان کے بھائی ملازم حسین خاں ۱۱۱۱ھ اس خط کے جواب کا طالب غالب - ۱۱۱۰ھ "میرزا صاحب کے قلم کے نوشتہ میں، اسی لیے اس خط کے بقیہ حصہ میں متعدد اطلاقی تعلیقات پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ پہلے میرزا صاحب نے دو نوٹ لکھے پھر "لکھا تھا کہ میرزا صاحب نے اس متن میں علیٰ حالہ باقی رہ کر پانچ خط میں اپنے قلم سے پہنچے" بنا دیا ہے۔ حوالہ کا اطلاق کتاب نے پای ہوئے سے لکھا تھا۔ میرزا صاحب نے اس کو قلم زد کر کے مای حسی سے لکھ لیا ہے۔

(۵) میرزا صاحب کے خط میں یہ لفظ موجود نہیں ہے، لیکن سیاق چاہتا تھا اس لیے میں نے اس کو سہو کا تہذیب و مکتوب در خیال کر کے اضافہ کر دیا ہے۔

(۶) احسان حسین خاں اور ملازم حسین خاں کے لئے عربیہ ۱۱۱۱ھ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

(۷) اصل خط میں ہے، بہ بیعت و مفرد تحریر ہے۔ لیکن اصول زبان کی رو سے دہلیا بیعت جمع ہوتا چاہیے۔ میں نے یہ خیال کر کے کہ اس پر میرزا صاحب کی نظر نہیں پڑی تھی میں نے لکھ دیا ہے

(۸) خط کے لکھانے پر میرزا صاحب کی حسب ذیل سطر میرزا صاحب نے ۸۱ خط در جواب نوشتہ شد ۲۲ صفر

سنہ ۱۲۸۸ھ مطابق ۲۲ جون سنہ ۱۸۷۶ء اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کے خط کی پہلی تاریخ ۲۲ جون سنہ ۱۸۷۶ء ہے۔ یہ تاریخ کوئی تاخیر کی ہے کہ خط کشیدہ الفاظ میرزا صاحب کے قلم کے لکھے ہوئے ہیں۔

(۹) یہ لفظ اصل میں ساقط تھا میں نے اس لیے بڑھا دیا ہے کہ جملہ درست ہو جائے۔

صفحہ ۱۱۳

(۱۰) یہ عربیہ بھی میرزا صاحب کے اپنے قلم کا نوشتہ نہیں ہے۔ البتہ خط کشیدہ عبارتیں انہوں نے اپنے قلم سے بڑھائی ہیں۔

(۱۱) اس خط کے لکھانے پر ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ء تاریخ درج ہے۔

صفحہ ۱۱۵

(۱۲) میرزا صاحب کا یہ خط مولوی عبد الحکیم خاں صاحب مدرس فارسی مدرسہ ہالہ رام پور سے ملنے ۲۵ روپے میں خریدا گیا تھا۔ خیال تھا کہ سین فارسی کی کینیت پر مشغول دور قہ بھی موصوفات کو بزرگ

کے پاس ہو گا، لیکن باوجود تلاش و جستجو نہ ہو سکا۔

(۱۳) عربی کے لیے عربیہ ۱۲ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

(۱۴) جلال الدین اکبر ابن لہیر الدین ہمایوں ابن ظہیر الدین بابر، سلطنت مغلیہ کا تیسرا روشن چرخ تھا۔ ۱۵۰۰ء کو شاہ سنہ ۱۵۱۹ء ۱۵۲۲ء کو پیدا ہوا۔ ابھی تیرہ سال نو بیٹے کی

عمر تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ بیرم خاں خانخاں نے اسے بادشاہ بنا کر خود غلام کی حیثیت سے کام شروع کر دیا۔ لیکن اپنی خداداد قابلیت سے اکبر نے بہت جلد نظام سلطنت

کا بار اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور سلطنت مغلیہ کی حدود کو گھماتا، گھماتا، گھماتا اور سنہ ۱۵۵۶ء کو پوربھار تک پہنچا۔ اسی نے آباد کیا تھا یہ بہت کمزور گھماتا تھا۔ لیکن ایک ہاتھمند

بادشاہ کی طرح دربار کو اس وقت کے ممتاز اہل علم سے مزین رکھتا، اور ان کے

لوٹی جاتی ہے ہنسی کے لئے پہلی چرخ جو
 ہے نکلتی چھڑنے سے ناخن گلہری کے
 پھولی پھرتی ہے شفق پہنچے ہوئے رنگیں لباس
 دیکھے جس کو وہ ہے مصروف سامان نشاط
 جام نرس ہے کہیں رکھا ہوا گل کے حضور
 سروے مصروف بنا یا مان طرب باجوہ کر
 نشانہ مر جاں سے سلجھاتی ہے سنبھل اپنے بال
 ایرجیا مورولا مور کا سن کر خرد و غل
 بھر کے پچکاری کہیں نوارہ پھر کے گلاب
 قلم بربط لب داؤد الحان ہے کہیں
 حردہ لے نواب عالی جاو تیری بزم میں
 باغ کو دی ہے خراج جو تیرے جشن کی
 دیکھ کر جلوہ تری بزم طرب کا رستا کو
 آج وہ دن ہے کہ گرد و دل کشتی جتنا ہیں
 اے زہرہ تیری محفل میں دینہ کو لے
 کیوں نہ جو غور شید کا چرخ چارم بردار
 غیر ممکن تیری خواہش سے ہو ممکن بالیقین
 دین کو الہ اکبر کیا دیا تھنے رواج !
 زلف محبوبان کو بھی کافر نہیں لکھتا کوئی
 مر جینوں کو حق تیری جبین کا عطر ہے
 میر فریش فریش رنگیں آفتاب و آفتاب
 عدل گستر تو یہاں تک ہے کہ تیرے در میں
 خوف سے تیرے غضب کے یاں تلک ہی نظام
 گر یہی ہے عدل فرمائی تو تیرے دور میں
 یاں تلک آرام تیرے نظم سے ہر اک کو ہے
 کیا بہاں کیجے تری دریا دلی، بحر کرم
 خستگان غم کو ہے تیری نگہ حرزاں
 سلطنت سے بھی ہے افروز و رکی درہاں
 ہے خوشی ذرہ سے تا خورشید تیرے جشن کی
 جاہ و منصب و دولت روز افروز ہو گیا
 تجھ سے گر چاہوں نہ داؤد شجر تو لے قدر داں
 رنج کے پاتھوں سے دل کا رنج کے یہ حال ہے
 جشن شادمانہ مبارک تجھ کو باقبال و عمر

ہے بلند آہنگ کوں شادمانی رعد کا
 شمع کے رشتے میں ساز تار مطرب کی صدا
 شادمانی سے جدا گردوں پھر ہے ناچتا
 فرخ سبز باغ میں بکھولے ہے باد صبا
 دختر رز ہے یہ شیشہ مے انگور کا
 عطر داں کھولے ہوئے بیٹھا کہیں سے موتیا
 یاسن نے بھی ملا ہے اپنے منہ پر غائب
 نشتر مے میں ہے نخل بید مجنوں مجھوتا
 محفل گل میں کہیں بکھیا پلائی ہے پتو
 ہے کسی تختے میں طاقوس نگارینا ناچتا
 آج ہے ہر بلبل تصویر بھی لغتہ سرا
 لے ہے انعام زریں ڈھیر پول ہا و صبا
 خندہ زن ہیں بزم گردوں پر ثریا و صبا
 گوہرا انجم کو بھر بھر کر کے تجھ پر فدا
 گائے، اک ٹپا کھڑے ہو کر مبارکباد کا
 آفتاب ہر سحر لے منہ دھلا تاپے ترا
 سنگ موتی دے تجھے اور سیپا نقل بے بہا
 نکلے ہے نا توں سے الہ اکبر کی صدا
 کفریاں تک رعب دینداری نے تیری کھودا
 سرمہ چشم اولی الا لہ صار تیری خاک پا
 چرخ رنگین فرخیں ہے تیرے دربار کا
 غیر ممکن ہے کہ پانی آگ کو دیوے بجھا
 گھاس کے تنکوں کو بھی آتش نہیں سکتی جلا
 دانے کو بے جرم پیسیگی نہ ہرگز آسیا
 پاؤں پھیلانے ہوئے لغتہ بھی سوتا ہے بڑا
 موتیوں سے دامن امید دریا بھر دیا
 دل شکستہ کو ترا دست کرم ہے مویا
 سایہ دامن ہے نیزا سایہ بال ہما
 ہے لفظ اندوز عالم میں ہر اک چھوٹا بڑا
 جشن جہنمی سے ہر دن جشن ہو نیزا سوا
 قدرواں تیرے سوا اب کون باقی رہ گیا
 جس طرح ہو دانہ انگور مرجھا یا ہوا
 عمر بھی وہ ہو کہ جس کی کچھ نہ ہوئے انتہا

لَا كُلُّ قَصْدٍ وَاقِعًا
يَعْنُ دُونَ نَصْرٍ ذُرِّيَّتًا
يَعْنِي الْعِدَاءَ كَأَنَّهُ
وَكَاثِمًا أَخْلَبَ الرَّدِّي
كَمْ طَلَعَتْ لِحْوَ الْأَسَى
كَمْ لَهَجَتْ تَشْفَى الْجَوَى
إِذَا مَا تَبَارَرُ تَلَوْنِي
وَمَتَى يُفِيضُ عَلَى الْوَدَى
كَمْ سَائِلٌ يَسْطُو بِهِ
كُلَّ الظُّلْمُونَ مَعَ الْحِجَى
لَزِمَ الْعَنَاءُ حُسُودَهُ
مَنْ لَا أَرَادَ بَعَاثَهُ
بَا مَن كَفَى أَهْلَ الْمُنَى
قَدْ دَلَّهْتُ خَاقَهُ
لَا زِلْتُ تُخَذُّوْهُمُ الْوَدَى

(۳) حکیم فیض الدین رنج میرٹھ کے باشندے اور قوم کے بنی اسرائیل تھے۔ عربی کی تحصیل کے بعد طب پڑھی اور اسی کو پیشہ بنا لیا۔ شعر و شاعری کا شوق اور میرزا صاحب کے تلمذ تھا۔ شعرائے اردو کا ایک تذکرہ، ہارستان ناز، ان کی تصنیف ہے۔ آقا حسن میرزا صاحب نے توقیعات کسری کا اردو میں ترجمہ کیا اور میرزا صاحب سر دیکھے سنگھ والی بلرام پور کی فرمائش پر مطبع جنگ بہادری بلرام پور میں اس کی طباعت ہوئی، تورنج نے حسب ذیل قطعہ تاریخ لکھا تھا:

میرٹھ نے مژدہ سنایا مجھے
ہوا سن کے مسرور اور شاداں
لکھنؤ اس کے چھپنے کی تاریخ میں
یکایک سائب سے آلف کے یوں

(نجات: ۳، ۵۰، ۵۱، ۲۲۱ احکام نوشیروانی: ۱۱۷)

قصیدہ در ثنیت جشن سکندر حشمت، دارا شوکت، فیض رسان
فیاض زمان، حاجم دوران، نواب کلید علی، بہادر دام اقبالہ
آج کل جلتی ہے عالم میں خوشی کی وہ ہوا
دھوم ہے شادی کی آب غل ہو بہا بباد
مے پر جوین ہے عرد ساند لباس سرخ سے
آشیاں میں ناچتا ہے طاثر قبلہ نما
نہر گردوں جا بجا بالائے گردوں جا بجا
شور و غفل ہے لب مینا سے مے پہ پہنچتا

سائل پان تواند رسید گفت: "اگر همچنین است بجه نوع از بار نیست ممدوح
سبکدیش خواهی شد؟" گفتم: "حجت این دو مصرع است شکر بجا آر که همان تو
رذی خود میخورد از خوان تو؟" گفتم: "چو در فارسی و اردو هم قدرت نظم و نثر
باندازه بالیت داشته ترا چه افتاد که معب را بر ذلول اختیار نمودی، و خود را
کادش و دیگران را کادش بر کادش افزودی؟" گفتم: "ملاحظه فضل و شرف
ذات ممدوح نگذاشت که مکارم اخلاقش جز به اشرف لغات و افضل السنه وصف
کرده شود و فضل عربی بر سایر السنه، چنانکه دانی، محتاج بیان نیست" القصه
چون سخن بدینجا کشید دل را محل گفتگو باقی ننماید گفتم: "این همه که گفتم عین
صواب است. اما اگر دعا باندازه هست ممدوح خواهند چه جواب خواهی داد؟"
گفتم: "بیک بیت خود ازین عده بیرون آیم"

بعتد بهمتش نوزان دعا کرد

آهی، هر چه طبعش خواهد آن باد!

عرضی دعا گو، صغرا لیدین، الطاف حین، مقیم دلی متصل خوش قاضی

مکان حکیم احسن السداه

مِنْ جَزَلِهِ وَ ذَبَالِهِ

لِشَرِّقِهِ وَ دُذَالِهِ

مَنْ كَانَ مِنْ سُؤَالِهِ

بِالْحُلِيِّ دُونَ سُؤَالِهِ

بِحَرَامِهِ وَ حَلَالِهِ

لَا مَبْلَغَ فِي أَقْوَالِهِ

لَا حَصْرَ فِي أَمْوَالِهِ

وَلَا خَيْرَ مِنْ أَعْمَالِهِ

وَالنَّصْرَ حَلْفُ قِبَالِهِ

وَالْبَصِيرَ نَعْنُ مَقَالِهِ

فَا لَطْفُ إِلَى أَغْنَالِهِ

فَارْتَبَ حَبَابَ حُجَالِهِ

بِعَطَائِهِ وَ تَوَالِهِ

فِي فَضْلِهِ وَ كَمَالِهِ

بِحَبَالِهِ وَ جَلَالِهِ

نِعْمَ الرَّوِيُّ فِي قَالِهِ

طُوًى لِيَصْبَ قَالِهِ

فَأَمَّا زَعْنُ أَمْثَالِهِ

إِلَّا عَلَى اسْتِدْلَالِهِ

فَارَا لَرَّصَانُ بِهَالِهِ

سَاعَ التَّفَاخُرِ بِالْعُلَى

لَزِمَ التَّعَفُّفُ قَالِعَا

نَالَ ابْنُ تَوْسَعٍ تَوَلَهُ

مِطْوَاعَ شَرْعِ الْمُصْطَفَى

لَا مَبْلَغَ فِي أَحْكَامِهِ

لَا حَجَرَ فِي انْفِقَائِهِ

أَلْحُسْنُ مِنْ أَحْلَائِهِ

أَلْقَاهُ نَحْتَ لَوَائِهِ

أَلْحَقَّ إِسْمُ قَضَائِهِ

إِنْ شِئْتَ تَعْرِفَ مَا التَّقَى

إِنْ رَمَيْتَ تَدْرِي مَا التَّقَى

لَيْسَ لِي لِمَنْ مِثْلَانَا

بَرِّ فِي الْعُلَى مِثْلَانَا

يُحْيِي لَوْرِي وَ هُمْنِي

مُرْوَى الْعَبْلُ بِلَفْظِهِ

لَيْشَقِي الْعَبْلُ بِالْحِظَةِ

بِالْحَسَنِ قَاتِي أَوَّلِي

مَا مِنْ مَحَالٍ مُمَكِّنٍ

بڑھے حضور کی عمر اور جاہ و مورد سرو
بختی احمد و آل رسول پاک و طہور
لکھوں انھیں کی شناسی جواب لکھوں میں
میں سے مدح سراہوں بابتہاج و سرور
میں شہر میں مدح اُن کا ہوں مشہور
رہوں میں مدح سرائی پہ رات دن باور

رہے حضور کے انبال کو ترقی روز
آئی میری دعا یہ قبول کر لینا
میری ہمدوح پسند طبیعت عالی
پڑھوں ہمدوح قصائد لکھوں دوام تنا
وہ شہر شہر میں مشہور ہوں مرے مدوح
رہیں وہ سند دولت پہ جلوہ گرد اٹم

(۳) خواجہ حالی مرحوم، خواجہ ابزد بخش کے بیٹے اور پانی پت کے رہنے والے تھے۔ سوئی پت کے نہیں جو میرزا صاحب نے سہواً لکھ دیا ہے۔ سنہ ۱۸۳۷ء کے قریب پیدا ہوئے عربی و فارسی کی تحصیل کے ساتھ شرو سخن کا بھی مشغلہ جاری رکھا۔ میرزا غالب کے قابل فخر شاگردوں میں شمار کیے جاتے ہیں، اور نئی طرز شاعری کے موجب ہیں۔ یادگار غالب حیات جاوید، سدس حالی وغیرہ ان کی تصنیفات ہیں۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں انتقال کیا۔ یہ عربی اور فہرہ ان کے کلیات میں موجود نہیں ہے:

حاشیہ بوسان لباط فیض سنا، حضرت نواب کیوان جناب جہاں مطار، جہانیاں بادام اقبال
بوقت عرض میرساند

بعد گذارش مراتب عجز و انکسار و تقدیم آداب تحین و تہنوتی چند خارج از
آہنگ بری کتد، ہر چند سامع خراش است، اما شنیدنی دارد۔ دوش در عالم سرخوشی
خیال بیٹی جہد تازی زبان در مدح ہند گان حضور ترتیب میداد۔ ناگاہ دل سودا
زده بمنارعت برخاست و گفت: ”چیست کہ از چار سو روی در ہم کشیدہ سر نیاز
بر این آستانہ فرود آوردہ؟ مگر با ملا زبان در گاہ سالقہ معرفتی داشتہ باشی؟“ گفتم:
”در میانہ شاہ و گدا معرفت چگونه تواند گنجید؟“ گفت: ”پس حلقہ کو بی در دولت بحب
نسبت راست آید؟ نشنیدہ کہ گفتہ اند: در میرد و وزیر و سلطان را: بی وسیلت نگر و
پیر امن“ گفتم: ”آنجاکہ کرم عیم است۔ بیگانہ حکم آشنادارد“ گفت: ”یاد دارم
کہ پیش از مسند آرائی ہند گان حضور قصیدہ متضمن مدح حضرت فردوس مکاں ہستانت
بعضی از اعیان حسن پور گذارش کردہ و از انجا نوید قبولی ہم بتو رسیدہ تا بصلہ انعام
چہ رسد، اکنون بکدام توقع این مہ شادمان بودہ؟“ گفتم: ”شہرت باو! مگر آگاہ نہ از
قول عرب: کنتن فک الا دل للآخر“ گفت: ”نہ ترا فضلی مشہور، نہ

ذکر می سائر سخن چون تو گنمای بہ التفات چہ ارزد؟“ گفتم: ”در مذہب من حرام
است ستایش کسی کہ از شہرت مشکلم بحسن کلام و ارسد، و از من قال: ہما قال پی برد
گفت: ”آخر من این مدیحہ سرائی چہ خواہی؟“ گفتم: ”خواہم آنچہ خواہم“
گفت: ”از طلب مجہول مطلق چہ خیزد؟“ گفتم: ”کار بار دوش منیری است کہ گفتہ و
ناگفتہ ہمیشہ کی است“ گفت: ”نعم، اما از اظہار مدعا چہ خلل زاید؟“ گفتم: ”سائل
را زیان دارد“ گفت: ”چگونه؟“ گفتم: ”ہمت مدوح بلند تر از ان است کہ آرزوی

مقام امن میں ہیں رات دن خوش طیور
کہ روزِ سخنہ انصاف اُس پہ ہے مامور
سمو شان و جلالت میں صبح ہے مغفور
کہ آبِ آب سراپا ہو جس سے ابرِ حور

لب شکایت و فریاد کیوں نہ بند رہیں
بندھے ہیں ایک ہی رسی میں ظلم و فتنہ و تیر
علو جاہ و مراتب میں گرد ہے دارا
لکھوں وہ مطلع رنگین میں اب سراپا ہیں

مطلع

کہ جس طرح ہے ہم ربطِ ملفل و کافور
وہ آفتاب کا جلوہ، یہ ماہتاب کا نور
بونہی ہے سر میں، قمری، حمالِ قد کا ظہور؟
جہاں میں دیکھی سو ادبِ بیانِ دبدبہ حور
ہم ہوئیں، تو بڑھا ذوقِ دیدہ جمہور
یہی الف سراقبال کا ہے تاجِ سرور
شجاع، باذلِ دوران، بلند قدر، غیور
عدت کا گھر ہوتا راجِ سیلِ قلم نور
تری نظر کا ہے، اے جو ہری صریح قصور
مخاطب اُن سے ہوں باطن میں، ظاہرِ بود و

یہ خال و رخ ہے کہ ہے اتصالِ ظلمت نور
خدا نے حُسن دیا، حُسن پر رہا سست دی
اسی طرح کا ہے، بلبل ترے گلوں میں رنگ
نمودِ خطائے کیا حُسنِ خطا کو روزِ افروز
صباحِ رُخ و کیفیتِ ملاحظتِ خال
الف ہے مٹی، روستنِ مگر امارت کا
حسین، رشکِ قمر، نوجوان، جواں دولت
بہائی اب گھر آب و تابِ دنداں نے
کھلا ہوا لعل کہاں لب کے رنگ پر سرسبز
ہوا ہے مطلعِ تازہ کا پھر مجھے سودا

مطلع

دُرِ نسیم کو ہرگز نہ کوئی دیکھے عور
اگرچہ طالعِ خفہ ہو خواب سے مجبور
نوا اُس کے مطلبِ خاطرِ غیب سے ہو ظہور
قریب اُس سے ہے سربِ فیضیاب ہے دُر
مگر حضور کے الطاف کا اگر ہو صدور
رہوں ہمیشہ میں انعام و لطف سے شکور
کہ مدحِ خواہاں ہوں زمانے میں کیا مشہور
سخن نے میرے نہیں پایا مدح کا دستور (۱)
ہزار گنج سخن اور طبع ہے گنجِ در (۲)
کہ نا بکھر ہو جس کا جہاں میں مذکور
پڑھوں قصیدہ وہ جس سے حضورِ موسیٰ
نہیں ہے مدحِ سراؤں کا کہیں دستور (۳)
میر، تجھ سے میں مدحتِ سرا قریبِ حقد
کہ جھکوں بتِ یارِ ایسے ہے کبر و نازِ مرزور
کہ طبع ہوتی ہے آمین کہنے پر مامور
یہ ماہتاب ہے جب تک زمین پہ ناسم نور

اگر حضور کو ہو پرورش ذرا منظور
دکھائیں پاؤں طلب سے جگہ کے روزِ نشاط
رہے خیالِ کرم میں حضور کے جو کوئی
دیا ہے آپ کو حق نے وہ دل کہ صورتِ ابر
اگرچہ دور ہوں میں آستانِ دولت سے
مجھے ہو دور قریب اور قربِ عزت ہو
اگرچہ مجھ کو ہے مشکل یہ منزلتِ پانی
قلم کو میرے ہمیں آج تک یہ راہ ملی
بندھے ہیں لبِ مرے، گویا ہے مہرِ خاموشی
اشارہ چاہتی ہے طبعِ مدحِ سخِ مری
لکھوں وہ مدح کہ جو یادگارِ عالم ہو
ہو اسے کیا مجھے ملکِ صغیر مدحِ مسر
وہ آفتاب ہے، تو ذرۂ کیا ہے مدحِ تری
اگر کرم ہو اُنھیں کا نورِ مہوں میں بھی
لے آپ دعا کا محل ہے اٹھادے دستِ دعا
یہ آفتاب ہے جب تک فلک پہ جلوہ فروز

تفسیر یہ صنعت تو شیخ در مدح نواب سلطان علی القاب جناب نواب
کلب علی خاں بہا در دام آفتابہ والی رامپور

لندھا دے شیشہ صبا پلائے جام سرور
وہ بیٹھا خانہ رنج و الم بفضل غفور
کھلی صباحت نسری کھٹی ملاحت سورا
ہزار عیش میں ہی، وصل گل ہی کل گل دور
کیا ہے صنعت معمار طبع نے معمور
جہت نہ ڈھونڈ کہ ہے شہت میں کیوں بیور
بچھے ہو آج سزاوار عیش کا مذکور
کہ آج مند دولت ہے تور سے معمور
خاب کلب علی خاں غبور ابن عبور
کہ رامپور ہو ہے تمام دار سرور
کہ جس کے لکھنے کو آئے بیاض دیدہ حور

نور ساقی رنداں کہ ہے طرب کا ظہور
وہ آٹھا ابر وہ بادل چلے برسے کو
اڑی نقابت نرگس بڑھی وجاہت گل
بہار حبش میں ہی بھولوں کے یاد نگ ہے آج
مرا بھی خاؤ دل نقشہ نامی رنگیں سے
سبب نہ پوچھ کہ دل کیوں ہر خانہ بلع ماز
بچھے ہو آج مبارک یہ دور دور شراب
طرب طرب نہ کہے کھل کے کس لیے غنچہ
امارت آج ہے نازاں کہ زیب مند ہیں
بنایا دور فلک نے زمین کو رشک ارم
میں اس خوشی میں پڑھوں ایک مطلع رنگیں

مطلع

توسیل دیدہ سلطان ہو خانہ دستور
جلالت ابدی سے ہیں منتشر جمہور
وہ اس لیے ہے کہ نے ظلم ان کی حد سے دور
جو چور شمع کا گلگیر نے کیا محصور
ہما کے سایے کے خواہاں نہیں ہیں اب جمہور
کہ جیسے رش کو ہوا انتقاش طلعت حور
زمین پر ایک جگہ ہے مقام سایہ و نور
ہوے ہیں فرط بشارت سے دل بری برور
جلال و رعب سے درشت ہیں نصیر و فقور
بری ہونا مینشی سے گو ہر منشور
کائنات ہوا ہ سے زائل تو آفتاب سے نور
کہ اب ہے فکر کسری پہنچے سے مفور
یقین اتنا تو ہے بعد انقضای دہور
جو اور قصد پہ ہو گام سنخ کیا مقدور
چٹا سے مہر جلالت کے سانیے ہیں سے عور
رعایت اس کو رعایا کی رات دن منظور
نہ لے سیاہی فلعلی سفیدی کا فہور

غنایت اس کی نہ چاہے اگر نظام امور
لیاقت ازلی سے ہے مطلق عالم ق
یہ اس لیے ہے کہ ایذا نہ دے کسی کو کوئی
اسیر دام خط دست میں سے دزد حنا
لواہی عدل ہوا سایہ افکن سر خلق
قلوب خلق ہیں یوں اس کے حکم سے خورد
اس انتظام کو دیکھو یہ عدل ہے نایاب
بری ہیں درد و غم در رخ سے تمام قلوب
جمال و علم سے اُسید ہیں غنی و فقیر
نبیب عدل اگر روئے ظلم حادثہ کو
اشارہ ہو جو ذرا عدل ذکر اقدس کا
بلند عدل کا پایہ ہوا یہ ان کے سبب
نابت ان کی کرے آ کے ہاں اگر کسری
وہ پہنچے نہ تبت اول پہ عدل کے لیکن
اٹھا ہے چوب ادب سر پر اس کے شمع حرب
برایت اس کو برایا کی دسدم محفوظ
کسی کو زیگ بگاڑے نہ کوئی باہر دخل

میرا وطن کیا، جو صوبہ اودھ میں نام برد آردہ اور معدنِ علم و فن ہوتا آیا ہے اور شیخ
اتان علی سحر اور میرزا سلامت علی دبیر لکھنوی اور مرزا نوشہ اسد اللہ خاں غالب دہلی
کا شاگرد اور شیخ امداد علی بک لکھنوی کا مقلد اور میرزا شمس علی دبیر لکھنوی کا معتقد ہے
مگر آب و دانہ پانچ برس کی عمر میں مجھے نصیب آرد ضلع شاہ آباد، قریب عظیم آباد میں کے
لایا۔ اور شوقِ علم نے ہمیشہ اس زادِ نیشین نادانی کو اکثر بلاد و اقصاء میں صورتِ پرکار
پھرایا۔ بارہا لکھنوی کی سیر کی، دہلی گیا۔ اساتذہ سابق سے سابقہ رہا۔

استاد من بشیوہ اردو زبان سحر کز ناسخ است یافتہ تغای شاعری
در مرثیہ دبیر بود استاد من مقبول کبریا شدہ اندر حجبِ جدی
غالب بود ہندویر شعرم بیادہی کوہست در زمانہ علم با ہندوری

(ایضاً: ۱۶)

میرزا صاحب نے رنجائتِ صفیر کی تقریظ میں ان کی ٹری تحریف کی ہے۔ فرماتے ہیں:
”سیدی سندی، نور بصر، نختِ جگر، قرۃ العین اسد، مولوی سید فرزند احمد کے
طویل عمر و دوامِ دولت و بقای اقبال کی دعا مانگتا ہوں، جن کو سید و فیاض سے اس کے
کے لکھنے کی توفیق عطا ہوئی ہے۔ سبحان اللہ! تفرقتہ بزرگوار تائیت کی تقریر کہ وہ اور
مطالب کی توضیح پر بھی مشتمل ہے، کس لطف سے ادا ہوئی ہے۔ ہر چند اس راہ سے کہ
سید صاحب دانا اور دقیقہ رس اور منصف ہیں، قواعد تذکیر و تائیت کے مضبوط ہونے کے
خود معترف ہیں، لیکن ثبوتِ علم اور حینِ فہم اور لطیفِ طبع سے وہ مضبوط ضوابط ہم
پہنچائے ہیں کہ مجھے دل سے پسند آتے ہیں۔ دعا یہ ہے اور یقین بھی یہی ہے کہ یہ سالہ
صنفِ دہر پر یادگار اور ہمیشہ منظورِ انظار اور اولابصار رہے گا۔ جو صاحب اس کو طالع فرمایا
نفع بھی پائیں گے، اور لطف بھی اٹھائیں گے۔ مولف صاحب جو کامیاب اپنے ذہن
رسا سے ہیں، رئیسِ جلیل القدر آراء اور حضرتِ فلک رفعتِ موادی صاحبِ عالم صاحب
مارہردی کے نواسے ہیں، سید واسطی بگرامی ہیں، جہاں کے ساداتِ علم و فضل میں نامی
اور قدر و منزلت میں گرامی ہیں۔ ان حضرات کا مآدح گویا اپنا ثنا خواں ہے، جیسا کہ مولوی
معنوی روحی علیہ الرحمہ کا بیان ہے۔

مادحِ خورشیدِ مداحِ خودست کہ مراد و چشمِ سر نامزد است

۱۲۳۸ھ
محمد علی

داد کا طالب غالب

صفیر نے ۱۳۰۷ھ (۱۸۸۹ء) میں انتقال کیا (نخاستہ: ۵، ۳۳۹، تاریخِ لطیف

(۱۶۳)

اس قصیدے کے ہر شعر کا پہلا حرف ملایا جائے تو ”نواب مستطاب علی انقاب
جناب نواب کلب علی حاں صاحب بہادر دامِ اقبالہ والی رام پور“ بن جائے۔ اسی کا
نام صنعتِ توشیح ہے۔ حاشیے کا جلِ لغات خود صفیر کا نوشتہ ہے۔

فرما کر عنایت نامہ موسومہ فدوی کے میں عنایت فرمائیے :
 کاٹ کر میرا عدا عرض کرتو، اسے نشی بندگان عالی کا آج غیل صحت ہے
 اس شعر کا مصرع ثانی مادۂ تاریخ ہے۔ چونکہ اس کے اعداد ۱۸۶۶ ہونے میں اس لیے ایک
 عدد کا تخریج کیا گیا ہے۔ فقرہ (کاٹ کر میرا عدا) بتاتا ہے کہ اگر سر اعدا یعنی حرف الف
 کے عدد کو، جو ایک ہے، مادۂ تاریخ میں سے کم کر دیا جائے، تو اعدادِ مطلوبہ ۱۸۶۵
 حاصل ہو جائیں گے۔ چونکہ یہ امر قاعدۂ تاریخ گوئی کے عین مطابق ہے، اس لیے میرزا صاحب
 نے اس پر جو اعتراض کیا ہے، وہ درست نہیں۔

- (۳) قصیدۂ ثنایت عریضہ نمبر ۴۴ کے حاشیے میں درج ہے۔
 (۴) شاہ کبیر الدین صاحب سہرام کے ایک بزرگ تھے۔ مزید حالات کا پتا نہیں۔
 (۵) میرزا صاحب نے سہواً ماہِ آئندہ کو رجب لکھ دیا ہے ورنہ فی الواقع اگلا مہینہ رمضان
 تھا اس لیے کہ عریضہ ۴۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال ۱۳ دسمبر کو رجب کی بھی ۱۳ تاریخ
 تھی۔ لہذا ۱۹ جنوری کو، ۱۹، یا ۲۰ شعبان ہو گی، اور شعبان کے بعد رمضان آتا ہے،
 رجب نہیں آتا۔

صفحہ ۱۱۱

- (۱) زین العابدین قاضی کا خط میرزا صاحب کے مکتوب (۱۲۰) کے حاشیے میں نقل ہو چکا ہے
 (۲) عریضہ نمبر ۴۴ مراد ہے
 (۳) سفر : ضرور۔
 (۴) یہ عریضہ کلیاتِ نثر فارسی میں شامل نہیں ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ رامپور سے
 نقل ردا نامہ میں کی گئی۔
 (۵) اس کے آخر میں میرزا صاحب نے اپنا نام اور تاریخ کتابت کچھ نہیں لکھا ہے۔ پشتِ ورق
 پر کسی اہلکار کا ردِ ارا لاشانے حسبِ ذیل یادداشت لکھی ہے: ”قصیدہ ہامی شاعرانِ مر
 مرزا نوشہ صاحب ۲۹ رجب سنہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۹ دسمبر سنہ ۱۸۶۵ء“ اس سے
 معلوم ہوتا ہے کہ دسمبر سنہ ۱۸۶۵ء کی ۱۵ یا ۱۶ کو میرزا صاحب نے یہ خط لکھا ہوگا۔
 خط کا لغافہ ضائع نہ ہو جاتا، تو تاریخ کا واقعی علم ممکن تھا۔

صفحہ ۱۱۲

- (۱) سید فرزند احمد حقیر بلگرامی، سید عبدالحی عرف سید احمد احمد تخلص کے بیٹے اور مکیم حاجی پو
 سید غلام محلی کے پوتے ہیں۔ نسب میں حسینی سید اور بلگرام کے باشندے ہیں۔ اپنے نانا کے گھر
 مارہرے میں پیدا ہوئے۔ ”شش الضعی“ سے سالِ ولادت ۱۲۴۹ھ نکلتا ہے۔ رشحاتِ صغیر
 (صد ۱۹، مطبع نورالانوار آگرہ، ۱۲۹۳ھ) میں خود اپنا حال اس طرح لکھا ہے :
 ”خانیہ میرمٹا نے قصیدہ مارہرہ ضلع کول میں مجھے خلعتِ میلاد دیا، جو میرے نانا حضرت
 شہ: عالم صاحب علیہ الرحمہ، سجادہ نشین مارہرہ کا مسکن ہے، جن کو حضرت غالبؒ ہادی
 نے بیخ آہنگ اور اردوی معلیٰ وغیرہ میں پیر و مرشد کر کے یا د کیا ہے، اور قصیدہ بلگرام کو

(۳) مطبوعہ میں یہ قصیدہ نہیں ہے۔

صفحہ ۱۰۴

(۱) میرزا صاحب نے آراستگی پر اسی طرح اعراب لگائے ہیں۔ مگر مطبوعہ میں اس اصلاح کا اتباع نہیں کیا گیا ہے۔

(۲) مطبوعہ: ”پہنچتی ہے“

(۳) یہ کتابت کی غلطی ہے۔

(۴) مطبوعہ میں اس اصلاح کا اتباع نہیں کیا گیا ہے۔

صفحہ ۱۰۵

(۱) مطبوعہ میں اس اصلاح کا اتباع نہیں کیا گیا ہے۔

(۲) مطبوعہ: ”آگاہ تو ہے“

(۳) یہ کتابت کی غلطی ہے۔

صفحہ ۱۰۶

(۱) مطبوعہ میں یہ شعر نہیں ہے۔

صفحہ ۱۰۷

(۱) مطبوعہ: ”عدو کے پر بتانے کی نہیں ہے“

(۲) مطبوعہ: ”تو اُن کو کرے پیار“

(۳) مطبوعہ میں یہ رباعی نہیں ہے۔

(۴) یہ کتابت کی غلطی ہے۔

(۵) اصل: ”مطلوبین“۔ یہ کتابت کی غلطی تھی۔ دراصل اسے مظلومی لکھنا چاہیے تھا، جس سے مظلوم ہونا مراد ہے۔ میرزا صاحب مظلوم کی جمع مظلومین سمجھے۔ چونکہ یہ لفظ غیر موزوں سا تھا، انھوں نے ”مقتولوں“ سے بدل دیا۔ حالانکہ زیادہ موزوں وہی ”مظلومی“ ہے۔

صفحہ ۱۰۸

(۱) یہ غزل میرزا صاحب کی اُس غزل کی ہم طرح ہے جس کا مقطع ہے: اب ہے دلی کی طرف کوچ ہمارا غالب:۔ آج ہم حضرت نواب سے بھی مل آئے۔ پڑی غزل کیلئے غالب نامہ ۲۰۲۰ طبع دوم ملاحظہ ہو۔

صفحہ ۱۰۹

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب نے مکتوب مورخہ ۲۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۲ء کے لغاشے پر لکھی تھی۔

صفحہ ۱۱۰

(۱) یہ خط نواب فردوس میاں کے غزل صحت کی تاریخ کے متعلق لکھا گیا تھا۔ سرکار کے عرض اور فاسفے کے متعلق عرائض ۳۶ تا ۴۴ اور اُن کے حواشی ملاحظہ ہوں۔

(۲) منشی صاحب نے میرزا غالب کے مکتوب مورخہ ۲۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۲ء کے جواب میں جو خط تحریر کیا تھا، اُس میں ذکرِ ماہِ جشن کے بعد درخواست کی تھی کہ ”اب مادہ تاریخ کا فردوسی نے نکالا ہے، سو عرض کر رہوں۔ امیدوار ہوں کہ اُس کے دو شعر موزوں

- (۳) مطبوعہ: ”حشر کے دن چوکی اُس سے ایک محبت اندر رہی۔“
 (۴) مطبوعہ: ”ختم ہے یہاں گردن۔“
 (۵) مطبوعہ میں: ”تو اسی طرح بانی رکھا گیا ہے۔“
 (۱) یہ خط دلوآن کے آخری سادہ نمبر پر لکھا گیا ہے۔

- (۱) مطبوعہ میں بتعریب ہے۔
 (۲) مطبوعہ میں اس مطلع کو اس طرح چھپا گیا ہے: ”منبت ہے زباں زبانی تو دیکھو شہادت
 ہی چڑھائی جا، مجھ کو ایسا ناسخ خوش آتا ہے۔“
 (۳) مطبوعہ: ”دسم ہے آفت۔“
 (۴) مطبوعہ: ”ہو گیا۔“

- (۱) مطبوعہ: ”ماہی نام رہے مثنوی میں دو کام آئے تھے۔“
 (۲) مطبوعہ: ”ملا کر خاک میں بس ملے نہ وہ۔“
 (۳) مطبوعہ: ”عشق۔“

- (۱) بیتاب کا اس زمین میں دو غزل ہے، مگر یہ قافیہ با اس معنوں کا شعر انہوں نے نہیں
 لکھا تھا۔ میرزا صاحب نے اپنی عادت کے خلاف پورا شعر خود کہہ کر لکھ دیا ہے۔
 (۲) مطبوعہ میں یہ شعر اس طرح درج ہے: ”مگ لائے اک ذرا سا صبر سے نام سے
 مارڈالا بیواری نے، کوئی اللہ سے
 (۳) دراصل میرزا صاحب کی سمجھ میں صرف لفظ ”یونہی“ نہیں آیا ہوتا ہے کتاب ”یونہی“
 لکھ دیا تھا، ورنہ مصرع کے اور تمام لفظ صاف صاف نثر پر مبنی ہیں۔
 (۴) مطبوعہ: ”مقاہت شوقِ طلبش، لیکن ادب مانع ہوا۔“

- (۱) مطبوعہ: ”عاشق ہیں، آب سانی اگر قتل کرے گا۔“
 (۲) بیتاب نے بھی غلط نہیں لکھا ہے۔ اصل کا مثنوی صحت کلام بڑھانا ہے۔

- (۱) مطبوعہ: ”بغیر اُس کے پیوں خون دل، یہی ساقی۔“
 (۲) مطبوعہ: ”نیکیوں کی تھے حکمی زمین سرکچہ تو دیر کی۔“
 (۱) اصل میں یہ مصرع اس طرح لکھا ہے: ”نیکیوں کی تھے حکمی زمین سرکچہ تو دیر کی۔“

- (۱) اصل میں مصرع کا پہلا لفظ ”ترش“ ہے اور لفظ ”آج“ کا تب سے رہ گیا ہے۔
 (۲) ”وہ طبع“

(۱) یہ خط دیوانِ بیتاب قلمی کے ورق ۸۸ الف کے حاشیے پر میرزا صاحب لکھا ہے
آخر میں تاریخ نہیں ہے۔ لیکن دوسرے خط کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نومبر
سنہ ۱۸۶۶ء سے قبل لکھا گیا تھا۔

صفحہ ۸۹

(۱) دیوانِ مطبوعہ میں اس اصلاح کا اتباع نہیں کیا گیا ہے۔

صفحہ ۹۰

(۱) دیوانِ مطبوعہ میں ”میں بھی“ ہے۔

صفحہ ۹۱

(۱) یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

(۲) مطبوعہ میں دوسرا مصرع یوں چھپا ہے: ”میں تم پہ مبتلا ہوں، وہ ہے مبتلا ہی شمع“

(۳) مطبوعہ: ”ہیں زخم اور آبد“

(۴) مطبوعہ: ”جب قابلِ بیاں ہی نہ اپنا رہا تلمن“

صفحہ ۹۲

(۱) مطبوعہ: ”بھوڑا ہوا ہے بک کے“

(۲) یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ دیوانِ مطبوعہ اور اس قلمی نسخے میں جو میرزا صاحب کے

اصلاحی نسخے سے منقول ہے، یہ غزل نہیں ہے۔

(۳) دیوانِ مطبوعہ میں اس اصلاح کا اتباع نہیں کیا گیا ہے۔

(۴) یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

(۵) مطبوعہ: ”لکھیں نغمے میں“۔ دراصل قلمی نسخے میں یہ اصلاح غالباً خود بیتاب نے کی ہے۔

صفحہ ۹۳

(۱) مطبوعہ: ”قل کا اپنے خوش آیا ہے۔ یہ ایسا ہم کو“ یہ بعد کی ترمیم معلوم ہوتی ہے۔

(۲) مطبوعہ: ”جوش و حشمت میں ہوں کہوں شگ میں عریانی کا“ یہ بھی بعد کی ترمیم ہے۔

(۳) میرزا صاحب کی یہ اصلاح درست نہیں ہے: اس لیے کہ مقتضی، مصدرِ اقتضیٰ کا اسم

مفعول ہے، اور جمع اس کی مقتضیات، بفتح یا بغیر تشدید ہوگی، نہ کہ مقتضیات

جیسا کہ میرزا صاحب نے لکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مطبوعہ میں مصرع اس طرح درج کیا گیا

ہے: مقتضایِ تبری سے تو نہ تھا صبر نگر۔

(۴) مطبوعہ: ”لگا“

(۵) مطبوعہ میں یہ غزل ردیفِ نون میں درج کی گئی ہے۔ مگر مطلع کی حسبِ ذیل صورت ہے

عبث ہیں خونفشاں یہ دیدہ و رنگاں زردنوں، فغانِ زوالہ ہیں نوبوں، مگر ہیں بے اثر دُنوں

صفحہ ۹۴

(۱) مطبوعہ: ”رکھے سُنہ کیوں کردہ میرے سینہ یُرداغ پر“

(۲) مطبوعہ: ”توڑ کر“

میرے پاس آگئی۔ میں نے خط صاحب کنتزدہلی چارس سائڈرس کو لکھا اور وہ عرصی حکم چڑھی ہوئی اس میں ملفوف کر کے بھیج دی۔ صاحب کنتز نے صاحب کلکٹر کے پاس بہ حکم چڑھا کر بھیجی کہ سائل کے نیشن کی کیفیت لکھو۔

اب وہ مقدمہ صاحب کلکٹر کے یہاں گیا ہے۔ ابھی صاحب کلکٹر نے تعمیل اس حکم کے نہیں کی۔ پرسوں تو ان کے ہاں بہ رو نگاری آئی ہے۔ دیکھتے کچھ مجھ سے یہ جیتے ہیں یا اپنے دفتر سے لکھ بھیجتے ہیں۔ دفتر کہاں رہا ہے، جو اس کو دیکھیں گے۔

بہر حال یہ خدا کا شکر ہے کہ بادشاہی دفتر میں سے میرا کچھ سول نساد میں پایا نہیں گیا، اور میں حکام کے نزدیک یہاں تک پاک ہوں کہ نیشن کی کیفیت طلب ہوئی ہے۔ ادھر میری کیفیت کا ذکر نہیں ہے۔ یعنی سب جانتے ہیں کہ اس کو نگاہ نہ تھا۔

سبائی، بدایت تو اچھی ہے، نہایت بھی خدا اچھی کرے۔ وہ عزت اور وہ ربط و ضبط جو ہم رئیس زادوں کا تھا، اب کہاں! روٹی کا ٹکڑا ہی مل جائے تو غصہ ہے۔ گورنری کلکٹر اور گورنری آگرہ اور اجنبی و کشتری و دیوانی و فوجداری و کلکٹری دہلی سے جو حکم میرے خط اور عرصی پر سوا ہے، مشتمل اس حکم پر خط میرے نام آیا ہے، حاکم نے اب بھی یہی حکم دیا تھا کہ لکھا جاوے کہ لوں کر دے، خط لکھا، عرف وہ عرصی حکم چڑھی ہوئی بھیج دی۔ (اردو: ۸۵، لاہور ایڈیشن: خطوط، ۱۱۱)

صفحہ ۸

(۱) لغافے سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے اسے لکھ تو ۲۴ مارچ کی کو لیا تھا، مگر ارادہ تھا کہ ۲۵ کو پوسٹ کرائیں گے، اس لیے ۲۵ مارچ تاریخ لکھ دی تھی، لکھ ازاں ازراہ عجلت ۲۴ ہی کو ڈاک میں ڈال دیا۔ اصل عبارت یہ ہے: ”در شہر امیور موصول د بخدمت نواب صاحب مشفق دکریم، منظر لطف و کرم، نواب زین العابدین خاں صاحب عرف ملکن میاں سلمہ اللہ تعالیٰ مقبول باد“ از غالب بکیرنگ، بیرنگ۔ سلسلہ ۲۵ مارچ ۱۸۵۸ء۔ ضروری۔ جواب طلب و ستا با طلب ۱۲ جون حجت در ارسال مکتوب می بالیست، ہم بروز چار شنبہ آخر روز ۲۴ مارچ فرستادہ شد۔“

(۲) یہ خط میرزا صاحب نے زین العابدین خاں کے اصل خط کے حاشیے پر نقل کر کے منشی سیلچند صاحب کو بھیج دیا تھا۔ زین العابدین خاں کے خط کی عبارت یہ ہے: ”نواب صاحب مشفق مہربان، کرمزماں دوستان، محمودۃ خویماں بیکران سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد سلام مسنون و اشتباہی ملاقات مباہجت متھون، یہ چند حرف ریزے بھیج کر تکلیف دینا ہوں کہ نگاہ کو ہر سنج سے ملاحظہ کر کے اغلاط محاورات، و تراکیب، و سستی، بندش و تعقیدات ضروری و معنوی، و تنافر الفاظ، و ابتذال معانی، جس جگہ واقع ہو مطلع فرمائیے۔ فقط۔ امر مستفسرہ سابق میں مدور مہربانی نامہ نامی نے علجان رنج کیا جواب اس کا بھی اگر جلد عنایت ہو، لجید ارتباط دیرینہ سے نہ ہوگا، زیادہ شوق و لبس فقط لگاشتم، دہم مارچ سنہ ۱۲۶۵ھ مقام جے پور۔“

۱۵ فروری کو میرزا صاحب کے انتقال سے ایک گھنٹہ قبل پہنچی تھی اس لیے اس کی رسید اپنے قلم سے نہ لکھ سکے۔ سویم کے روز حسین علی خاں نے سرکار کو میرزا صاحب کے انتقال کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا: ”بتاریخ ۱۵ فروری سنہ ۱۲۸۶ مطابق ۲ ذیقعد روز و شنبہ وقت ظہر جناب دادا جان صاحب قبلہ ذاب اسد اللہ خاں غالب عرف میرزا نوشہ صاحب نے اس جہان فانی سے رحلت کی۔ فذوی کچھ عرض نہیں کر سکتا کہ کس قدر رنج و الم اس سانحہ جانگزاؤ و عجز خراش سے لاحق ہوا ہے۔ اور نیز جناب دادی صاحبہ مخلمہ کا حال اس رنج سے عالم پیر میں ایسا ہو گیا ہے کہ گزارش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ حضور کا لوازش نامہ مع ہنڈوی یک صدر و پیہ بابت تنخواہ جو ری سنہ ۶۹ء کے ۱۵ فروری کو ایک گھنٹہ پہلے انتقال دادا جان صاحب سے سرف مدور لایا تھا۔ رسید ہنڈوی واسطے اطلاع حضور کے عرض کی گئی۔“

فروری کے چودہ دن کی تنخواہ کی رسید حسین علی خاں نے ۱۱ مئی سنہ ۶۹ء کو اپنی مہر لگا کر دہلی سے روانہ کی تھی جو ان کے خطوط کے فاضل ہیں مشک ہے۔ مگر ان کے مکتوب بنام سیکرٹری سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۶ ماہ مذکور تک تنخواہ کی ہنڈوی انھیں نہیں ملی تھی ۲۱ صفر ۱۲۸۶ھ کے ایک نوٹ سے پتا چلتا ہے کہ اس تاریخ سے قبل رقم یہاں سے بھیج دی گئی تھی۔ یہ تاریخ ۲ جون سنہ ۱۸۶۹ء کے مطابق ہے حسین علی خاں نے اپنے ۱۲ جون کے علیحدہ میں اس کے وصول کا ذکر کیا ہے۔

صفحہ ۸۵

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب نے لغافے پر لکھی تھی۔

صفحہ ۸۶

(۱) چیف کشنر سے لارڈ لارنس مراد ہیں جو ۱۸۵۳ء سے ۱۸۶۴ء تک پنجاب کے چیف کشنر اور بعد ازاں دسیراے بنادے تھے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ اسفہ ۶۶۔

(۲) کشنر دہلی سے چارلس سائڈرس مراد ہیں۔ ان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

(۳) اس زمانے میں دہلی کے کلکٹر فلپ ہنری آجٹن، آئی، سی، ایس تھے، یہ ۱۹ اگست ۱۸۶۲ء

میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۸۶۲ء میں ہندوستان آئے۔ شمال مغربی صوبے میں سنہ ۱۸۵۰ء

تک خدمات انجام دیں سنہ ۱۸۵۵ء سے ۱۸۵۹ء تک دہلی کے مجسٹریٹ اور کلکٹر رہے

لیکن سنہ ۵۷ء کے محاصرہ دہلی میں رخصت ہو گئے۔ اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ء کو واپس آکر بڑی

مضبوطی سے شہر اور ضلع میں اس واناں کو بحال کیا۔ سنہ ۱۸۵۹ء میں امرتسر کے کشنر

مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۸۶۸ء میں راولپنڈی بنادے ہوئے۔ ۱۷ جنوری سنہ ۱۸۶۳ء تا تاریخ انتقال تک

(۴) اس لفظ کو میرزا صاحب نے اسی طرح لکھا ہے۔ لیکن صحیح ”ریونیو بورڈ“ ہے۔

(۵) اس سلسلہ میں جو ۱۲ مارچ سنہ ۱۸۵۸ء کو تفتہ کو لکھا ہے: ”و عرنی میری سر جان لارنس

چیف کشنر بہادر کوٹنری۔ اس پر دستخط ہوئے کہ یہ عرنی مع کو اغذہ ضمیمہ سائل کے یاس

بھیج دی جائے اور یہ لکھا جائے کہ معرفت صاحب کشنر دہلی کے پیش کردہ اب سررشتہ دار

کو لازم تھا کہ میرے نام موافق دستور کے خط لکھتا۔ یہ نہ ہوا۔ وہ عرضی حکم چڑھائی ہوئی

ایک تحریر سے معلوم ہوا کہ مولانا شبلی نے یہ کتاب خانہ دیکھا تھا اور وہ اس کی جامعیت اور ندرت کے بید معترف تھے۔ مظفر حسین خاں سے نواب صاحب نے اس ذخیرے کا ایک محفول حصہ خرید کر سرکاری خزانہ کتب میں شامل فرمایا تھا۔ ان کتابوں پر مظفر حسین خاں کے دستخط ثبت ہیں۔ اور متعدد نسخوں پر عابجا حواشی بھی بائے جاتے ہیں۔ خود ان کے اپنے مصنف متذکرے بھی کتب خانے میں موجود ہیں۔ یہ عربی زبان میں فلسفہ و حکمت پر لکھے گئے ہیں۔ میرزا صاحب سے ان کی درباری قدر و منزلت کے متعلق آئے، تو میرزا صاحب نے منشی سلیم کے ذریعہ ان کی درباری قدر و منزلت کے متعلق استفسار کیا تھا۔۔۔۔۔ ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۱۲۷۔

احسان حسین خاں نے ۵ رجب سنہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) کو کر بلائی معالیٰ میں ۴ اشغال کیا رکلیات نمبر: ۵۳۵ اور مظفر حسین خاں سنہ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) میں ۶ فوٹ ہوئے (ایضاً: ۵۴۷) صفحہ ۳۴

(۱) اس خط میں خلاف دستور میرزا صاحب نے دعائیہ شعر نام اور تاریخ کے بعد لکھا ہے۔

صفحہ ۳۴

(۱) یہ بکیت اگر بڑی تنخواہ کو آمدنی میں شامل کر لینے کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ سہ ماہی سود کے علاوہ بھی صرف تریسٹھ روپے شاگرد پیشہ ہی کے رامپور کے سو روپے ہیں۔

سے منہا کر دیے جاتے ہیں، تو ۳ روپے بچتے ہیں۔

(۲) شاگرد پیشہ کی تنخواہ کا ذکر عرفیہ ۱۰ میں بھی گزر چکا ہے۔

(۳) اصل میں سود کی دال ساقل ہے۔ اس میں سود کی مقدار کے متعلق سرور کو لکھا ہوا: دونین برس کا چڑھا ہوا روپیہ مل گیا۔ بعد ازاں قرض موبہ بچے اب ماہ بچہ روپیہ ملتا ہے۔ مگر یہ تین مہینے ستمبر، اکتوبر، نومبر میں گئے۔ دسمبر سے ۱۸۶۰ء میں تنخواہ ششماہی ہو جائے گی۔ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ چار روپیہ سیکڑہ سالانہ عموماً وضع ہوا کرے گا اس حساب سے میرے حصے میں ڈھائی روپیہ مہینہ آیا۔ بچے کے ساتھ رہیں گے۔

کیہ رامپور سے ماہ بچہ آتا ہے۔ یہ دونوں آمدنیں مل کر خوش و ناخوش گزارا ہو جاتا ہے۔ (۱۰ ماہور ایڈیشن)

صفحہ ۳۴

(۴) لغانے کی لیشنت یہ لکھا ہے: "پیش نمودہ شد۔ ہنوز حکم صادر نکر دیو ۲۳ اکتوبر سنہ ۱۸۶۸ء"

(۱) اس عربی کے لغاتے پر ۱۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ء درج ہے، حالانکہ ڈاک خانے کی مہر کے اندر بھی، آثارِ پنجاب مندرج ہے اس سے تعین ہوتا ہے کہ سووا لغانے پر ۱۵ دسمبر لکھا گیا ہے۔ لغانے کی لیشنت پر ڈاک ہے: "پیش نمودہ شد حکم صادر نشد۔ ۲۰ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ء"

(۲) اس لغت کو سید رحمت اللہ علی نے "قرضخاں" نام سے لکھا ہے۔

(۳) اصل میں ۱۲۵۸ لکھا ہے۔ اور لغانے پر دوم جنوری سنہ ۱۸۶۹ء تحریر ہے۔ یہ میرزا صاحب کی آخری تحریر ہے جس میں علی خاں کے عرفیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوری کی تنخواہ

رباعی کو قطع مبارکباد لکھنا کتابت کا سہو ہے۔

صفحہ ۸۰

(۱) عریضے کے لفافے پر ”دو شنبہ نهم مارچ سنہ ۱۸۶۸“ درج ہے۔

(۲) کاغذ سے ہنڈوی مراد ہے۔

(۳) عریضے میں کاتب کا نام اور تاریخ کتابت دونوں درج نہیں۔ لفافے پر میرزا صاحب نے

دو شنبہ ۱۱ اپریل سنہ ۱۸۶۸ء تحریر کیا ہے جو درست نہیں ہے۔ اولاً اس لیے کہ ڈاک لفافے

کی انگریزی مہر میں ”مئی درج ہے“، ثانیاً اس لیے کہ عریضے میں تنخواہ اپریل کی اطلاع

دی ہے اور یہ مسلم ہے کہ اپریل کی تنخواہ اپریل میں نہیں ملتی، مئی میں ملتی ہے اس لیے

اس کو ۱۱ مئی سنہ ۶۸ء کا ہونا چاہیے۔

(۴) میرزا صاحب نے سہو ۱۸۶۷ء لکھ دیا ہے۔ صحیح تاریخ ۲۷ مئی سنہ ۱۸۶۸ء ہے، اس لیے

کہ اولاً تو جون سنہ ۶۸ء کے نوشتہ عریضے میں اس کی رسید طلب کی ہے، اور اس میں

اس خط کو ”سابق کا عریضہ“ لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں عریضوں کے

درمیان کسی تیسرے عریضے کا فصل نہیں تھا، ثانیاً اسی عریضے کے لفافے کی پشت پر

میرٹھی صاحب کا حسب ذیل نوٹ ہے: ”نصویر بعد ملاحظہ سپرد سید مجاہد علی صاحب

شد۔ ۲ جون سنہ ۱۸۶۸ء اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ سنہ ۶۸ء کا ہے۔ اگر

سنہ ۶۷ء کا ہوتا تو اسی سال میرزا صاحب تقاضا ہی رسید کرتے، اور اسی وقت سرکار بہ

نصویر ملاحظہ فرما کر سید مجاہد علی صاحب کو دیتے۔

صفحہ ۸۱

(۱) نواب صاحب نے جوابی فرمان مورخہ ۷ جولائی سنہ ۶۸ء میں تحریر فرمایا ہے: ”شعبہ

آن شفق وصول شادمانی آوردہ از نظر محبتہا مستقر شد“ اس نصویر کے علاوہ میرزا

صاحب نے جہاں جہاں اپنی نصویریں بھیجی تھیں، ان کے لیے اردو میں معنی (ص ۲۰،

۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰) ملاحظہ ہو۔

(۲) اس عریضے میں صرف (طالب غالب) میرزا صاحب کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ نیز کاتب نے

بجائے دلجمی کے دلجمی لکھا ہے! سپر شالبا، میرزا صاحب کی نظر نہیں پڑی۔

(۳) یہاں لفظ ”میں“ ساقط معلوم ہوتا ہے۔

(۴) مظفر حسین خاں بہادر ابن مسیح الدولہ حاکم علی حسن خاں بہادر جاوید جنگ اس حکم الملوک

میرزا علی خاں بہادر لکھنوی نواب خلد آشتیاں کے مصاحب تھے۔ ان کے والد مسیح الدولہ

شاہ اودھ کے طبیب خاص تھے۔ سلطان اودھ کی ساطاٹ جانے کے بعد یہ خاندان

بھی نرگ وطن پر مجبور ہوا۔ رامپور اس زمانے میں صاحبان علم و سہر کا لجامہادی تھا۔

مظفر حسین خاں اور ان کے بھائی احسان حسین خاں نے بھی سنہ ۱۸۶۷ء میں اس دربار

دربار کا قصد کیا۔ نواب خلد آشتیاں نے ان دونوں کی کماحقہ مہذد و منزلت کی۔ مسیح الدولہ

صاحب علم اور ایک نہایت عمدہ ذخیرہ محظوظات و منظوعات کے مالک تھے، جو ان کے

انتقال کے بعد ان کے دونوں بیٹوں کو وراثت میں ملا۔ نواب صدربار جنگ بہادر کی

غالباً خورشید بیگم عرفہ ہوگا۔

(۳) اس غریبے کے جواب میں نواب خلد آشتیاں نے تحریر فرمایا: "..... چون کہ آن مشفق تعداد مصارف شادی مجوزہ خود تحریر نہ نمودہ اند، لہذا حوالہ تمامہ محبت نگار میشود کہ اول از تعداد مصارف شادی مطلع نمایند کہ بعد دریافت آن درین خصوص تجویز مناسب بعمل خواهد آمد، چرا کہ بمقتضای موافقت و اتحاد قدیمہ راقم را خوشنودئی آن مہربان در امور مناسبہ مد نظر است..... المرقوم ۱۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۸۴ھ مطابق ۸ اکتوبر سنہ ۱۸۶۷ء

صفحہ ۴۷

(۱) سلطان سنجریں ملک شاہ سلجوقی سنہ ۵۱۱ھ (۱۱۱۷ء) میں تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ بڑا اولوالعزم اور صاحب جود و کرم بادشاہ تھا۔ اس کا ابتدائی عہد حکومت فتوحات کی وسعت کی بدولت تاریخ کا روشن باب ہے۔ علم و سہن اور سر و سخن کا بھی بڑا قدردان اور مربی تھا۔ رشید و طواطا اور انوری وغیرہ اس کے درباری شاعر میں شمار ہوتے ہیں۔ اس نے کاشانہ انوری کو اپنے قدوم مہمنت لزوم سے دوبار شرف بخشا۔ آخر میں ترکمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا تھا۔ وہاں سے بدولت آزاد ہوا، تو اربعہ الثانی سنہ ۵۵۲ھ (۱۱۵۷ء) کو دہشت قلعہ نے پکڑ لیا۔

(۲) شاہجہان ہندوستان کے محل سلاطین کا پانچواں حکمران تھا۔ ۲۹ ربیع الاول سنہ ۱۰۰۲ھ (۱۵۹۳ء) میں رانی بالمتی، دختر راجہ اودیسنگھ والی جودھپور کے لہن سے پیدا ہوا۔ ۲۵ سال کی عمر میں سنہ ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ء) میں مسند حکومت پر قدم رکھا۔ اور سنہ ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۷ء) میں عالمگیر اورنگ زیب کے حق میں تاج و تخت ہند سے دست بردار ہو کر آگرے کے قلعے میں جا بسا۔ موجودہ دہلی اسی کی آباد کی ہوئی ہے۔ بڑا سخی ذاتا اور شہرہ آفاق قدردان علم و سہن بادشاہ گزرا ہے۔ دہلی کی مسجد جامع اور لال قلعہ اور آگرے کے عظیم النظیر روضہ تاج محل کا بانی ہے۔ اس کی قدردانی اور قدرا فرمائی کا یہ عالم تھا کہ محمد جان قدسی اور کلیم مہدانی کو قسیدوں کے چیلے میں رسیوں سے ٹکوا دیا۔ حسن اتفاق کہ دونوں سارے پانچ ہزار روپے بھر نکلے۔ قدسی کو دوبار خلعت اور دہزار روپے عطا ہوئے۔ کلیم کو جتن وزن تھسی کی تعریف میں ۱۰ ہزار روپے کا صلہ عطا کیا۔ بعض شاعروں کے منہ ہیرے اور موتیوں سے بھر دیے۔ اس نے آگرے میں سنہ ۱۰۷۶ھ (۱۶۶۵ء) میں وفات پائی اور تاج محل میں اپنی بیوی کے برابر مدفون ہوا۔

(۳) باقر علی خاں کے لیے دیباچہ، بحث خاندان سببی ملاحظہ ہو۔

(۴) میرزا صاحب نے "گرتا" ہے لکھا ہے۔ لیکن یا تو "گرتا ہوں" ہو جا چاہئے اور یا "گرتی ہے" چونکہ میرزا صاحب تمام دلی والوں کی طرح مرکب مصادر ہیں جزاء دل کی نانیٹ کی صورت میں علامت مصدر "نا" کو "نی" سے بدل دیتے ہیں اسلئے "گرتا ہوں" کی جگہ "گرتی ہے" سہو لکھ گیا ہے۔

(۵) یہ مصرع میرزا صاحب کے ایک فارسی لوحے کا دوسرا مصرع ہے۔ پہلا مصرع یہ ہے۔
 ”شد عزتہ بخون پیکر شاہ سند الہامی“ ملاحظہ ہو کہ باب نظم فارسی - ۶ ستمبر ۱۸۶۲ء کے
 ایک خط موسومہ ”نواب میر غلام بابا خاں رئیس سورت میں بھی ”نواب میر جعفر علی خاں کے
 بعد ۶۴ سال فوت ہو جانے پر انوس کرتے ہوئے میرزا صاحب نے یہی مصرع دہرایا ہے۔
 ملاحظہ ہو اردو دیعلی: ۶، طبع لاہور۔

صفحہ ۱۷

(۱) علی بخش خاں خانساں کے سلسلے میں بھیسویں عریضے کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

(۲) میرزا صاحب نے سو ارمیہ لکھ دیا ہے۔
 صفحہ ۱۲

(۱) صاحب عالم میرزا رحیم الدین بہادر جیہا سن میرزا کریم الدین رسا دلی کے شاہسرا دے
 اور شاہ نصیر کے شاگرد بنے۔ سنہ ۱۲۱۲ھ میں میدا ہوئے۔ رجب سنہ ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۵ء)
 میں نواب فردوس مکاں کی طلب پر رامپور تشریف لائے، اور یس سنہ ۱۳۳۴ھ میں نواب
 خلد آشاں کی وفات کے ۸ دن بعد ۹۴ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ انھیں شعر و شریع
 کا بہت ستون تھا۔ میرزا صاحب نے ان کے دیوان کا دیباچہ بھی لکھا ہے۔ تفصیل کے
 لیے گلستان سخن (۲۰۷) اور خیمانہ (۵۱۰، ۲) ملاحظہ ہو۔

(۲) میرزا رحیم الدین بہادر جیہا کے بونے رامپور میں بقیہ حیات ہیں۔ انھوں نے بھی فاصل
 شریع باز کے حالات سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

(۳) ان صاحبزادی کا نام اور ان کے والد کا نام اگلے خط میں خود میرزا صاحب نے لکھ دیا ہے
 یہاں یہ بتا دنا ضروری ہے کہ نواب احمد بخش خاں کے بھائی کا نام بھی بخش خاں تھا، اور یہ
 کہ ان صاحبزادی کے نانا جزل آکر لونی، جو مسلمانوں میں آخر لونی مشہور تھے اور نانی ایک
 مسلمان بی بی مبارک بیگم نامی تھیں۔ مبارک بیگم نے بازار سرکی دالان (قائم حوض، دہلی)
 میں سنگ مرچ کی ایک مسجد بنوائی تھی، جو سنہ ۱۲۳۸ھ (۱۸۲۲ء) میں بن کر تیار
 ہوئی اور آج تک ”لال مسجد“ کے نام سے مشہور ہے ذکر غالب: ۳، جوالہ واقعات
 دہلی حکومت دہلی: ۲، ۳۳۹

(۴) اصل ”بات“

صفحہ ۳۷

(۱) اس عریضے کے لفافے پر ۲۹ اگست درج ہے۔ لیکن یہ سہو قلم معلوم دیتا ہے، کیوں کہ
 ڈاک خانے کی مہر میں بھی ۱۹ ہی درج ہے۔ نواب خلد آشاں نے ۲۶ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۴ھ
 (۲۸ اگست سنہ ۱۸۶۷ء) کو ”ابا“ تحریر فرمایا: ”... چونکہ مفادہ بھت طراز سے
 منشی خاص آپ کا بخوبی متکشف نہ ہوا، اس واسطے خالہ خامہ محبت لگا رکھے ہوتا
 ہے کہ آپ خلامہ نمون خاطر محبت منظر سے مطلع کیجئے، کہ بمقتضای انضباط و ادب
 ہواست قدمیہ جو بات کہ ممکن ہوگی، وہ ظہور میں آئے گی۔ خاطر جمع رکھیے۔“

(۲) ذکر غالب (ص ۳۷) میں ان کا نام غور نشید بیگم لکھا ہے۔ اگر یہ اطلاع درست ہے، تو

کردی ہے تاکہ کلام تمام ہو جائے۔

(۲) اصل میں ”بات“ ہے۔

صفحہ ۶۹

(۱) لغات کی پشت پر تحریر ہے: ”پیش نموده شد۔ قطعہ نوشہ نزد مستم اخبار برای طبع...“

فرستاده شد.... مطابق ۱۰ اپریل سنہ ۱۸۶۷ء

(۲) انتخاب یادگار (ع ۹۰) اور اخبار الصنادید (ج ۶ ص ۱۳۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ

نواب خلد آشتیاں نے ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۲ھ (مارچ سنہ ۱۸۶۷ء) میں جو جلوس کا پہلا

سال تھا، باغ بینظیر کے میلے کا آغاز کیا۔ یہ میلہ آٹھ روز بڑی رونق سے رہتا تھا۔

باغ میں ہر قسم کے مال کی دکانیں ہوتی تھیں جن میں سے یہاں ذکر کے قابل مطبع نظامی

کانپور کے مالک عبدالرحمن خان بن حاجی محمد روشن خاں کی کتابوں کی دکان ہے۔

روہیلکھنڈ کے اکثر ممتاز رؤسا بھی اس میلے میں شریک اور نواب خلد آشتیاں کے

مہمان ہوتے تھے۔ نواب صاحب خود بھی آٹھ روز برابر وہیں مقیم رہتے تھے، اور اکثر

اوقات دوکانوں پر تشریف لے جا کر اسباب خریدتے، قسم قسم کے حلے، مشاعرے اور تماشے

بھی سو اگرتے تھے۔ سنہ ۱۲۸۹ھ میں میلے کی ترقی کے لیے ایک عمارت تیار کر کے اُس میں

قدم شریف رکھوایا ہر میلے میں دلی والوں کی طرح اس پر ٹپکا چڑھایا جاتا تھا۔ بائیں

میلے نواب صاحب نے کیے نیشواں میلہ قریب تھا کہ رحلت کی۔

(۳) شلوں میں اس خط کا جواب شامل نہیں، اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ سرکار نے کن

لفظوں میں اس قطعے کی داد دی۔

صفحہ ۷۰

(۱) سید جین (ص ۱۵۱) میں اس قطعے کے یہ ۶ شعر درج ہیں:

تھا نیکی درخشان خویش	برآراست نواب عالی جناب
بشب زہرہ دمہ تنادیل سق	بود ہنیکار شش بہ روز آفتاب
ز غالب جو پر سیدہ شد سال آن	چنین گفت آن زند خانہ خراب
از ان رد کہ بزم عیسی و نشاط	ز بخشش جانی تو دکامیاب
چو بینی طرب را نہایت نماد	بود سال آن بخشش بیاب
خدایا! پسند خداوندگار	کہ از طبع غالب رد و بیج و تاب

(۲) خط میں تاریخ درج نہیں تھی۔ میں نے لغات سے اضافہ کیا ہے۔

(۳) میرزا صاحب نے سوچنا لکھا ہے۔ اسی طرح خط نمبر ۳۵ میں بھی سوچ لکھ دیا ہے۔

(۴) صاحبزادہ محمد حسن خاں بہادر، نواب سید غلام محمد خاں بہادر کے پر پوتے اور نواب

خلد آشتیاں کی صاحبزادی حیات النساء بیگم لقب بہ عالیہ سلطان بیگم، سنے شوہر تھے۔

(اخبار الصنادید: ۲۳۰، ۲۳۱) انھوں نے عین عالم جوانی میں انتقال کیا۔ نواب خلد

آشتیاں کے لیے یہ واقعہ بہت روح فرسا تھا، اسی لیے میرزا صاحب نے اس قدر پر

اثر تفریت نامہ ارسال کیا ہے۔

(۴) یہ عزیز میرزا صاحب نے کلکتے کے پتے سے لکھا تھا چنانچہ لفافے پر تحریر ہے: کلکتہ محلہ کاشی پور، خانہ لمبرے اور لمبرے۔

صفحہ ۶۶

(۱) لارڈ لارنس مراد ہیں۔ یہ الیگزینڈر لارنس کے چھٹے بیٹے تھے۔ ۳ مارچ ۱۸۱۱ء کو پیدا ہوئے۔ فروری ۱۸۳۳ء میں کلکتے آکر سول سروس میں نام لکھایا۔ ۸ برس تک دہلی اور اُس کے اطراف میں اسٹنٹ اور ڈسٹرکٹ انسر کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر ۳۴ء اور ۳۵ء میں دوبارہ اسی علاقے میں خدمات انجام دیں۔ ۱۸۴۶ء میں سٹیج جالندھر کے دو آجے کے کمشنر مقرر ہوئے۔ لاہور میں ریڈیٹنٹ بھی رہے۔ کانگڑے کی بغاوت فرد کی۔ ۱۸۴۹ء میں پنجاب کے الملق کے لیڈ انتظامی لورڈ کے ممبر مقرر ہوئے۔ لارڈ ڈلہوزی نے ۱۸۵۳ء میں بورڈ نوڈلر انھیں پنجاب کا چیف کمشنر بنا دیا۔ اپنے عہدے پر لارنس سے جمہوری معاملات میں انھیں معقول اور سنجیدہ اختلاف تھا۔ عذر میں پنجاب کو محفوظ رکھا اور فوجی مدد بھیج کر دہلی کے محاصرے میں اہم اعانت کی۔ یکم جنوری ۱۸۵۴ء کو ہندوستان کے گورنر جنرل اور ولیم امی مقرر ہوئے، اور ۱۲ جنوری ۱۸۶۹ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ یہ بہت طاقتور مستند جفاکش اور کٹر مذہبی آدمی تھے۔ ملازمت سے سبکدوشی پر ”بیرون لارنس آف دی پنجاب اینڈ گربلی“ کے اعزاز سے مفتخر ہوئے۔ ۲۷ جنوری ۱۸۷۹ء کو لندن میں انتقال کیا اور ویسٹ منسٹر ابھی میں دفن ہوئے۔

(۲) اس سلسلے میں نواب خلد آشاں نے ۲۱ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء کو تحریر فرمایا: ”شفقا! جنابیت ایزدی غلصہ بجزیت تمام تاریخ ۶ جنوری سنہ حال فائز مقام کلکتہ گردید۔ ملاقات جناب مستطاب معالی القاب نواب گورنر جنرل بہادر، دام شوکتہم، دیگر صاحبان عالی شان و نیز اہلاس کونسل بعنوان شالستہ و طرز باہستہ بیاید حصول رسیدہ“

(۳) دونوں لڑکوں سے باقر علی خاں اور حسین علی خاں مراد ہیں۔ دہلی میں ان کا حال تفصیل لکھ دیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات ظاہر کر دینا مناسب ہے کہ میرزا صاحب کی استدعا منظور نہیں ہوئی، اور ان کی زندگی میں کسی لڑکے کی خواہ مفرور نہ کی گئی۔

(۴) نواب خلد آشاں نے ۲۷ رمضان ۱۲۸۳ھ (۳ فروری ۱۸۶۷ء) کو لکھا تھا: ”بت تاریخ سی و یکم ماہ جنوری سنہ حال راقم جنابت آلمی ح الخیر بعد شمول جیذاہلاس کونسل از مقام کلکتہ داخل راسپور گردید“ تعجب ہے کہ یہ فرمان میرزا صاحب کو ۳۴ فروری تک موصول نہیں ہوا۔

(۵) اصل خط میں سووا ”جاؤں“ تحریر ہو گیا ہے۔

صفحہ ۶۷

(۱) لغاتے پر ۵ فروری درج ہے۔ غالباً دوسرے دن ڈاک میں ڈال گیا تھا۔

(۲) ”جیم لفافہ“ ”ظہانیت“ ہے، مگر اردو زبان کے عام و خاص سبب لفظانیت ہی بولتے ہیں۔

صفحہ ۶۸

(۱) برکیٹ کی عبارت میرزا صاحب سے سووا جھوٹ گئی مثنیٰ میں نے دیگر غرض سے ایزاد

(سبد چبن: ۳۷)
میرزا صاحب کا ایک اور، اشتر کا قلعہ، کسی گور زگی مدح میں ہے۔ اُس کا پہلا اشتر حسب ذیل ہے:

تپس از ادای سپاسِ خدای عزوجل
نمای حضرتِ نواب می کنم انشا
اس میں میرزا صاحب لکھتے ہیں:

زہی عطای گرانمایہ گرامی قدر
کہ سودتار کب من از شرف با وجہ سما
توان فلکذب گیتی بنایِ مہنت بہشت
ز سغت یار چہ کان ہر کی است بیش بہا
حائل گھر و جینہ و دگر سر پیچ
پور و ستاپا ننگ با فروغ دا و ضیا
چو لی طلب بمن اینہار سیدہ است بود
زہر مطلبِ خوشیم تو بچ امضا
تو فتح آنکہ یکی سار تی فلکٹ یا بم
دیشکاء عنایاتِ دانی والا

(سبد چبن: ۵۵)
خیال یہ ہے کہ قلعہ اڈل دربار میں تبارف کے طور پر رُمائی کے ساتھ پیش کیا ہوگا، اور دوسرا قلعہ خلعت پانے کے بعد اظہارِ تشکر اور طلبِ سار طبعکٹ کے لیے لکھا ہوگا۔ اس قطعے سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ باوجود منگمری صاحب سے خلعت پانے کے میرزا صاحب کو یہ یقین نہ تھا کہ اُن کا خلعت و دربار جاری ہے۔ انھیں دربار میں مدعو نہ کیے جانے سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

صفحہ ۶۵

(۱) میرزا صاحب کے اس بیان سے کہ نہ تو کشر کو علم تھا کہ اسد اللہ خاں کو خلعت ملے گا، اور نہ مجھے اس کا خیال گزرتا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ اب تک خلعت بحال نہیں ہوا تھا، صرف سرکٹ دربار کی اجازت ملی تھی، ورنہ گورنر خلعت دیتے وقت کیوں کہتا کہ یہ ہم نے آپ کے واسطے رکھا تھا۔ اس کے شکریے میں میرزا صاحب نے جو قلعہ لکھا ہے، اُس کا بہ شعر ابھی گزر چکا ہے:

چو بے طلب بمن اینہار سیدہ است بود
زہر مطلبِ خوشیم تو بچ امضا
اُس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ میرزا صاحب خلعت سے مایوس تھے، ورنہ بے طلب کی تہد کیوں لگاتے۔ لیکن وہ خود بیان کرتے ہیں کہ سنہ ۱۸۶۳ء میں منگمری صاحب نے بلا کر خلعت دیا، تو کہا کہ ”ہم تمہیں مژدہ دیتے ہیں کہ نواب گورنر جنرل بہادر نے اپنے دفتر میں تمہارے دربار اور خلعت کے بدستور بحال رہنے کا حکم لکھوا دیا۔“ اس صورت میں بہ بھی فیصلہ کرنا پڑے گا کہ انھوں نے کسی مصلحت سے اُس

وقت یہ بات مشہور کر دی تھی۔ (مکاتیب: ۲۴)
(۲) میرزا صاحب نے اسی طرح لکھا ہے۔ لیکن فرہنگِ آصفیہ اور نور اللغات میں تناویر لکھا ہے یہ ایک قسم کا نہایت چمکدار موٹا رنمی کپڑا جو تاج پہنے پہلے تاجار سے آتا تھا، اب یورپ سے آتا ہے اور گرٹ کی قسم میں شمار ہوتا ہے۔

(۳) میرزا صاحب نے اس لفظ کو ”بوجہ“ لکھا ہے۔

(۶) میرزا صاحب نے اس جگہ اور آئندہ جگہ کے درمیان، نقطے دبے ہیں۔ اس عریضے کے جواب میں ۲۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ء کو جواب خلد آشیان سے تحریر فرمایا:

... چون راقم عنقوبت روانہ کلکتہ می ستود۔ چنانچہ برای انتظام گاڑیهای ریل رفعت دعوای مرتبت محمد اصغر علی خان رسالدار را روانہ آنجا نموده شد و هنوز تاریخ رسیدن اسٹیشن ریل دہلی مقرر نگشته، لہذا حوالہ خامہ مودت نگار می شود کہ حال تقریر تاریخ رسیدن آنجا از خان معزی الیہ دریافت نموده ستود۔ رسالدار صاحب کے خاندان میں تلاش کرنے پر بھی میرزا صاحب کا کوئی خط نہ ملا، جس سے پتا چلتا کہ ان سے میرزا صاحب نے استفسار کیا یا نہیں۔ لیکن یہ امر اخبار الصنادید کے ٹوٹے بالآ اکتاس سے معلوم ہوا کہ سرکار علی گڑھ تک گھوڑوں کی ڈاک میں اور دہلی سے بذریعہ ریل کلکتے گئے تھے، اس لیے یقین ہے کہ میرزا صاحب سادات ملاقات حاصل نہ کر سکے۔

(۷) میرزا صاحب کا یہ ارشاد سو پر مبنی ہے، کیونکہ ان کی نیش دربار اور خلعت یہ تینوں اعزاز عذر کے بدرجہ ہو گئے تھے۔ تفصیل دیباچے کی بحث تعلقات انگریزی میں ملاحظہ ہو۔ (۸) سر ڈائل میکلوڈ صاحب مراد ہیں۔ ریفرنسٹ جرنل ڈکن میکلوڈ کے یہاں نورٹ ولیم، کلکتہ، میں ۶ جون سنہ ۱۸۱۰ء کو پیدا ہوئے۔ ولایت جا کر تعلیم پائی۔ سنہ ۱۸۲۸ء میں ہندوستان واپس ہوئے، اور صوبہ بنگال میں ملازمت اختیار کی۔ سنہ ۱۸۳۱ء سے ۱۸۴۶ء تک ضلع ساگر و زبدار اور بنارس میں رہے۔ ۱۸۵۱ء میں پنجاب کے چوڈیشل کنسز ہوئے۔ عذر سنہ ۱۸۵۷ء میں لاہور میں تھے۔ ۱۸۶۵ء سے ۱۸۷۰ء تک پنجاب کے لفٹنٹ گورنر رہے اور ۲۸ نومبر سنہ ۱۸۷۲ء کو لندن کی زمین دوز ریل کے ایک حادثے سے انتقال کر گئے۔ یہ مشرقی علوم و فنون کے بڑے حامی تھے، اور جانتے تھے کہ دہلی زبانوں میں مغربی علوم کی تعلیم دی جائے۔ پنجاب یونیورسٹی انھیں نے قائم کی تھی۔

(۹) سب جین (ص ۷۹) میں یہ رباعی میکلوڈ کی مدح کی چھپی ہے:

آئی پایہ بلند ساز والا جا ہی
از بہر نو باد ہر جہ از حق خواہی
مکو کہ سکھو کہ در صورت نیست
چوں مہر عیان منی روح الہی

عبد نہیں کسی کو شوق لکھا کر پیش کیا ہو۔ لیکن اسی کتاب میں ایک قطعہ بھی درج ہے جس کی پہلی بیتیں ہیں، اور پہلا شعر یہ ہے:

بزم توابع جم چشم میکلوڈ
وستانی است یز زنت و ناز
اس میں میرزا صاحب لکھتے ہیں:

آدم تا بہ پیش دی تالم
از ادب دم نمی تو اغم زد
چون رسد وقت کار سرتاسر
باز با لوی انگلستان است

اندرین پایہ با سنی مسکین
غالب اسم شہر د نام نیست
از بخای زمانہ و ناساز
با چنین داعی سنیہ گداز

گویم اما بہ شہوہ ایمان
برزبان من از زمان دراز
نبیت در مہد ہیچ کس انتہا
اسد اللہ خان مدح طراز

مزاج میں انکسار، فیاضی، مہمان نوازی، بردباری اور ثقاہت بہت تھی۔ سادہ معاشرت کو پسند کرتی، اور ترک احتشام سے متفرق تھی۔ اس نے ۳ رمضان ۱۰۹۲ھ (۵ ستمبر ۱۶۷۸ء) کو انتقال کیا، اور شاہ نظام الدین میں سنگ مرمر کے خود تعمیر کردہ مجرمیں دفن ہوئی۔ (دفتار دارالحکومت دہلی: ۲۶۹، ۲۷۰ ج ۱)

جہاں آرائے ۱۰۹۰ھ (۱۶۵۰ء) میں چاندنی چوک کی جانب شمال مکانات دلکشا اور آباغ بنایا تھا، جو پہلے صاحب آباد کہلاتا تھا، بعد ازاں بیگم کا باغ مشہور ہوا، اور اب ملکہ کی مورت نصب ہو جانے کے بعد ملکہ کا باغ کہلاتا ہے۔ یہ ۹۰ گز لمبا اور ۲۰ گز کا چوڑا تھا۔ اس میں عجیب عجیب بارہ دریاں اور مکانات تھے۔ اس میں نہر جاری تھی۔ اور جگہ جگہ فوایے اور حوض بنائے گئے تھے۔ مردِ ایام سے اس باغ کی وضع قطع بالکل بدل گئی۔ چار دیواری جس میں جا بجا برج بنے ہوئے تھے، غدر میں ٹوٹ پھوٹ گئی۔ اب صرف چار برج رہ گئے ہیں دو باغ کے احاطے کے شمال رُخ پر موجود ہیں، تنیس ریل کے کڑے کے پاس درجہ تھا اس مقام پر ہے، جہاں عجائب خانے کے تیر وغیرہ رکھے جاتے تھے۔ پرانے درخت کاٹ کر نئے چن لگائے گئے ہیں۔ جگہ جگہ پچیس بڑی ہیں۔ بیچ میں ایک خوبصورت گول چوڑا بنا کر اس پاس گھاس کے تختے بچھ کر پھولوں کے گلے دھرے ہیں۔ پہلے اس چوڑے ریل بیڈ چٹا تھا۔ پھر موقوف ہو گیا۔ یہیں ایک سنگ مرمر کا حوض تھا، جو اب قلعے میں ہے۔ اس میں فوارہ لگا ہوا تھا، اور بیچ میں سے نہر رواں تھی۔ چند سال ہوئے باغ اور اسٹیشن کے بیچ کی سڑک چوڑی کی گئی۔ تو کچھ حصہ باغ کا اُس میں شامل ہو گیا۔ (آثار الصنادید: ۲، ۵۵، طبع دہلی ۱۳۶۳ھ = ۱۹۴۴ء، ۱۸۶۸ء، دفتار دارالحکومت دہلی: ۲، ۲۳۱)

(۵) سنہ ۸۵۷ھ میں ایبٹ آباد یا ملوے کھنڈے سے رانی گنج تک جو ۱۲ میل کا فاصلہ ہے جاری تھی۔ تعمیر کا کام برابر دلی تک جاری رہا۔ پہلے آگے سے جہانگیر کے ساتھ ساتھ داروغہ ہیل ڈالی گئی۔ غدر کے بعد اس کی جگہ ٹوٹ لاجپتھن سے علی گڑھ ہوئی ہوئی جہانگیر کے مشرقی کنارے چو لائیگ کا حصہ سنہ ۱۸۶۴ء میں کھودا گیا۔ اس وقت جہانگیر کا ہیل بن رہا تھا۔ سنہ ۱۸۶۶ء کے آخر میں پہلے جو ۲۶۶۰ فٹ لمبا ہے، ۵۵، ۳۵، ۶۶، ۶۶ کی لاٹ سے بن کر تیار ہوا، اور یکم جنوری سنہ ۱۸۶۷ء کو پہلی بار اس پر سے ریل گزری۔ اور این ڈبلیو آرنے، جو اُس زمانے میں سندھ پنجاب دلی ریلوے کمپنی تھی، غازی آباد کو ریل کے ذریعے دلی سے ملا دیا۔ اس ریل کا اسٹیشن پہلے ہلٹن روڈ پر بنا تھا، جسے میرزا صاحب نے دلی محمد سوداگر کی کوٹھی کے پاس بنایا ہے۔ اب اُس جگہ این ڈبلیو کا مال گودام ہے۔ موجودہ ریلوے اسٹیشن دراصل ای، آئی، آر، کا ہے۔ راجپوتانہ مالوہ ریلوے کا اسٹیشن مورمی دروازے تھا، این ڈبلیو آر کا ہلٹن روڈ پر، ای، آئی، آر سے جدا گانہ۔ مسافروں کو تکلیف ہوتی تھی۔ ان سب کو ملا کر یہ ایک اسٹیشن بنادیا گیا۔ (میانکار دہلی: ۱۳۵، دفتار دارالحکومت دہلی: ۲۳۱، ۲۳۲)

نواب غلام آشاں غالب دلی سے اس بنا پر سوار نہ ہوئے کہ دسمبر کے آخر تک انہیں اس ہیل کے کھنڈے کی ممتحن تاریخ کا علم نہ تھا۔

صفحہ ۲۱

(۱) میرزا صاحب نے اس خط میں تین جگہ اس لفظ کو اسی طرح لکھا ہے۔
 (۲) آثار الصنادید، یادگار دہلی، سید احمد دلی الہی اور دواعیاب دارالمکرمات دہلی بشیر احمد دہلوی
 میں اس کو کھٹی گا ذکر نہیں ملتا۔

(۳) یہاں لفظ (سے) زیادہ معلوم ہوتا ہے۔

(۴) بیگم سے مراد جہاں آرا بیگم ہیں، جو شاہ جہاں بادشاہ کی جیسی بی بی تھیں۔ یہ ممتاز محل کو بگم سے

۲۱ صفر ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ء) کو بدھ کے دن پیدا ہوئی۔ ماں کو سنزادی سے اتنی محبت تھی

کہ اُس نے مرتے وقت شاہ جہاں کو وصیت کی کہ میرے مرزے کے کا آدھا حصہ جہاں آرا کو دے دیتی

آدھا بیٹوں میں تقسیم کرنا۔ خود شاہ جہاں اس کا چاہتا تھا کہ بیٹی کی محبت کی خاطر ہندوستان میں

انگریزوں کا سرِ بولیا جو آگاس پیل کی طرح آخر میں مغل سلطنت کے درخت کی شاخوں جھاگ

سالگرہ کا جشن منایا گیا۔ سوہ اتفاق کہ عین سالگرہ کے دن شمع کی لوسے سنزادی کا دامن چل گیا

سنزادی اُس وقت دربار شاہی کے باس کھڑی تھی۔ پاس جہاں سے زنانے کی طرف بھاگی ہوا

لگنے سے سب کپڑوں نے آگ لے لی، اور جہاں آرا کا گلاب سائبں جل کر کوئلہ ہو گیا۔ باپ کو

اس کی زندگی کی طرف سے ناہوسی ہو گئی۔ مگر فطرت میں دوا اور دعا کا کوئی جتن نہ چھوڑا۔

ہزار بار دیر خیرات کیا گیا، اور ملک بھر کے عاذاق اطلباء اکٹھے کر لیے گئے۔ قسمت دیکھی کہ ان

میں سے کوئی کامیاب نہ ہوا۔ اُس زمانے میں ایک انگریز ڈاکٹر ہندوستان میں آیا ہوا تھا۔

بادشاہ نے اُس کی شہرت سن کر طلب کیا۔ اُس کے پانچ مہینے کے علاج سے سنزادی تندرست

ہو گئی۔ بادشاہ نے حسنِ صحت میں لاکھوں روپیہ ایثار کیا۔ قدسی کو نصیبہ تہنیت پر، جس کی

رباعی کا یہ شعر لا جواب ہے۔

تاسر زده از شمع چین بی ادبی پروانہ ز عسک شمع را سوخته است

۵۱ ہزار روپے کا صلہ عطا ہوا۔ ڈاکٹر کو چاندی میں نلوادیا، اور اُس قوم پرور کی اس دعا پر

ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال میں آزاد تجارت کا فرمان عطا ہوا۔

جہاں آرا کو قدرت نے دہیں رسا اور روشن دماغ عطا کیا تھا۔ اعلیٰ تعلیم و تربیت نے

اس جوہر کو نکھار دیا۔ اور وہ عربی، فارسی اور ترکی میں صاحبِ دستگاہ ہو گئی۔ اپنی اعلیٰ دماغی

فویوں کی بدولت باپ کے مزاح میں بچہ دخیل تھی۔ بھائیوں کی جگہ میں داراشکوہ کی

حالی رہی، اور عالمگیر کے بادشاہ ہو جانے پر آگرے کے قلعے میں باپ کی خدمت کی خاطر

جا پڑی تھی۔

نصوف کی دلدادہ اور خاندانِ چشت کی شہداء اور مرید تھی۔ صاحبِ مصنیف و تالیف

بھی ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی کی سیرت پر مونس الارواح نام کی کتاب اس کی تصنیف ہے

شعر بھی کہنی تھی۔ غرکم۔ کتابِ خوار ورامین میں رسالہ خواجہ عبداللہ الفارسی کا ایک خوشنظر

نسخہ ایران کے مشہور خطاط میر علی الکاتب کے قلم کا محفوظ ہے جس پر جہانگیر اور شاہ جہاں کی

دو تحریریں ثبت ہیں۔ اُس کے آخر میں جہاں آرا نے اپنے قلم سے ایک عبارت لکھی ہے۔

گورنر جنرل کی خدمت میں نواب سید کلب علی خاں بہادر کی لیاقت خدا داد کی اطلاع کی۔ گورنر جنرل نے ناظم ریسرٹ مثل نواب سید یوسف علی خاں کے نواب سید کلب علی خاں کو بھی ایجنٹ کو نسل میں ممبر تجویز کیا۔ نواب صاحب نے ہنگام استعراج باوجود ناچاہی طبیعت و ضعف باقتضای عزم بلند ممبری قبول کی۔ ۲۰ شعبان سنہ ۱۲۸۳ھ (۲۸ دسمبر ۱۸۶۶ء) کو رامپور سے علیگڑھ تک گاڑی کی ڈاک میں اور علیگڑھ سے کلکتے تک تھینا پانسو ممبروں کے ساتھ ریل کے ذریعے سے گئے۔ اثناءِ راہ میں کانپور، الہ آباد، اور بنارس وغیرہ ہر مقام پر حکام نے استقبال کیا اور سلامی سرسبوی۔ مہاراجہ الہیری ریشاد نارائن سنگھ صاحب جی، شی، ایس، آئی، والی کاسٹی ٹریس کے بنارس میں بنظر اتحاد قدیمی دھوم سے دعوت کی، کلکتے میں گورنر جنرل کی طرف سے بطر زمرغوب استقبال ہوا سلامی سرسبوی۔ آب و ہوا سے کلکتہ نے ان کے مزاج سے بھی مخالفت کی، اور طبیعتِ جادۂ اعتدال سے منحرف رہی۔ بھر بھی کونسل میں کئی اجلاس کیے۔ جب ناسازی زیادہ بڑھی، تو حسب اصرار گورنر جنرل ڈاکٹر جلی سے علاج شروع ہوا۔ ڈاکٹر کی راہی ہوئی کہ آب و ہوا یہاں کی ان کے مخالف ہے، بلکہ قیام کلکتے سے امراض شدید لاحق ہونے کا اندیشہ ہے، مگر نواب صاحب ہم سے قبول نہ کیا۔ جب گورنر جنرل کو اس کا علم آیا، تو بمقتضای محنت خاص کیمالی اصرار واپس کیا۔ ۲۲ رمضان سنہ ۱۲۸۳ھ (۱۳ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء) کو کلکتے سے رامپور واپس ہوئے۔

میرزا صاحب کے لینے (۸۱) کے لفافے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب غلط کاشی پور کے مکان نمبر ۷۷ میں قیام فرما ہوئے تھے۔ میرزا صاحب کا قطعہ تاریخ حسب الحکم حضور اخبار دیدہ سکندری میں طبع ہوا اور ۳ نومبر کو اس کی اطلاع ان الفاظ میں میرزا صاحب کو دی گئی: "تاریخ مذکورہ کہ برطرز نوعدیم المثال سنہ در اخبار دیدہ سکندری طبع گردیدہ شد۔"

صفحہ ۳۳۲

(۱) خط میں کاتب کا نام اور تاریخ درج نہیں تھی۔ میں نے وسین میں لفافے کی تاریخ اضافہ کر دی ہے۔

(۲) میرزا صاحب نے "مات" لکھا ہے۔

(۳) دہلی سے مراد آباد کو جو ریلوے لائن آئی ہے، اُس پر دہلی جنکشن کے بعد ساہرہ اور پھر غازی آباد کا اسٹیشن آتا ہے۔ یہ بسنی پہلے نواب غازی الدین خاں بہادر عابد الملک وزیر

شاہ عالمگیر ثانی و شاہ عالم ثانی نے سنہ ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۴ء) میں بسائی تھی۔ پہلے ان کے نام پر غازی الدین نگر کہلاتی تھی۔ جب ریل کے ٹکے نے اسے جنکشن بنایا، تو بول چال کی سہولت کی خاطر غازی آباد نام رکھ دیا۔ اسی نام سے اب مشہور ہے۔ غلے کی منڈی ہوجانے سے آبادی اور دولت دونوں میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا ہے۔ اور یہ قصبے سے ترقی کر کے شہر کے درجے پر پہنچ گیا ہے (امپریل گزٹیر: ۶۱۵ء)۔

(۴) اس خط کے جواب کا مسودہ مشکوٰۃ میں نہیں ہے۔

فوراً معذرت نامہ مورخہ ۱۶ ماہ اکتوبر لکھ کر طلب مغربی۔ نواب صاحب نے معذرت قبول کرنے ہوئے تحریر مندرجہ بالا... متفقاً! سابق اڑی ملاحظہ مضمون مفاد منہ سابقہ امر کی کہ منجیل منہ لودہ بے سنا کتبہ تکلف حوالہ عامہ کردہ حال اڑی مہربان بناد بیلش پر ماضیہ از آل رفیع شکوک الاحتمال کچھ دید۔ غالب لغت متاثر مقرر جمعیت باشندہ المرقوم ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۹۱۴ء اور اس کے بعد نواب صاحب نے پھر کوئی سزا اصلاح کے لئے نہیں بھیجی جس نے بدبختی میں کیا کہ ان کی طبیعت کا نگہ رکھنے دور نہیں ہوا۔

صفحہ ۶۲

(۱) یہاں بیت کی جگہ مدح کا صنف "ع" ہوا چاہیے۔

(۲) صاحبزادہ سید بہدی علی شاہ بہادر، نواب سید غلام محمد خان بہادر کے پوتے، صاحبزادے حفیظ اللہ خان بہادر کے بیٹے اور نواب جلد آشاں کے چچا تھے۔ سفر دہلی سے شہر سے اور صنف نخلی کر کے تھے۔ ابتدا میں نواب فردوس مکان سے تلمذ تھا۔ آخر میں میرا محمدی۔ کے شاگرد ہوئے، ۴۴ برس کی عمر مائی۔ شامیسوس ماہ رمضان سنہ ۱۳۰۹ھ ۲۱ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو رحلت فرمائی، انتخاب یادگار، ۳۸، تاریخ ولادت ۱۲۵۰ھ۔ تاریخ سلطنت انگلیتہ ہند، طبع مراد آباد سنہ ۱۳۰۲ء، ۳، میں لکھا ہے۔

(۳) ۱۸۶۶ء میں جناب نواب گورنر جنرل بہادر نے مخفام آگے۔ دربار عام کوڑ بہادر زمین بخشی۔ دربار میں دایان ریاست درجنان نامی وکری، علاوہ آل رہبان کے کہ جن کو جمع "سناہ" عطا ہوئے، القدر ۸۸ کس کے تھے، علی قدر مرانت اپنی اپنی عتقہ کر کسی شیعین ہوئے۔ نواب گورنر جنرل بہادر، نانٹ گرانڈ ماسٹر اسٹار آف انڈیا، برٹس نرک اور احتشام سے معہ دس بارہ صاحبان انگریز جلیل القدر کے بوشاک و خلایع شاہی سے ہونے، رونق افروز ہوئے۔

اول صاحب کو ٹری بہادر اسٹار آف انڈیا نے انادہ ہو کر فرمان ملکہ منظر باہائی عواقی تحفہ ہائی اسٹار آف انڈیا کے پیش فرمایا۔ بعدہ بزمینب درجہ ۱، تھو اسٹار آف انڈیا بھگتستارہ ہند عطا ہوئے۔

اس کے بعد حاضری دربار کی فہرست دی ہے۔ اس میں سلسلہ والساں ریاست نبوا پر درج ہے، "آنریبل نواب راجہ تشریف نہیں لائے" اس بیان سے واضح ہو جانے کہ نواب خلد آشاں نے یہ سفر منہ شادہ ہند یا نے کے لیے کرنا چاہا تھا جتنا نجی اکبر آباد دیکھ سفر کا متعلق درست ہو چکا تھا۔ سرکار سنبھل تک شریعت بھی لے گئے تھے۔ مگر مزاج ناسار پہلے کی وجہ سے رستہ ہی سے مراجعت فرمائی۔

(۴) نواب خلد آشاں کے اس سفر کے متعلق صاحب اخبار الصنادید ج ۱، ۱۳۰۲ء نے لکھا ہے؛ مگر خان انگلش جہاں شریعت یا سب سید ملک علی حال سے ہونہاری و بلند اتالی کے آثار دیکھ کر بہت جلد آنریبل ایڈمنڈ ڈرمینڈ صاحب لغت گورنر موبیا متحدہ کے حضور میں رپورٹ کی، اور انھوں نے لارڈ لارنس صاحب

سید ہیں ایک اور جگہ بھی فرماتے ہیں در عبد الرشید میں کہا سچی اور میاں انجو میں کیا پیری ہے (ردود: ۱۳۸)

(۳) لا یشککہ بہا تخلص خاں آرزو ومتوفی سنہ ۱۱۶۹ ہجری ۱۷۵۶ء کے شاگرد اور اردو فارسی کے شاعر تھے۔ بہا بچم کے علاوہ ایک کتاب جو اسراحدت بھی آٹن کی تصنیف ہے سال وفات کسی تذکرے سے معلوم نہ ہو سکا۔

(۴) بہا کوئی مل دراستہ تخلص، مصطلحات شعرا کے مصنف ہیں یہ میر محمد علی راج سیالکوٹی، متوفی سنہ ۱۱۶۹ھ ۱۷۶۱ء کے شاگرد تھے اور ۱۱۸۰ھ ۱۷۶۶ء میں فوت ہوئے ہیں۔ مصطلحات شعرا کو عام طور پر سنہ ۱۱۸۰ھ کی تصنیف بتایا جاتا ہے۔ لیکن دراصل ان کا نام "مصطلحات شعرا" تاریخی ہے۔ جس سے سنہ ۱۱۶۹ھ برآمد ہوتے ہیں۔ مصطلحات شعرا مشہور ہو جانے کے باعث دال کے بعد در زیادہ جوڑے جاتے ہیں۔

(۵) میرزا صاحب نے ہوا ادس کے لکھ دیا ہے۔

(۶) یہاں لفظ "کے" ساقط ہو گیا ہے۔ آئندہ عربیہ کو دہرائے ہوئے میرزا صاحب نے یہ لفظ لکھا تھا۔ اس لیے میں نے بریکٹ میں برعکس دیا۔

(۷) اصل خط میں سرود، انارتخ و رنج ہو گئی ہے، صحیح سانس ہے، اس لیے کہ اولاً خود میرزا صاحب نے اس خط کے لفظی پر ۱۱۸۰ھ کو تاریخ لکھی ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ تاریخ کتابت کے

دوسرے دن یہ خط پوسٹ کیا گیا تھا، ثانیاً نواب غلام سنیاں نے اس خط کا جواب آگے آ رہا ہے، نیزہ اکثر برکود ہے۔ ظاہر ہے کہ جس خط کا جواب نیزہ کو لکھا جائے وہ خود سنہ کا مکتوب نہیں ہو سکتا۔ میرزا صاحب کے عربیہ کے بعض کنا یا اسے ناخوش ہو کر نواب صاحب نے جواباً تحریر فرمایا: "..... مکتوب جیت اسلوب شعرا خراج معنی غلط نسبت بندی

نزلوان پیشین، دیگر اعتراض یہ کہ رانم را طریقت بحث یا دینیت موصول مطالعہ گشت باعث استعجاب غلیم گردید۔ اور آنجا کہ تا حال درای تقیق و تنقیح امور علیہ کہ معاذ اللہ! الزمناظر و مناقشہ بچشم حق میں با بعید می نماید، امری دیگر بظہور نہادہ و آنچه حالی خاطر م بود فی ریب و رنج حوالہ فلم دقتی کنج گردیدہ۔ لیکن فی نامم بود ہم جو نکات آل فرید زمان کہ نوسہ ام را

بر بحث و اجتناد وصول نمودہ، اماں ایں کہ یہ بائی نو، سلی سبت اسنادی بجای رانم دافظ بحث کہ ہر دو خلافت واضح و موصوف رنج و غنا اسلوب لکھا تنقذ۔ پس اگر آن مسکن را ہمیں منظور باشد اشارتی ساز ذکر واسطہ نہ یزداد کہیں از فہم و دانشہ سنو و درہ پند خام را با مور خارج المبحث تکلیف زادہ باشد کہ فیجہ اس سون صدائہ الراس امری بخانی

نخبدہ و رانم پایہ اعتبار محققان کہ صاحب تصانیف مقبول نام بردہ اذ از خود زیادہ دانستہ بحوالہ کلام شال پردختہ۔ اگر نزد آن صمیم چادیدہ آنہا قابل قبول بود، باینی کہ ہم بر آن نوط سحر بری رچند مصلحت اس قدر اہم اس از ہم ہجرتی بیرون ز بادہ از میں فوسنل حکمت لہذا انوش

است۔ ۱۔ رقم ۳ حمادی الشانی سنہ ۱۲۰۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء کو بر سنہ ۱۲۰۶ء چوکہ فاسد صاحب کے اس فرمان سے اظہار ناخوشی و نا اطمینان ہوتا تھا میرزا صاحب نے

بغور بندہ زنا راستی این تدبیر
کز آبیاری فرمان روایش بجا
بلی و طبیعت ویرینه خیر خواہانست
اذا نمودن اندر ز در مطادی مدح
دریں چگامہ کہ با بجلہ تنبیت نامست
بیکی نگارش مدح است، بگو کہ با قبول
بیان بندہ نہ فخر بہ بلکہ شکر بہ است
نہادہ اند بطبعم قضیہ از ہر علم
ز نظم و نثر ز جغرافیہ ہم از تاریخ
کلام پارسی پرسی خیال آمیز
ز بندہ نیز رختاں کند قبول این نذر
درم دعاست کہ ہم بردعا سخن سجال
مدام تا شود آدودہ ذکر رست بیدم
ہمیشہ تا کہ ملاحی بود بدجلہ فرات
ہم بہ مار کو پیش خوش زبا و مار شمس
بفرق ہر دو گراں مابہ دسہ دیگر ازل

نمودہ عرض برا و زریل ایچ برین^(۱)
بود شگفتہ و شاداب تر ز صد گلشن
خصوص مدح طرازان سا بخوردہ جوین
نگار کردن مطلب بعضین شتر و سخن
وز آسمان شدہ بر نظم وی نثار پرین
دگر گزارش رائی کہ بود مستحسن
کہ از میاں این عہد و عین این یامن
سپردہ اند بدل حصہ وز ہر یک فن
ز حکمت علی وز انتظام مدن
کہ فاش شد درین این تازہ طرز فاش^(۲)
کہ بر تر است ز سلک گہر بارز و شن
گرفتہ اند مبارک بقا ختم سخن
مدام تا کہ شور بردہ تلذذ تل بہ دمن^(۳)
ہمیشہ تا کہ محافق بود بکنگ جن
چہ در محاکب ہندوچہ در دیار رین^(۴)
قدیس سہ اقلیم^(۵) ہا دسلای فکن!

۳۱ ضیاء الدین خاں بہادر کے کتا بخانے کے غدر میں لٹ جانے کے متعلق میرزا صاحب نے صاحب عالم کو لکھا ہے: "میرا ایک سہی بھائی تھا۔ نواب ضیاء الدین خاں پہلے اللہ نجاتی دہ میری نظم، نثر کو فراہم کرتا رہتا تھا چنانچہ مجموعہ نثر اور کلیات نظم فارسی دار دوست کے اس کے کنیا خانے میں تھے۔ وہ کتب خانہ ڈر کر عرض کرتا ہوں میں ہزار روپے کی مالیت کا ہوگا۔ لٹ گیا، ایک درق باقی نہیں رہا، داروئی: ۱۵۱ لاہور ایڈیشن، یوسف علی خاں عزیز کو بخش کر کہا ہے: "وہ بھائی تم کیا فرماتے ہو! جاں بوجھ کر انجان بنے جا ہو واقعی عذر میں برا گھر نہیں لاء مگر میرا کلام میرے پاس کب نکھا کہ نہ لٹا۔ بھائی ضیاء الدین خاں صاحب اور نا طرحین مرزا صاحب ہندی فارسی نظم و نثر کے مسودات مجھ سے لے کر اپنے پاس جمع کر لیا کرتے تھے۔ سو ا دو لوں کے گھر وں پر جھاڑ و پھرنکی۔ یہ کتاب رہی نہ اسباب رہا۔ پھر اب میں اپنا کلام کہاں سے لاؤں؟" (ایضاً: ۱۵۲) میرزا صاحب نے سہو از غزلین لکھ دیا ہے۔ صحیح "غزلوں" ہے۔

صفحہ ۶۰

۱۱ میرزا صاحب کے ۱۹ ستمبر کے عریضے کے جواب میں داب خلتا خیال نے جو فرمان لکھا ۱۱ نواب لعلشاہ گورنر بہادر پنجاب (۲۱) بمبئی طرز و روش بعد از محمدی (۳۱) رن سین و بدادان راجہ درانی (۳۱) ۱۱ راجہ درانی (۳۱) بیگم کوئیس چنانکہ پرنس ڈوچس بیگم پرنس و ڈیوک (۱۶) وطن و دیہات (۱۶) رن کرے مذکورہ نثر و کلام و دیہات (۱۶) جمع، انہم اصول سے گمانہ تشکیل میں کہ مراد از اب و اس درودع است۔

بروزگار در درجستگی باریست
 ز سرگر فتنه کله چهر و منه پی تقطیم
 سز و ز شمشیر کمر دیمان بر کلبه
 ز اختلاف صلاحیت، امور سهل محال
 گور نری بتو ناز و نه تو بدان که فروغ
 توان شمر د نظیرت چگونه آغسطس
 توان نوشت عدلیت چگونه استکند
 ز انجا د تو، بیکل همه پروتست
 از آنکه ملت پیشینه مسیحی را
 فزونی تری زد گر عیسویه حکم دبان
 ز وطن دوستی د حق پرستی تو بد پر
 بنویز حکم تو، از روی طول صد کشور
 مطیع امر تو، از او عرض یک عالم
 اگر بجهت تو بودی، بیامدی قاصر
 ز روح خوانی تو پسر آدمی ای حکم
 مگر بگو شنه دامان تو رسد دستش
 مراد از آن دن ترکی (۸) بودی سب
 خوشا مبارکی عهد مودت بهدت
 بسیجی اسپ سواره گرا کتاب هوا
 شکار شیر از آن رو بحد پسندیده
 که بچیز زودان مشتعل میشوند بدشت
 ز فرط پیل کشی و پلنگ افکنیش
 تویی که باز سپیدی امارت کابل
 نه صرف فطنه تلکی بد و بخت سیدی
 بدان قدر که هم از سیم می توان باخت
 بزور زر که بزور بهماں ز مردمی
 ولی باین همه بذل توجه و الطاف
 امید خیر سگالی از دنیا بدو شمت
 شعار دوست رضا جوئی و دمسایه
 و میکش گشت محبت یک انگشت انس

بدشت لایب جهانی زده است بکودن
 اگر گزشتته بر ایوان تو ز سپهر امن
 که گشتته طرف کلاهت بچرخ سایه کن
 ز اتفاق رضایت، محال با ایوان
 بود ز شمع لکن را نه شمع راز لکن
 که فتح یا فتنه بر یک ضمیمه قلبی زن دار
 که فوج خود نتوانست بر دوتا بجن
 ز اعتقاد تو، خوشنود کیتلک روم (۳)
 مصدق بجلوس یغین و خوبی زن
 برحم و شفقت قلبی و مهر خلق حسن
 بنود ایچ کسی دشمنست جز ابریمین
 زرد و بار برهم پیر (۴) تا بقطع چین
 ز کوه سار جهانه (۶) ای بلاد کن
 ز شرح دالش داد تو خوش بیان ملن
 ز وصف گوی تو در جل آمدی لکن
 دواز دست از آن آفریده شنه چین
 سین عمر تو هر که کند شمار از دن (۹)
 که اعتدال ربی است و ردی دین
 شود هوای بهاری بهیتا تو سن
 جناب ازل گری نوجوان شیر اورتن
 هزار مان بزراعت و رودن و گشتن
 شد از روانی خول دشت و دهن (۱۱)
 بعد رحمن حال آن جلا شده ز وطن
 که دادی اسلحه و سیم و زر چهل مخزن
 بر ایچ توپ گلو که گراں تر از آهن
 امیر فتح و ظفر یا فتنه است بر دشمن
 اعانت و مدد بختل و عطار و ملن
 دنی کجا است بز بیده مرد عهد شکن
 زدن دو چنگ پی اخذ ز بدو دهن
 پی سفیری آل ملک دیود و سکن

۱۱ ملک قلوب مصر، عقیده دیگر جاکمان انگلستان (۳۱)، عقیده دیسرای (۱۱)، دیای مشرقی، هندو رقصای جنگا (۵)، مواضع
 مرید بختل و افغانسان و قطع سکه کوته خدایه عرقی، و (۹) جبال شامی هندو، ملن و هوهر و زجل هر سه شاعران
 نای یورپ بوده اند (۱۰)، و دهنر سال (۱۰)، یک سرب و گمیری (۱۰)، نام یک دیای ایرلیند.

بدان مشابیه کرد روز جلوس قیلا خان
 بدان نموده که بر تون است است ایمن بند
 بگونه گوشت نمانش گرفت آرایش
 خلایق از پی دید شکوه استقبال
 چه موج باد، همه ره سپرد چه خاص و عام
 بقطع راه، یکی بود دیگر نقتدم جوی
 بمانده هم بر خلق، تا بسا شعله
 بود فرط خوشی یا که از کشاکش خلق
 چو روز عید کنان از مرد آمد در رفت
 مصافحه شده یک دست سبزه از اجاب
 غریب تشنگی اقواب مژده پیش قدم
 بیادگان و سواران شده به و وطن
 سروده ساز نوازان بیک طرفه و ضعف
 بد و در دار دوران همه اکابر سپهر
 محزونان یورپ جمع با پای میمند
 ز سر گرفته کله انگشس سران ز ایلر
 نموده پخت و حرم و سر فرو بی تسلیم
 گزیده شیوه دیرین ادای تهنیت است
 ولی بخاطر رانم لطیفه گزیده
 که دیرانی عدالت گوی ملک آرای
 بشربان بدید مژده مبارکباد
 نوید راحت و آسودگی و آزادای
 خدا بجانها، و قتی که در میان سفر
 هم از تبدل آب و هوای ملک و فصل
 رسیده بودیم رخ صعب و ضعیف قوی
 عموم مردم هند و خصوص دلو بآن
 در از ساخته دست دعا بدر گرفت
 دعای صبحی و نیاز نیم شبی
 پند و ترغیب عاقبت ابروی آمد
 تنگایان تو چنان رودستان سپهر
 بیادگار قدم مسرت و شادان

شده خرمین و باز بسبب بلده سبکین
 دم و درو و مظفر نهندش بر زمین
 چه باره و در شنه و چه کوچ و بر زن
 بافت خیز ددال سوی ریل استیشن
 چو سیل آب همه قطره زن، چه مرد و چنان
 شمرده خار و خسب راه اطلس دادک
 در از و حام گراندا حق کسی سوزن
 که پاره پاره بر اندام کشته پیران
 بیکدیگر شد و گرم معافه همه تن
 ز بسکه بوده تخمین شهر دستک زن
 نگذره غلغله در گنبد سپهر کسین
 همه ننگ شرک و همه یلنگ اژدهان
 بدبانی و کج اندر حلال دار غن
 فراهم آمده زان آن که کوه و مرغین
 چنانکه سبزه و گل برو مد بیک انگشس
 نهاده دست بر بندای انوار زبان
 که پا خوشی و سر بازی است ازال روشن
 بوالیان مالک زایل ملک و وطن
 امید آنکه قبولش کنند اهل فطن
 خود از زبان در استان بلجه امین
 ز عهد دولت خود عهد نشر عدل و من
 امید دفع طایه ای فحط و رنج و فتن
 بپا رسال از امروز دور تا صد و پنجاه^(۵)
 سم از مشقت راه در از بشیر دن
 بدان شرافت سنا سر بدان لطافت بدن
 سنا در مضطرب و مبتلائی در و دوزان
 برای صحبت فرما مده زمین زمین
 هزار نیکو که یزد رفت ابرو ذوالمن
 هم از خسوف علامت هم از حجاب من
 که هست بر قدرت از لعل چشم شاد چون
 ز شهر گشته فراموش شیوه شبن

۱۱ نمبره چنگر خال ۲، بابی نخت حبس ۳۰، پای نخت پروت ۴۱، چیر زویر انکه نبری نغاطه اوزان
 کے معنی تا سال من عریضی ۳۲ در ترکی ده سال گویند.

پیرے عصہ نے ایک دم میں کہا
نقص سے رنج کچھ نہیں افسان

مردہ صد ہزار سال ہمیں
حق نے بخشا ہے یہ کمال عظیم

لِضًا

مناجید بہار آئی کہ جو بیخسہ جنوں
سہر بچے، میدان کوٹے، کہ افسوس میں ملے؟
رخشاں یہ غیبی، قیس کے طے سے کون ہو؟

کچھ گھر گھر ہے جامعہ دستدار تانازار
عاسق کو ہاتھ چاہتے ہیں ناچار چار چار
ملنے بی ہیں بہم، سب عمار، مار یار

يُضَا

چاک یکسر مرا کٹر پہاں ہے
 لاغری میں بربودہ ناخن سے
 رات بیٹنے سے سینہ کس کا رلا
 چاک کرنا جگر کا سکھلایا
 سر آوارگان و حسرت پر
 پھر سہارا لی، اب جنوں کا ہاتھ

دل کا محضر مرا اگر میساں ہے
محقر تر مرا اگر میساں ہے
کہ معطر مرا اگر میساں ہے
میرا رچرچہ مرا اگر میساں ہے
سایہ گستر مرا اگر میساں ہے
ادرا نبر مرا اگر میساں ہے

المض

کیا پہنچے تو - فرشتے کا جس سے گزر رہا تھا
 رختاں اٹھائے آئے، اچھی رک گئے ہیں

میں افسوس، سچ خدا کا بگڑا ہوا
آنکھوں میں آ گیا کوئی ٹپ جگر نہ ہو

5

[illegible]

نور صبح، نمودم و دیرگاه را دران
چه بار بار دران بخش و بسا چیت
عساد میده به تن روح از شمیم سمن
که خوانده گشت خط سیر نو شتابان
که لوده لوده سمن برخند است و گل برین
جهان ز جوئی شرم به داشت نفس
که سخته بر رخ کس اتم از دره ان
زیر درختی ایستاده بودی چمن
زیر درخت مفل تازیان جود معن
چنانکه مملکت انجید را السدل
قدم مشرقی و جلال نسیم را سعدان
دار جمله هنر با و در کوه سیر نسیم
ستاره زار سدری عین مویع درش
شدی بسک در تر، بیه عقیق بیس
ز جبر مغف آبان خد بولار درش

[illegible]

اشعار ریختہ

فلک گر نہ تھا بار اٹھانے کے قابل
زبے! سر بلند ی سہیل و فنا کی!
جہاں میں ہوئی صبح محشر نمایاں
فجر رشک و حشمت میں ہے نقش پیر
لے سر پہ پھرتے ہیں وہ بار عصیان
وہ لب کے پلانے میں کیوں مرز کرنے
مرا سینہ الے غیر کیا دیکھتا ہے
نفس ہی کے ہمراہ شاہد برآئے
کوئی آن کوئے آئے غلوت سے یان تک
نہ ہو لوزرا بھی کہ گویا نہیں ہے
یہ آنکھیں جو پتھر اگلیں تھیں نہ دیکھیں
جو آزرہ کہتے ہیں سچ ہے وہ رخشاں

تو کیا تھے ہمیں آزمانے کے قابل
گر اس در پہ ہو سر چڑھانے کے قابل
کہ ہے نسیج ہستی بچھانے کے قابل
ہنس خاک سے جو اٹھانے کے قابل
زمین میں نہیں جو سمانے کے قابل
مگر تھے نہ ہم ہی جلانے کے قابل
ترا منجھ ہے اس زخم کھانے کے قابل
جو حسرت کوئی ہو برتنے کے قابل
کہ ہے نسیج محفل جلانے کے قابل
زباں کام میں پچھ بھی لانے کے قابل
تیر پای قابل بچھانے کے قابل
کہ دنیا ہمیں دل لگانے کے قابل

ایضاً شمع و گل قبر پہ رخشاں کی نہ لایا کیجے

بواہوس اور بھی مرنے کی کرینگے خواہش
خاک کا پتلا ملائک کا بحق مسود ہے
والہ پنچا کیا ہو مشکل، آئے ہوں جن سے پہل
یہ میر سخوت کہیں اب تو جھکے ہر خدا
زلف مشکب کی سیاہی بس گئی ہے آنکھ میں
یہ حصار آجگینہ شیشہ ساعت کی شکل
دل دو دو آبلہ سے سینے میں کیونکر سملے!
فغمہ غول آہ نہیں دل کو بھی کردنیاء ہوم
آفتاب حسرت سے دل سوختہ کو کیا ہر اس!
دلفرا الطیف سخن جا نکاہ غصے کی لگا ہ
سنگ سیاہ سودیم لگی ہے آہنی بت کی ہے سخت
نفی نفی اثبات کہلاتی ہے، رخشاں اس لئے

سجدہ حق میں بشر کا جبہ خاک آلود ہے
جادہ دشت عدم، اپنا قدم فرسود ہے
مورچہ پاسبان خطا پستہ کردہ ہے
رشتہ ہمارے نگاہ دیدہ منک انود ہے
گاہ زیر و گداز بر پر باد و خاک آلود ہے
دل کے پرغول ہونے سے جنین محل افزوہ ہے
لحن داؤدی میں اعجاز کف داؤد ہے
دو دو آہ دل سے سر پہ سایہ ممد رہے
نقد جان و جنس دل رہن زبان و سواد ہے
مومن دکا فری، تیغ و دستاں سمجھو رہے
ہم نہیں کہتے کہ بہ کون و مکان نابود ہے

ایضاً ساقیا، لیجو سنبھال ہمیں
گزرے کیا کیا نہ احتمال ہمیں

(۲) مئے کے گرنے کا ہے خیال ہمیں!
کل نہ آئے جو اپنے وعدے پر

۱۱، مذکورہ نسخے میں یہ شعر بھی نہیں ہے (۲)، شعر ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰ مذکورہ نسخے میں نہیں۔

(۳) نسخہ مذکورہ میں مشک آلود ہے (۴)، یہاں سے آخر اشعار اردو تک مہدی علی خاں کے نسخے سے ناقص ہے۔

هست نه ذوق تش ماس نراکت فنون
 حیف که از حار جسم من بزلونی دهد
 گو بسر ببار قفسه ز هر زدنش
 از رنگ نقش ماست هر بن مو ذوق یاب
 بیشتر از طریق خویش بهره بخور و
 وعده لغو است گر مرحله پیش نیست
 ز امتعه رنگ رنگ جنس دل ساده را
 گوز سرخونچکان پی بسره برند
 بوشش جسم عری چادر استکی برهن
 سینه که از دایره عشق لاینا انا الشرق زد
 نفس آید بگوش بانگ درای حسی
 سال نشید غزل " داده میغبری است"

فی النعت

ورنه خنجر جهان تن پیسیدن دهم
 سینه خود را بچوب عرق در بدن دهم
 تا بفک ناله را سر کشیدن دهم
 لاله را از قسوس حس چشیدن دهم
 روح قدس را بدل راه خنجر دهم
 شوق بکتا ز را گام و دیدن دهم
 از پی نقش و نادرغ گزیدن دهم
 ز نیت فزاک را سر به بریدن دهم
 بر غلط عکس و تار تمسیدن دهم
 از انقضا و حب خور بدیدن دهم
 ناله خود را چسرا حکم چو بدیدن دهم
 نیر بیان را چو فرس لطف شنیدن دهم

در دل و روان ز رشک نش خلیدن دهم
 دل بشنیدن دهم، جان بشنیدن دهم
 هر قد موبس شاه، سر کشیدن دهم
 معصیت خویش را برگ خریدن دهم
 درین زار از نعمت جان بدیدن دهم
 صبح "ای" گوی را نیردی دیدن دهم
 سوی چین زار هند موج دزدیدن دهم

ایضاً

بر روی چو خور نصاب تاکی
 یارب ز تنب غم امان ده
 باشم بدهر تا کجا شاد
 خزان با نمیدانم شهید
 ز امید بد سوال تا چند
 شناخته بلهوس ز جانبا نه
 داغم که دل از فردگی سوخت
 کی یوده و کونشان ایشان
 معوره هم جو شهر و صلی
 دال مسجد جامع معتدس
 نیر جهان نگر به حسرت

دلجوی ما هت تاب تاکی
 باد نقش و خاک آب تاکی
 بینم بخواب خواب تاکی
 از لطف نرا آب تاب تاکی
 دزیاس از جواب تاکی
 بے مصرفی و عتاب تاکی
 بر با بزان این کباب تاکی
 از شاه فرسیاب تاکی
 ای طرح کهن خواب تاکی
 بازی بخت و شاب تاکی
 یا بخت گنج باب تاکی

کے علاوہ تیر کا ایک فارسی قصیدہ بھی کتابخانے میں محفوظ ہے۔ یہ لارڈ ریس کی تعریف میں لکھا گیا ہے۔ اور نیز کے بہترین نکلام میں شمار کیے جانے لگے تھے مناسبت مقام کے لحاظ سے اشعار مذکورہ کے بعد اس کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مرسلہ شعر حسب ذیل ہیں:

غزلیات فارسی

گوئی کہ فیضِ حق رسد و ناگہاں رسد
خوش طالعی کہ جذبہ شوقی بجاں رسد
لذت شناسی بسیم ہلا، ز درقِ امید
در چار موجہ انگشتِ ابرو بکراں رسد
ہاں نالہ رسا، سر موجی کہ از سپہر
در گوشِ خلق ز مرستہ زلالاں رسد
حاجی بیایِ مزد بہ دارِ اسلام شد
ساقی بدستِ سارنج بدارِ الالاں رسد
گھریم جو ابرو کہ بدایِ کوی جسمِ راز
چوں خس، بیایِ مردی آبِ رواں رسد
بر زخمِ محتشب سربازِ زارِ کیشم
گر ساعزی ز پیرِ مقالِ ارمغان رسد
نیر بہ سماں بنم باز پایِ ناز
گر این سر نیاز بر آں آستان رسد

ایضاً

از دیدہ دلِ ارزشِ لعل و گہر افتاد
تا آبلہ در سینه و خون در جگر افتاد
اشکی کہ نہ در یاد تو از چشم ترا افتاد
در موقفِ تسلیم چہ خونہا بدر افتاد
عطار دومِ دشمنہ و حلاج و سرور
فی در قدم از دگران بیشتر افتاد
گر دم سربا لغز تو، ای سانی بدست
انہ ہر چہ عیم نہ سجائی بہتر افتاد
گوشہ ہنرم غیب ز داؤدی طالع
باجیہ گر آمر و زانیہ ز دم دگر افتاد
تیر کشم نازکی ساعد قائل

ایضاً

گر نباشم بدر دست گدائی کم گیر
در میرم بر پیش، بی سرو پای کم گیر
نقشِ امید اگر جلوہ دلخواہ نہ آد
از سر لوحِ ازل حسرت گدائی کم گیر
زشت دانستہ اگر دست کشیدی ز چہا
از جفا پایِ غداستہ جفائی کم گیر
زخمِ گر بہ شدنی هست و نمکِ پیدائیت
مرعی بیشتر انگار و دوائی کم گیر
غیر در خلوتِ دلدار اگر راہ نیافت
از بلا بای شبِ شبِ بربائی کم گیر
مادر و پسر نہ ایس پس از سہ مولود
منست خاکِ و گیمہ زاد و جہاں کم گیر
گر فرویز داساس کہن چار اداکان
اشکی دای و سوزی و جہاں کم گیر
گر فرو و بسب لب از حرفِ حقیقت تیر
از چین بلبلِ آشفۃ نوائی کم گیر

ایضاً

پیش در مسکدہ سر خمیدن دیم
نشہ اقبال را ادج رسبدن دیم
ریشِ خون از دیم زلفِ تنگایک
با ہمہ تن خون شوم، داد چکبدن دیم
ناکخنِ خوارہ اش بر کشیم حجر
بلکہ لب زخم را فدای کبیر دیم

لیکن میرزا صاحب کی اس بیماری کا پتا مارچ ۱۸۵۲ء میں بھی چلتا ہے۔ متفق کے نام کے فارسی خط میں ہواں محنت کے سہرے کا جھگڑا بیان کر کے لکھا ہے کہ "کنوں کہ دندان فرد ریخت، و گوش گراں گشت، موی سپید است و روی پر آژنگ، دست بلرزہ اندر دست دای در رکاب، و دست چپ آہنگ، ۱۸۵۲ء، طبع دوم، اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۲ء میں جب کہ ان کی عمر ۵۵، ۵۵ برس کی تھی، چند دانت گر چکے تھے۔ کن ہرے ہو گئے تھے، اور ہاتھوں میں رعشہ تھا۔ لہذا میرزا صاحب کا رشتے کوئی بیماری کہنا درست نہیں معلوم ہوتا۔ اور یہ بھی ہے کہ یہ رامپور کے سفر کی سوغات ہے۔ ہاں یہ سن ہے کہ یہاں سے واپسی میں جو دکھ اٹھایا تھا اس کے نتیجے کے طور پر اس مرض میں زیادتی ہو گئی ہو۔

(۶) نیز ملاحظہ ہو عریضہ مورخہ ۱۳ اگست ۱۸۶۶ء

(۷) یہ فارسی کے محاورے، نشان دادن، یعنی پتا بتانا کا ترجمہ ہے۔

صفحہ ۵۹

(۱) یہ عرضہ نواب صاحب کی اس تحریر کا جواب تھا، "نامہ محبت آئیں مع تقریب بدر چاچی و مضامین اصلاح آگین سرمہ کس چشم وصول گشتہ روشنی بخش عیون دیدہ سفیدان انتظار مگر دید۔ چنانچہ نظیر ہم الفاظ کہ شاید مجا لانا بمعان نظر ملاحظہ شدہ مرسل داشتہ ام حتم اگر اقوال این ہمہ اسامہ قابل اعتبار باشند فیہا، والا بعد مشاہدہ از چگونگی آل مطلق سازند۔ المرقوم ۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۳ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ء

آستیاں جبدن، عرفی، بیت

آستیاں ز غن و زانچہ چنیدم بر سر
عذر ازین دوستیزہ، و عذاری بفتح الزام و کسر ہا وعددا و است جمع۔ از شتی الارب۔ از فرسنگ جہانگیری: "از رنگ چہار معنی دارد، اول بمعنی از رنگ است کہ مرقوم شد، دوم نام مصوری بودہ ماندمانی، سوم نام دیوی، چہارم نام ہیلوانی از توران۔ از رنگ نگار نامہ، مانی نفاش، و گاہ از رنگ بہ مانی اطلاق کنند، آغاز دیباچہ: "کہ کایخ دماغ صدر شہنشاہ محفل سخندان را بہ نقوش خیالات رنگارنگ رشک از رنگ مانی ساخت پس مانی از رنگ بمعنی مانی نگار خاز بودہ است۔ و در کلام اہل ولایت نیز ملاحظہ فرمید۔ کتاب خلسے کے پرانے کا غذات میں ایک ورق دستیاب ہوا تھا جس میں شیر کے فارسی اردو شد۔ برے نسل سے حظ لکھنے کے باریک نیگوں کاغذ پر درج ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ ہمیں ادراکی کا بکس ماند ہے، جن کے ارسال کرنے کا میرزا صاحب نے ذکر کیا ہے بعد ازاں ایک سہ ورقہ مولوی جہری علی خاں مرحوم دستخطدار کرتا بجا ہے، کے کاغذات میں سے دستیاب ہوا جس پر یہی اشعار کی پیشی کے ساتھ مندرج ہیں۔ یہ اول الذکر کی نسل معلوم ہوئی ہے اور اسی طرح کے کاغذ پر زیادہ خوبخط قلم سے تحریر ہیں۔ یہاں سے کہ یہ نسل رامپور میں سرکار کے حضور پیش کرے کے لیے تیار کی گئی ہوگی۔ ان اشعار۔

دارد کی منظور ہے اس واسطے جو الخاتمہ محبت نگاہ کے ہوتا ہے کہ آپ انتخاب دیوان فارسی اور دو اپنے کا فرما کر مع انتخاب کلام ضیاء الدین خاں صاحب لطف کریں، تا شام انتخاب کے جو اس سرکار میں عمل میں آیا ہے، ہو جائے، میرزا صاحب نے حسب احکام اردو دیوان کا انتخاب ۱۸ ستمبر کو اور فارسی کلیات کا انتخاب ۲۴ ستمبر کو ارسال کیا۔ یہ دونوں انتخابات جو حسب تاریخ فرمان مورخہ ۱۹ بہادری ۱۲۸۳ھ (۲۰ اکتوبر ۱۸۶۶ء) اس تاریخ سے قبل موصول ہو چکے تھے مکتب خانہ سرکاری میں محفوظ تھے۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں ضروری حواشی اور مقدمے کے ساتھ "انتخاب غالب" کے نام سے ان کو یکجا شائع کر دیا گیا ہے۔ نواب صاحب کے پسندیدہ اشعار، کئی چھوٹی چھوٹی مباحث کتابخانے میں محفوظ ہیں، مگر ان کے متعلق یہ شرمناک شواہد ہیں کہ وہ سب باکوئی ایک مذکورہ بالا بیان ہے۔

۱۲- نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نواب احمد بخش خاں والی فیروز پور جہڑک دھاگیر دار لوبارو کے خلف اصغر تھے۔ ان کی چچا زاد بہن غالب سے منسوب تھیں۔ اس نسبتی رشتہ کے علاوہ اہم رابطہ یہ تھا کہ نواب صاحب فن شعر میں غالب کے شاگرد تھے۔ یہ فارسی میں نیز اور اردو میں ارشاد تخلص کرتے تھے، اردو میں: "اے اے کی سلامتی" دق و حسن طبیعت کے میرزا صاحب اس درجہ معترف تھے کہ انھیں اپنا نمونہ کہتے تھے۔ کلیات فارسی میں انکی مدح میں ایک قصیدہ ہے۔ اس میں میرزا صاحب فرماتے ہیں۔

بنکتہ شیوہ، شاگرد من مینا است
اگرچہ دوست ارسطوی من فلاطونم
بود بپایہ ارسطوی من سکندر من

نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر ادب، تاریخ، حکمت، سیاست مدن اور جغرافیہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ انھوں نے ایسٹ صاحب کو تاریخ مہندگی تربیت میں بہت مدد دی تھی۔ ان کے کتب خانے کے متعلق میرزا صاحب لکھتے ہیں: "میرا ایک نسبتی بھائی ہے نواب ضیاء الدین خاں سلمہ الدتالے"۔ وہ میری نظم و نثر کو فراہم کرتا رہا تھا۔ جناب مجمع نثری، اور کلیات نظم فارسی اور کلیات نظم اردو سب تھے اس کے کتب خانے میں تھے۔ وہ کتابخانہ کہ ڈرگزر من گرتا ہوں ۲ ہزار روپے کی مالیت کا ہوگا، لٹا گیا، ایک ورنہ تھیں۔ ہا، اعود: ۲۹) نواب ضیاء الدین خاں بہادر نے سنہ ۱۳۰۲ھ ہجری (۱۸۸۳ء) میں وفات پائی مگر روح نے مصرع "ابنہ باقی رہی وہ ردق شہر دہلی" سے ہجری سال نکالا ہے (تاریخ لطیف: ۲۳۱)

۱۳- میرزا صاحب نے یہاں "اُس" لکھا ہے، مگر اد پرغزلوں کا ذکر ہے، اس لیے "اُن" ہونا چاہیے۔

۱۴- نیز ملاحظہ ہو عرضہ مورخہ ۱۵ فروری ۱۸۶۶ء

۱۵- میرزا صاحب نے ۱۳ مئی ۱۸۶۶ء کو ذکا کے خط میں لکھا ہے کہ: "راہپور کے سفر کارہ اور دق رشتہ و عہد بصر، خلد استیال کے ۱۸ نومبر سنہ ۱۸۶۶ء کے خط میں اس بیماری کا ذکر کر کے پھر ۱۳ مارچ ۱۸۶۷ء کو لکھا کہ دوران سر، رشتہ اور ضعف بصر، نین بیماریاں نئی پیدا ہوئی ہیں"

بیچھے ۱۰ اور ۳۱ سال ۹ ماہ ۲۱ دن سلطنت کرتے ۲۸ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۵۳ھ (۸ ستمبر ۱۸۳۷ء) کو جھکے دن فوت ہو گئے (مفتاح التواریخ: ۳۷۵) اکبر شاہ اپنے والد کی طرح

شاعری بھی تھے اور شعاع تخلص کرتے تھے۔ شاہ عالم کا مجموعہ کلام فارسی دار و دہندی موسوم بہ نادرات شای، کتاب خانہ راہپور کی طرف سے طبع ہو چکا ہے۔
(۲) میرزا صاحب کا یہ عریضہ نواب قلد آشتیاں کے فرمان مورخہ ۱۵ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۳ھ (۲۴ اگست سنہ ۱۸۶۶ء) کا جواب ہے۔ القاب و ادب کے بعد نواب صاحب نے مختصر فرمایا ہے
... درں و لا تقریظ شرح قصائد بدر چاچی از نوک نلم جلوہ خیز گردیدہ۔ اولاً برادہ
صورت عبدالرحمن و حید و مابقی برطرز جلای طبا طبائی نگاشتہ ام۔ چون زیور اصلاح
در گنج خانہ عالی طبیعت آں استاد زماں نغزد نست بہمیں نظر آں نقیض باطل را مرسل
مستساخہ، مرقوم کہ آنچہ فطرت کمالتہ شارانہ پسندد خامہ اعجاز ہنگار را بر پرچہ ثانیہ ملا دہ ازیں
مجموعہ پریشانی بہ نکالغیش تکلیف نغمہ پیر دہند و با سرع از منہ دیدہ سفیدان این دیار را
از مرمرہ جواہر آگس جواب با صواب مسرور و شاد مال سازند

شرح قصائد بدر چاچی جس کا فرمان میں دکر ہے، مولوی محمد نان خاں بہادر مدد الہیام
کی تصنیف ہے۔ خان موصوف نواب قلد آشتیاں کی خدمت میں زمانہ ولیمہ دی سے آمد وقت
رکھتے تھے۔ زبان فارسی اور حساب وغیرہ سے کجوبی واقف اور قدرے عربی آشنائے۔
جب نواب صاحب تخت نشین ہوئے تو ان کا تقرب اور رسوخ یہاں تک بڑھا کہ
رہاستہ کے دارالہیام بنا دیے گئے۔ مزاج میں قدرے درشتی اور جبر تھا۔ اس وجہ
سے ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) کو جامع مسجد کے اندر جلسہ میلاد البنی کا۔
انتظام کرتے ہوئے نا در شاہ خاں نامی ایک چھان کے ہاتھ سے چاقو کا زخم کھا کر
انتقال کر گئے۔ میاں منصور علی صاحب منصور راہپوری نے رخصت "مادہ تاریخ نکالا
اخبار الصنادید ۲، ۱۵۲-۱۵۶) میں گیارہ تاریخ کو زخمی ہونا اور بارہ کو وفات
لکھی ہے۔ ان کے خاندان کی ایک مسطورہ محترمہ کا بیان یہی ہے مگر حفیز عثمانی نے
بزرگان شہر سے پرس وجو کی تو بالاتفاق سب یہی بتایا کہ مہیشہ سے ۱۲ ربیع الاول
ہی کو جلسہ میلاد البنی ہو کر تلے۔ اور یہ واقعہ سب کے نزدیک جامع مسجد کے اندر جلسے میں
پیش آیا تھا۔ اس سے بہ خیال ہوتا ہے کہ مولوی نجم الغنی خاں مرحوم کی تحریر انھیں محترمہ
کے بیان پر مبنی ہے جو ان کی رشتہ دار تھیں۔

(۷) اس نثر سے مذکورہ بالا تقریظ شرح قصائد بدر چاچی مراد ہے۔ مثل میں یہ نثر موجود نہیں
ہے اس لئے میرزا صاحب کے مواقع اصلاح معلوم نہیں ہو سکے۔

صفحہ ۵۸

(۱) نواب صاحب نے ۱۲ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۳ھ (۱۴ اگست سنہ ۱۸۶۶ء) کے قرن
میں جبر کا کچھ حصہ ۱۳ اگست کے عریضہ کے حاشیہ میں نقل کیا جا چکا ہے، میرزا صاحب
تحریر سنسرایا تھا... مطلب دگر، جو کہ راقم کو ترنیت بیاض اشیا منتخبہ سادہ لکھی

صفحہ ۵

۱۱) نیز ملاحظہ ہو عریضہ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۶۷ء

۱۲) نواب خلد آشیاں نے ۱۳ ربیع الثانی سنہ ۱۲۵۳ھ ۲۵ اگست سنہ ۱۹۶۷ء کو جو اباً بخیر فرمایا اس صورت میں رسید ثانی ضرور پہنچے۔ اور حسب الابہ واسطہ بھیجے جانے پسند وی مشاہیرہ آپ کے اس طور پر کہ تاریخ پہلی بار دوسری تک آیت کے پاس پہنچ جایا کرے۔ حکم بنام اہالی سرسبزستہ کے صادر ہو گیا ہے۔

صفحہ ۵

۱۱) بدر الدین محمد چاچی، چانچ "دنا شقندہ" کے رہنے والے تھے۔ سلطان محمد بن تغلق ۵۲۰ھ کے عہد میں ہندوستان آئے۔ اور اس کی حرج سرائی میں اپنی عمر کا بڑا حصہ گزارا۔ سلطان محمد بڑا علم دوست بادشاہ تھا۔ اس نے ان کی کافی قدر و منزلت کی اور مخر الزماں "خطاب دیا۔ بدر نے سنہ ۵۴۰ھ ۱۱۴۵ء میں انتقال کیا۔ ان کے قصائد شہرت عام کے مالک ہیں۔ اور برسوں درسیات فارسی میں شامل رہے ہیں لبس تلمیحات و کنایات کی اور کے سبب سے بڑے کلام میں لطیف کلمے۔

۱۲) میرزا طاہر خاں وحید شخص مشہور شاعر اور نثر نگار اور قزوین کا باشندہ ہے۔ سنہ ۱۰۵۵ھ ۱۶۷۴ء میں شاہ عباس صفوی نے اپنا مجلس نویس مقرر کیا۔ سنہ ۱۱۰۱ھ ۱۶۸۹ء میں وزیر بنایا گیا اور ۱۸ سال تک اس عہدے پر رہا۔ عماد الدولہ خطاب غالباً اسی عہد کی یادگار ہے۔ تاریخ ابران مشہور یہ تاریخ طاہر وحید کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طاہر کو نثر نویسی پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ لیکن اشعار کی شہرت صرف عہدہ وزارت کی بدولت ہوئی۔ اس نے مجمع الشعر کے نام سے ایک تذکرہ شعر بھی لکھا تھا جس کا ایک نسخہ ایشیا ٹیک سوسائٹی کے کمرزن کلکشن میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر ریو نے لکھا ہے کہ تقریباً سنہ ۱۱۲۰ھ ۱۶۰۸ء میں انتقال کیا۔

۱۳) میرزا جلالی طباطبائی اصفہان کا باشندہ ہے۔ سنہ ۱۰۴۴ھ ۱۶۳۳ء میں ہندوستان آیا۔ اور شاہ جہاں کے دربار کا مورخ مقرر ہوا۔ ابھی ۵ سال کی تاریخ لکھے۔ ابھی تھا کہ حصاد نے سازش کی اور کام ہمیشہ کے لئے رک گیا۔ جلالی اشعار میں خاص طرز کا دلکاش ہے یہاں یہ ظاہر کر دینا مناسب ہو گا کہ میرزا صاحب نے طباطبائی کو سہوہ طباطبائی لکھ دیا ہے

۱۱) اعجاز خسروی ہندوستان کے سب سے بڑے فارسی شاعر و نثر نگار تھے۔ ۱۱۷۰ھ ۱۷۵۷ء میں متوفی ہوئے۔ یہ نثر مرصع کی ممتاز کہانوں میں شمار ہوتی ہے۔ اور ناولٹو پر لیس لکھنؤ میں طبع ہو چکی ہے

۱۵) ابو النصر معین الدین محمد اکبر شاہ، شاہ عالم، بادشاہ دہلی کے بیٹے اور دہلی کے آخری بادشاہ ظفر کے صاحب نفع، رمضان سنہ ۱۱۵۳ھ ۱۷۴۰ء میں دہلی ۱۶۷۴ء کی تاریخ کو پیدا ہوئے اور ۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء میں ۱۹ نومبر سنہ ۱۸۰۶ء کو ۲۸ سال کی عمر میں تختہ دار

صفحہ ۵۴

- (۱) میرزا صاحب نے ۱۲ مئی سنہ ۱۸۶۶ء کے دکن کے نام کے ایک خط میں اس سے ملنے جلتے الفاظ میں اپنی حالت بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں: ”آگے نا تو ان بیٹا، اب بیجان ہوں، آگے بہرا تھا، اب آنکھیں مٹا ہوا ہوتا ہوں۔ رامپور کے سفر کا رد آدر ہے۔ رشتہ و صنعت بصر جہاں ہمارے ہیں لکھیں، انگلیاں پیر سہی ہو گئیں، حرف سو جھنسنے رہ گئے“ (دارودی: ۱۳۸)
- (۲) یہ غزل عریفیہ کے دوسرے درق کی پشت پر تخریب ہے اور سب جہاں کے پہلے ایڈیشن میں خوب چھپی ہے۔

- (۳) میرزا صاحب نے ازراہ سہو بحر مل شمس معنوں کو، ہرج منحن سالم لکھ دیا ہے نیز الہین فہرہ طوی نے بسالہ و افیہ درق ۱۹ الف میں لکھا ہے: ”بحر مل منحن معنوں، متالشی سندھی گوید۔“

گھنٹہ ہو مہی بیانی، غم دل با تو بگویم
چہ بگویم کہ غم از دل برد و جوں تو بیانی

مرد ماں مع کندی کہ چر دل بتو دادم
باید اول بتو گفت کہ خلیں خوب چرائی

تقدیمش بہ مشت فغان تمام می شود ازالہ رکن صدر فاعلان آمدہ باقی عمدہ معنوں در صدر و ابتدائی ابں وزن اگر سالم بجائی معنوں آرنہ اما العکس جائز است۔
پہلویہ، مذکر ابں وزن مستحبہ می گردد و بہ بحر یہ کاس منقطع۔ ریر کہ قطع جوں در فغان
آر آمد، محال لبکون لام می شود۔ دآن را بہ فغان منقر می ستانند۔ اما جوں فغان
نہا، الہین معنوں لب نقل حاصل می شود، اعتبار نمہ دشوار بحر مل الحرب در صواب

صفحہ ۵۲

- (۱) یہ پیم کے لفظیہ پر ۱۵ مئی سنہ ۱۸۶۶ء تخریب ہے۔ غالباً دوسرے دس واک میں بھیجا تھا
- (۲) یہ پیم سے ماہر شاہ ظفر مراد ہیں۔ میرزا صاحب کی ملازمت کی تفصیل کے لئے تعلقات قلعہ ثعلبی دیکھیے۔

صفحہ ۵۳

- (۱) مذکر سے کو سہو مکر لکھ دیا ہے۔
- (۲) میرزا صاحب سے تخریب ”لکھ دیا ہے۔“
- (۳) غزل عربیہ کے دوسرے درق کی پشت پر تخریب ہے۔ اس نے جوار، ان و صفر، دفعہ ۲۳۱
- (۴) ۲۳۱ سنہ ۱۸۶۶ء کو خلد اشیاں سے تخریب فرمایا: ”مغاضبہ عریم الما و عنہ مع غزل
نہا، لغت آگے دھون ستاد مانی کا لایا۔۔۔ سبحان الدائمینوں اور ہر ایک
میرزا مذکور کا نیا اور عریم المثال ہے۔“

صفحہ ۵۵

- (۱) منشی سیلچند کے لئے ان کے مام کے خطوط سے قبل کا نوٹ ملا حذر فرمائیے۔

میرزا صاحب نے ایک فارسی قصیدہ آزر دہ کی مدح میں لکھا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں:

نالم از درد دل، اما چارہ چون خرم کس من کہ نتواند گنجش من رسد آوازی من
اس شعر اپنے ضعف کا بیباک بیان مفسر ہے۔ یعنی میرا حال کمزوری سے یہ ہو گیا ہے کہ مجھ سے آواز نہیں نکلتی یا نکلتی ہے توجید پرست۔ حتیٰ کہ میں خود اسے نہیں سن سکتا، پھر ایسی حالت میں کسی سے کیا اعانت کی امید رکھوں۔ وہ میری کب سن سکے گا جو مدد کو آگے بڑھے۔ مگر میرا خیال ہے کہ میرزا صاحب نے یہ مضمون اپنے بہرے میں کی حالت سے پیدا کیا ہو، تو کچھ عجیب نہیں۔ اگر یہ خدشہ درست ہے، تو انھیں ۱۸۴۵ء (۱۲۶۱ھ) سے قبل سبھا ہونا چاہیے اس لئے کہ یہ قصیدہ سنہ مذکور کے مطبوعہ دیوان میں موجود ہونے کے باعث اس سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔

نتیجہ بحث یہ ہے کہ میرزا صاحب سنہ ۱۸۵۲ء میں بائیسین بہرے تھے سنہ ۱۸۴۹ء میں گمان غالب ہے کہ بہرے ہوں اور سنہ ۱۸۴۵ء میں ان کے بہرے ہونے کا احتمال ہے۔ آل محمد مارہروی کو یوں غلط فہمی ہوئی کہ میرزا صاحب نے سرور کے ۱۸ نو مبر سنہ ۱۸۵۸ء کے خط میں صاحب عالم مارہروی کو مخاطب کر کے لکھا تھا: ”اگرچہ تو سیٹھ برس کی عمر میں بہرا ہو گیا ہوں۔ پر مینائی میں فتور نہیں، ۱۷ عود: ۱۳) اس سے میرزا صاحب کا مقصد صرف یہ تھا کہ گو بہرا ہوں، مگر اس بڑھاپے میں نگاہ تیز ہے۔ آل محمد صاحب یہ سمجھے کہ ۶۳ برس کی عمر میں بہرا ہوا فتور شروع ہوا۔

(۳) میرزا صاحب نے ۱۵ فروری ۱۸۶۶ء کو یہ شکایت نواب خلد آشتیاں کو لکھی ہے۔ ۱۲ مئی سنہ مذکورہ کو ذکا کے خط میں لکھتے ہیں کہ ”راہپور کے سفر کارہ آدر ہے۔ رعشتہ وضعف بصر، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنکھوں کی مینائی میں فرق، راہپور سے دلی واپس جاتے ہوئے جو تکلیف میرزا صاحب نے اٹھائی تھی، اس کے باعث پیدا ہوا۔ لیکن واقعہ اس کے خلاف ہے۔ میرزا صاحب نے ۱۲ رجب ۱۲۸۱ھ و ۱۴ دسمبر ۱۸۶۴ء کو نقفہ کو لکھا ہے۔ سامعہ مر گیا تھا، اب باصرہ بھی ضعیف ہو گیا“ (خطوط: ۹۶، ۱) چونکہ ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء کے لکے ہوئے خط بنام سرور میں صاحب عالم

کو مخاطب کر کے میرزا صاحب لکھ چکے ہیں کہ ”اگرچہ ۶۳ برس کی عمر میں بہرا ہو گیا ہوں پر مینائی میں فتور نہیں۔ عینکے اعانت چاہنی منظور نہیں“ اس لئے انھیں اس تاریخ کے بعد اور نقفہ کے نام کے خط کی تاریخ ۱۴ دسمبر ۱۸۶۴ء کے درمیان کسی وقت اس شکایت میں مبتلا ہونا چاہیے۔ اور اس صورت میں ۱۳ مارچ ۱۸۶۶ء کو ان کا یہ لکھنا

کہ امراض و تدبیریم بڑھ گئے۔ دورانِ سرر رعشتہ اور ضعف بصر تین بیماریاں نئی پیدا ہوئی ہیں، اضافی نہایت ظاہر کرتا ہے۔

(۳) فز ملاحظہ ہو عرضہ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۸۶۶ء

۱۲۸، طبع دوم) اس خط میں جو ان بخت کے صہرے کا قصیدہ دہرایا ہے۔ میرزا صاحب کا صہرہ ۱۲۸۱ء کا جواب اور میرزا صاحب کی محذرتہ یہ سب دیکھ کر دو اخبار، مورخہ ۶ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۱ء (۲ مارچ ۱۸۵۲ء) میں شائع ہوئے تھے۔ غالباً اس اخبار کو پڑھ کر شعلی نے استفسار حال کیا، اور یہ سب کچھ اس واقعہ کے نزدیک پہنچ آیا، اس لیے کہ میرزا صاحب نے بیان واقعہ سے پہلے لکھا ہے: "اور تا دیر و مدان از دور بنگرند کہ نامہ شکار مرثہ خوں فشانست و دل درد مند، ظاہر ہے کہ دل کی درد مندی اور مرثہ کی خوں فشانست زیادہ دیر تک باقی نہیں رہ سکتی، اور کچھ ہو بھی، تو اتنی تو یقیناً ہونگی کہ اسے ایسے پروردگار سے بیان کیا جائے۔ لہذا میرزا صاحب کو سنہ ۱۸۵۲ء کے آخر کی بچائی اب آغاز میں بہرا ہونا چاہیے۔

مرد کے خط میں فرماتے ہیں: "میں پان سالتا برس سے بہرا ہو گیا ہوں" (مورخہ ۱۱) یہ خط اُن کے نام کے خطوں میں دوسرے ۱۱ غیر اخلاقی شینہ ۱۸ نومبر ۱۸۵۰ء کو لکھا گیا تھا۔ اسی بنا پر اسے بھی ۱۸۵۸ء کی ہونا چاہیے۔ اگر یہ صحیح ہے، تو پھر میرزا صاحب کے اس تخمینے کے پیش نظر انھیں ۱۸۵۱ء میں بھی نقل سماعت کا مرہن ہونا چاہیے۔ میرزا صاحب ایک فارسی قصیدے میں، جو بعد علی شاہ کی مدح میں اور کلیات (ص ۳۲) میں چھپ چکا ہے۔ فرماتے ہیں:-

فغان ز سیری ورنجوری و گرائی گروش
کہ کرداں بہرہ و شوار کار آسان را
یہ قصیدہ میری رائے میں سنہ ۱۸۴۹ء کے آخر میں لکھا گیا ہے اس لیے کہ اس میں

میرزا صاحب فرماتے ہیں:

کہ گفتہ است در آئین بزم سورد
من از درازی تنہای قوس بندارم
خوش ازازی شب زانکہ گر بود تار یک
و گر بود شب مرہ نیز بزم عیش آرائ
کہ فرشی بود روزای آبان را
کہ بہر آئین آرد و تلک زمستان ما
در تلک در نظر افزوں بود چراغان را
بہر معہ دیر بنگہ دار ماہ تابان را

قطب الدولہ کے نام کے ایک خط مورخہ ۱۲۰ مئی ۱۸۴۹ء سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے یہ قصیدہ میر احمد حسین میکیش کے ہاتھ قطب الدولہ کے پاس بھیجا تھا، تاریخ دورہ ۱۹۵ھ، مئی جو ابہر سنگھ جوہر کے نام کے ایک خط مورخہ ۲ فروری ۱۸۴۹ء میں میرزا صاحب نے یہ لکھا ہے کہ میر احمد حسین کہ منہوائی شرامت و میکیش محقق فی کند یہ لکھنو رفتہ است۔ در ہر نامہ کہ بنی فرستد، بشما سلام فی زبید ایضا: ۵۴ ب، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میکیش ضروری سے خاصا قبل لکھنو جا چکے تھے۔ چونکہ مذکورہ بالا اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ قصیدہ لکھتے وقت ماہ آبان کی رات تھیں، اور آفتاب برج قوس میں تھا۔ اور آبان ایوانی سال کا آٹھواں مہینہ اور زمبر کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لیے قصیدے کو نومبر ۱۸۴۸ء میں لکھا جانا اور میرزا صاحب کو اس وقت بہرا ہونا چاہیے۔

۵ جنوری سنہ ۱۸۶۶ء محمد کلب علی خاں،

مثل میں اصل فرمان موجود اور اس کے لفافے پر پتھر ہے کہ ”خط ہذا ہر کارہ بر نذہ از مرآۃ آباد
بجست تشریف فرما شدن مرزا نوشہ صاحب بہ دہلی واپس آورو۔ مرقوم ۱۲ شعبان
سنہ ۱۲۸۲ھ“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کو فرمان موصول نہ ہوا۔ مگر اس
عرسے میں ان کا عریضہ ۶۰۰ را مپور پہنچ گیا۔ اس کے جواب میں سرکار نے ۵ جنوری
کو تحریر فرمایا: ”جو کہ وقت اطلاع انحراف طبیعت آپ کے مرکز اعتدال سے بمقام مرآۃ
رقیبۃ الودود اس مضمون سے کہ اگر ارادہ قیام مرآۃ آباد کا واسطے مولیٰ کے ہو تو راپور
کو معاودت کیجئے، یہاں معاہدہ بخوبی عمل میں آئیگا۔ ہمد سمت سرکارہ نے بھیجا گیا تھا۔
لیکن آپ وہاں سے روانہ دہلی کے ہو گئے تھے۔ ہر کارہ خط واپس لایا۔ اس روز سے
کمال انتظار وصول مفاوضہ خیریت کا تھا۔ الحمد للہ کہ وصول بمقتہ لطف آئیں باعث
اطمینان ہوا“ میرزا صاحب کا عریضہ ۶۱۰ ای فرمان کا جواب ہے۔

صفحہ ۵

(۱) غلام نوخر سے حسین علی خاں مراد ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے ۲۱ جنوری کے
عریضے کے بعد کوئی اور خط بھی لکھا تھا۔ جس میں حسین علی خاں کی تنخواہ کی مسئلہ عاک گئی تھی مثل
جس خط اور اس کی جوابی فرمان دونوں موجود نہیں ہیں، اس لیے سوال و جواب کی نوعیت کے متعلق
کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال موجودہ مراسلت میں یہ پہلا عریضہ ہے۔ جس میں
حسین علی خاں کی تنخواہ کا ذکر کیا ہے۔

(۲) آل محمد مار ہر دردی نے دیوان توارخ ۱۶۴، میں ایک قطعہ تارخ لکھا ہے، جس کا عنوان ہے۔
”تارخ مکر شدن مرزا اسد اللہ خاں“ المتخلص بہ غالب و المشہور بہ مرزا نوشہ دہلوی“

خود قطعہ یہ ہے۔

میٹھے میٹھے میک بیک کیونکر ہوئے!
یوں سخی میں نے کہ ”غالب کہ ہوئے!“

کان بہرے میرزا نوشہ کے آہ
دوستو! تارخ اس کی غیب سے

اس مادہ تارخ سے اعداد ۱۲۷۲ نکلتے ہیں باجو سال سحری ہے اور ۲۲ اگست ۱۸۵۷ء تا
۱۱ اگست سنہ ۱۸۵۸ء سے تطابق رکھتا ہے۔ لیکن جیسا کہ آئندہ عرض کروں گا۔ یہ تارخ
ایک غلط فہمی کی بنا پر نکلی گئی ہے۔ دراصل میرزا صاحب اس سے برسوں پہلے بہرے ہو چکے
تھے۔ چنانچہ ۱۰ دسمبر ۱۸۵۲ء کو فقہ کے نام کے خط میں لکھتے ہیں ”لوڑھا ہو گیا ہوں، بہرا
ہو گیا ہوں“ (۱۱ ردی: ۱۱۳) یکا شنبہ ۱۹ دسمبر سنہ ۱۲۷۲ کو ششی جی بخش کے خط میں جن کی
بنیائی میں ضحیف آگیا تھا۔ لکھتے ہیں کہ: ”کاروان مارا ہمیں شنیدن و دیدن و گفتن و
رفتن متلع است، چرا بتاراج نرود۔ کی را گوش گرانست، تا ہفتیش چہ سراید و کی را
چشم نگرانست تا کہ می آید،“ دباغ و درد ۶۱ الف، یہ بہرے ہونے کی تارخ سے متعلق اس کے
تفصیلی اور تصریحی بیانات ہیں۔ لیکن ہم اس تارخ کو اور پیچھے لے جاسکتے ہیں۔ ایک نازیبا
خط میں شفق کو تحریر کیا ہے: ”دا کنوں کہ دنوں فردر بخت، و گوش گراں گشت، حوی
سپید است دردی پر آژنگ، دستا بلرزہ اندرست، دپائی در رکاب،“ دتجج آہنگ:

طبع کرایا تھا۔ ان کے فرزند مولوی نجم الحسن خاں کے مکتوب مورخہ ۱۲۶ اپریل ۱۸۷۸ء کے معلوم ہوتا ہے کہ صدر الصدور تازنج تحریر مکتوب سے ۵ سال قبل ۱ تقریباً سنہ ۱۸۷۳ء میں انتقال کر گئے تھے۔ ان کے برادر خرد مولوی حامد حسن خاں صاحب صدر الصدور فروری سنہ ۱۸۷۸ء میں فوت ہوئے ہیں۔

(۶) نواب مصطفیٰ خاں بہادر، فرزند عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرعی خاں بہادر جہان آباد جاگیردار اور بڑے صاحب علم و خوش گفتار شاعر تھے۔ اردو میں شیعیت اور فارسی میں حرکتِ تخلص کرتے تھے۔ (اردو: ۱۱۰) ابتداءً حکیم مومن خاں سے مشورہ سنتن رہا۔ ان کے انتقال کے بعد میرزا صاحب سے اصلاح لینے لگے۔ انہوں نے اردو شعرا کا ایک قابل استناد تذکرہ ”گلشن بیجار“ فارسی زبان میں تصنیف کر کے خود شائع کیا تھا۔ آشوبِ غدر میں شیعیت کو ۶ سال کی سزا ہوئی لیکن آخر کار رہا ہو گئے۔ میرزا صاحب سے ان کے بہت مخلصانہ روابط تھے جب میرزا صاحب قتلِ بازی کے الزام میں قید کیے گئے، تو انہوں نے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ ”جلیبہ“ میں میرزا صاحب نے اس خلوص کا اس طرح اعتراف کیا ہے

خود چراغِ خرم از غم کہ بہ غمخواری من
رحمت حق بہ لباسِ بستر آمد، گوئی
خواجہ بہت دریں شہر کہ از پرستش دی
پایہ خویش تنم در نظر آمد گوئی
مصطفیٰ خاں کہ دریں واقعہ غمخوار من سہ
گمہ بزم، چہ غم از مرگ، عزاد یہ نصرت
شیعیت نے ۶۳ سال کی عمر یا کر سنہ ۱۲۸۷ھ/۱۸۶۹ء میں وفات پائی۔

(۷) میرزا صاحب کو یہ مصیبت رامپور سے واپسی کے وقت برداشت کرنا پڑی تھی۔ دیباچے میں اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

صفحہ ۴۹

(۱) دراصل یہ قطعہ سفر کلکتہ کے سلسلے میں لکھا گیا تھا، چنانچہ رای بھیج مل کھتری کے نام ایک فارسی خط میں ”بھیج آ رہنما: ۱۰“ چھپ بھی چکا ہے۔ لیکن وہاں بجای ”غلبہ غم“ ”مطوت غم“ اور بجای مصرع ثالث ”گویند زندہ تا بہ بنار شمس پیدہ است“ ”خویر ہے۔“ لکھا ہے۔ ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۶۶ء تحریر ہے۔

(۲) نواب خلد آشاں کو میرزا صاحب کے مصائب سفر کی روداد نواب مصطفیٰ خاں بہادر کی زبانی معلوم ہوئی، تو انھوں نے مراد آباد کے پتے پر میرزا صاحب کو تحریر فرمایا: نواب صاحب، مشفقِ حیران، کہ مفرمایِ مخلصان، سلمہ اللہ تعالیٰ! بعد اشتیاق، مصلحتِ مو فور المست کہ متجاوز الخیر ہے، مشہور رو ضیہ مودتِ تخمیر کے ہو۔ زبانی نواب محمد مصطفیٰ خاں بہادر کے دریافت ہوا کہ مراد آباد میں کچھ طبیعت آپ کی علیل ہو گئی ہے۔ بہ اجتماع اس امر کے باعث کمالی تردد کا ہوا۔ اس واسطے حوالہ خاتمہ محبتِ ننگ کے ہوتا ہے کہ حال خیریت مزاج سے مطلع کیجئے۔ اور اگر هنوز طبیعت مائل بہ اعتدال نہ ہو، اور آپ کا ارادہ قیام مراد آباد کا تا درستی ہو۔ تو آپ رام پور میں تشریف لائیے۔ یہاں معالجہ بخوبی عمل میں آئیگا۔ فقط زیادہ جمعیت اور شاذ ہو۔ المرقوم، ۱۰ شعبان سنہ ۱۲۸۲ھ مطابق

ولد صاحبزادہ حسن علی خاں ولد جناب ستطاب نواب محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر،
عرش منزل، طاب نواہم، ستائیں برس کا سن ہے۔ میر احمد علی رسا کے شاگرد ہیں۔ یہ صاحبزادہ
نہایت اہلیت شعار ہیں، خوش خلق و خوش اطوار ہیں۔ یہ ان کا کلام ہے :

شوق ہر چند یہ کہتا تھا کہ بوسے لیجے
پر ترا نقش قدم مجھ سے مٹا یا نہ گیا

صاحبزادے صاحب کو نواب سعید الدین احمد خاں فاروقی کی صاحبزادی منسوب تھیں۔
اس تقریب سے مراد آباد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، اور وہیں انتقال کیا۔

(۳) نواب سعید الدین احمد خاں، نواب محمد الدین احمد خاں کے بیٹے اور نواب مجید الدین احمد خاں
عرف نواب مجو خاں مراد آبادی کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کے آباد اجداد میں سے ایک بزرگ

قاضی عصمت اللہ فاروقی، نواب عصمت اللہ خاں بہادر کے لقب سے مفتخر اور عہد
عالمگیر میں مختلف صوبوں کے گورنر رہ چکے تھے۔ خود نواب مجو خاں بھی بڑی جاگیر کے وارث
تھے۔ غرض سنہ ۵۷۰ء میں بجوم بغاوت انھیں پھانسی دیدی گئی اور اس وقت سے
اس خاندان پر زوال آگیا۔ مراد آباد میں اس خاندان کے احکامات اب بھی موجو

ہیں نواب سعید الدین احمد خاں کی ایک تصنیف ”لب لباب رمل“ کتابخانہ ریاست میں محفوظ
ہے۔ یہ نسخہ بڑے اہتمام سے لکھا گیا ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ خود مصنف نے تیار کروایا ہو گا۔
دیباچے میں مصنف نے اپنے خاندان کی ابتدائی تاریخ اور بعد ازاں سنہ ۵۷۰ء میں اس کی بربادی
پر ایک مختصر نوٹ لکھا ہے۔ نواب سعید الدین احمد خاں نے ۲۱ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۳ھ، ۶ جنوری
۱۸۸۶ء اور ۱۶ جمادی الاولیٰ سنہ مذکورہ ۱۳۱۰ فروری سنہ مذکورہ ۱۳۱۱ء کے درمیان انتقال کیا۔

(۴) لارڈ ولیم بنتنک اور دیوانی عدالت میں ہندوستانی حاکموں کے واسطے

میں درجے مقرر کر کے تھے : (۱) صدر الصدور، اس کا مشاہیر سورہ پلے تھا، اور

دیوانی مقدمات میں ججوں کے برابر اختیارات دئے گئے تھے، (۲) صدر امین، اس کا مشاہیر
دوسرے میں سورہ پلے تک تھا۔ اور ہزار پلے تک مقدمات فیصل کر سکتا تھا،
(۳) منصف، اس کا مشاہیر سورہ پلے سے ڈیڑھ سورہ پلے تک تھا، اور میں سورہ پلے
تک کے مقدمات فیصل کرنے کا اختیار تھا۔ منصفوں کی ترقی صدر امینی پر اور صدر
امینوں کی ترقی صدر الصدوری پر ہوتی تھی۔ منصف کے لیے دو کل کمیٹی کے سامنے امتحان
دینا پڑتا تھا۔ اس کے بعد ترقی کا گزری کی عمدگی پر موقوف تھی۔ تاریخ ہندوستان،

مجلد ۱، ص ۳ ج ۲، ۱۹۷۱ء

(۵) مولوی محمد حسن خاں صدر الصدور مراد آباد ولد مفتی ابوالحسن، بانس بریلی کے باشندے

تھے، علم و فضل کے ساتھ شعر گوئی کا بھی شوق تھا اور اسیر تخلص کرتے تھے۔ سخن شعرا (ص ۲۷)

میں ان کا یہ شعر درج ہے۔

اب جس دلی بھلا گھر سے امیر، زلفوں میں کیوں پھنسا تھا، ہلے ہنری دل

ان کی ایک فارسی تصنیف اصل الاصول کتابخانے میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ عربی کا ایک

رسالہ ہے۔ جسے سنہ ۱۲۵۳ھ میں تصنیف اور مطبع نظامی کانپور میں سنہ ۱۲۷۱ھ میں

صفحہ ۲۶

(۱) یہاں کوئی ایک لفظ ساقط معلوم ہوتا ہے۔

(۲) اس عریضے کے جواب میں ۶ ربیع الثانی سنہ ۸۲ھ (۲۹ اگست سنہ ۱۶۷۵ء) کو نواب خلد آشتیاں نے تحریر فرمایا: "سہ قطعہ مقادعہ لطیف آگئیں، اول مع قصیدہ نادرہ کہ مضامین عایش معلوم ہزاراں در غر معانی بود، وثانی مشعر سید منڈوی مبلغ دو صدر دبیہ وثالث محتوی بر نسخہ ہائی معجون وغیرہ براہ محبت معنوی عنوان آئے یا سہیں ربیع گریبان وصول نشاط شمول گشتہ حالا مزاج را قم بوجہ خوش و خرم است"

صفحہ ۳۴

(۱) سکندر زبانی بیگم، نواب خلد آشتیاں کی اہلیہ کی وفات پر یہ خط اور تماریح لکھا گیا ہے۔ ان بیگم کے والد صاحبزادہ سید امداد اللہ خاں ولد صاحبزادہ سید کفایت اللہ خاں ولد

نواب نصر اللہ خاں بہادر، اور والدہ آفتاب بیگم بنت صاحبزادہ سید کریم اللہ خاں خلف نواب سید فیض اللہ خاں بہادر تھیں۔ سنہ ۱۲۶۲ ہجری میں ان کے ساتھ نواب خلد آشتیاں کی شاہی ہوئی۔ نواب سید مشتاق علی خاں بہادر، عرض آشتیاں، بھین کے بطن سے نکلے۔ ۱۰ انتخاب یادگار: ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴

(۲) اس قصیدے کے چند اشعار تذکرۃ انتخاب یا دگاری بذیل ذکر غالب اور پورا قصیدہ

سب جہیں دس ۱۸ میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۳ میرزا صاحب نے اس مام کا اہل اور تلفظ دونوں غلط لکھے ہیں۔ یہ نام ”عمرد“ بسکون میم درپادۃ واؤ بعد رہے میں نے ازراہ احتیاط اعراب کا اضافہ کر دیا ہے تاکہ ”عمرد“ بفریم و فتح عین سے التباس دور ہو جائے

۱۴ ”سبد جلیں“ کے دونوں ایڈیشنوں میں ”عنطیہ“ ہے۔ اور یہی صحیح ہے، اس لئے کہ رموز حمزہ وج ۲، جز ۸، طبع ایران ۱۲۷۸ھ میں بھی ”سبد عنطیہ“ پایا جاتا ہے۔

صفحہ ۴۲

(۱) بدامثل خوشا، بسیار بد۔ (منہ)

(۲) ہمارہ مخفف ہموار (منہ)

(۳) آدم ادباری، او باریدن بمعنی ناخائیدہ فرد بردن او بار صیفہ امر در آخر تختانی،

مردم آزاری مثله (منہ)

(۴) میرزا صاحب نے یہ لفظ بضم الہاء لکھا ہے۔ لیکن صحیح ”اسپید“ بفتح الباء ہے۔

صفحہ ۴۲

(۱) فردہل بمعنی بگزار۔ ازینجا التزام موقوف است۔ (منہ)

(۲) گز میں بجای گزیدہ مستعمل اہل زبان۔ تخریہ تحتانی مکسور و میم مضموم در ترکی فولاد

گنبد داسم شای است از ادلا و انقوا۔ دایکہ تیمور ٹوبسند، طرز اطلاست اعراب باخترت (منہ)

صفحہ ۴۵

(۱) قرضخواہ کی جگہ قرضدار کا استعمال بے پڑھے لکھوں کی زبان پر آج بھی جاری ہے۔ میرزا

صاحب جیسے میں بیگہ نکالے دلے سے تعجب ہے کہ کس طرح اس کو جائز رکھا۔ چونکہ انہوں

نے میرزا قربان علی بیگ سالک اور تفتہ کے نام کے خطوں میں بھی قرضخواہ کی جگہ قرضدار

استعمال کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں نصحا کی زبان پر بھی کبھی

کبھی یہ غلط لفظ آجاتا تھا۔ ملاحظہ ہو، غالب: ۲۰۳، طبع ثنائی و خطوط

غالب: ۶۷۱۔

(۲) حکیم بر علی خاں کے متعلق صرف اس قدر بتا چلتا ہے کہ یہ دہلی کے مشہور رطبیب تھے۔ ان

کے بیٹے حکیم اسد علی خاں کا ذکر سخن شہزاد ص ۲۲۷ میں مضطر تخلص کے تحت کیا گیا

ہے اور انہیں میرزا قربان علی بیگ سالک کا شاگرد لکھا ہے۔ اس سے قیاس

کیا جاسکتا ہے کہ تیرہویں صدی ہجری کے اداعل میں حکیم بر علی خاں بقید حیات تھے

ایک حکیم بر علی خاں حکیم کاظم علی خاں کے والد تھے۔ نوامین العلاج د نمبر ۳۴

طب فارسی کے آخری درجہ ایران کا نام ملتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ دوسرے شخص

ہوں اور نسخہ مذکورہ متن انہیں کا مرتبہ ہو۔

شا کر کو لکھا ہے: در رحم بیگ نامی میرٹھ کار ہنے والا ہے۔ دس برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ کتاب پڑھ نہیں سکتا، سن لیتا ہے۔ عبارت لکھ نہیں سکتا، لکھو دیتا ہے بلکہ اس کے بیٹوں اب اس کہتے ہیں کہ وہ قوت علی بھی نہیں رکھتا، اور دل سے مدد لیتا ہے۔ اہل دہلی کہتے ہیں کہ مولوی امام بخش صہبائی سے اس کو تلمذ نہیں ہے۔ اپنا اعتبار بڑھانے کو اپنے کو ان کا شاگرد بتاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ دای اس بیچ دیوبند پر جس کو صہبائی کا تلمذ موجب عز و وقار ہوا (عود: ۱۶۱) اس کتاب کے جواب میں میرزا صاحب نے "نامہ غالب" لکھا، اور اس کو ۱۱ اگست سنہ ۱۸۶۵ء سے قبل طبع کر کے جواب خلد آشتیاں کی خدمت میں بطریق ارمغان پیش کیا۔ یہ سال عود ہندی دس ۱۵۵۰-۱۵۵۱ء میں بھی چھپ چکا ہے۔ دولہ جداگانہ مطبوعہ نسخے کی کوئی جلد کتابخانے میں موجود نہیں اور نہ کہیں بازار میں ملتی ہے۔ جناب مختار الدین احمد آرمہ و صاحب کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ وہ اسے مرتب کر کے فقیر خان کو دے گا۔

(۳) شاہ عباس ثانی، صفوی خاندان کا آٹھواں بادشاہ تھا، اس نے سنہ ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲ء) سے سنہ ۱۰۷۶ھ (۱۶۶۶ء) تک ایران پر حکومت کی میرزا حسن کا بیٹا تھا کہ اس کا شہادہ کے عہد حکومت میں ایرانیوں نے داستان امیر حمزہ بنائی۔ کسی طرح درست نہیں۔ (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰) (۱۰۱) (۱۰۲) (۱۰۳) (۱۰۴) (۱۰۵) (۱۰۶) (۱۰۷) (۱۰۸) (۱۰۹) (۱۱۰) (۱۱۱) (۱۱۲) (۱۱۳) (۱۱۴) (۱۱۵) (۱۱۶) (۱۱۷) (۱۱۸) (۱۱۹) (۱۲۰) (۱۲۱) (۱۲۲) (۱۲۳) (۱۲۴) (۱۲۵) (۱۲۶) (۱۲۷) (۱۲۸) (۱۲۹) (۱۳۰) (۱۳۱) (۱۳۲) (۱۳۳) (۱۳۴) (۱۳۵) (۱۳۶) (۱۳۷) (۱۳۸) (۱۳۹) (۱۴۰) (۱۴۱) (۱۴۲) (۱۴۳) (۱۴۴) (۱۴۵) (۱۴۶) (۱۴۷) (۱۴۸) (۱۴۹) (۱۵۰) (۱۵۱) (۱۵۲) (۱۵۳) (۱۵۴) (۱۵۵) (۱۵۶) (۱۵۷) (۱۵۸) (۱۵۹) (۱۶۰) (۱۶۱) (۱۶۲) (۱۶۳) (۱۶۴) (۱۶۵) (۱۶۶) (۱۶۷) (۱۶۸) (۱۶۹) (۱۷۰) (۱۷۱) (۱۷۲) (۱۷۳) (۱۷۴) (۱۷۵) (۱۷۶) (۱۷۷) (۱۷۸) (۱۷۹) (۱۸۰) (۱۸۱) (۱۸۲) (۱۸۳) (۱۸۴) (۱۸۵) (۱۸۶) (۱۸۷) (۱۸۸) (۱۸۹) (۱۹۰) (۱۹۱) (۱۹۲) (۱۹۳) (۱۹۴) (۱۹۵) (۱۹۶) (۱۹۷) (۱۹۸) (۱۹۹) (۲۰۰) (۲۰۱) (۲۰۲) (۲۰۳) (۲۰۴) (۲۰۵) (۲۰۶) (۲۰۷) (۲۰۸) (۲۰۹) (۲۱۰) (۲۱۱) (۲۱۲) (۲۱۳) (۲۱۴) (۲۱۵) (۲۱۶) (۲۱۷) (۲۱۸) (۲۱۹) (۲۲۰) (۲۲۱) (۲۲۲) (۲۲۳) (۲۲۴) (۲۲۵) (۲۲۶) (۲۲۷) (۲۲۸) (۲۲۹) (۲۳۰) (۲۳۱) (۲۳۲) (۲۳۳) (۲۳۴) (۲۳۵) (۲۳۶) (۲۳۷) (۲۳۸) (۲۳۹) (۲۴۰) (۲۴۱) (۲۴۲) (۲۴۳) (۲۴۴) (۲۴۵) (۲۴۶) (۲۴۷) (۲۴۸) (۲۴۹) (۲۵۰) (۲۵۱) (۲۵۲) (۲۵۳) (۲۵۴) (۲۵۵) (۲۵۶) (۲۵۷) (۲۵۸) (۲۵۹) (۲۶۰) (۲۶۱) (۲۶۲) (۲۶۳) (۲۶۴) (۲۶۵) (۲۶۶) (۲۶۷) (۲۶۸) (۲۶۹) (۲۷۰) (۲۷۱) (۲۷۲) (۲۷۳) (۲۷۴) (۲۷۵) (۲۷۶) (۲۷۷) (۲۷۸) (۲۷۹) (۲۸۰) (۲۸۱) (۲۸۲) (۲۸۳) (۲۸۴) (۲۸۵) (۲۸۶) (۲۸۷) (۲۸۸) (۲۸۹) (۲۹۰) (۲۹۱) (۲۹۲) (۲۹۳) (۲۹۴) (۲۹۵) (۲۹۶) (۲۹۷) (۲۹۸) (۲۹۹) (۳۰۰) (۳۰۱) (۳۰۲) (۳۰۳) (۳۰۴) (۳۰۵) (۳۰۶) (۳۰۷) (۳۰۸) (۳۰۹) (۳۱۰) (۳۱۱) (۳۱۲) (۳۱۳) (۳۱۴) (۳۱۵) (۳۱۶) (۳۱۷) (۳۱۸) (۳۱۹) (۳۲۰) (۳۲۱) (۳۲۲) (۳۲۳) (۳۲۴) (۳۲۵) (۳۲۶) (۳۲۷) (۳۲۸) (۳۲۹) (۳۳۰) (۳۳۱) (۳۳۲) (۳۳۳) (۳۳۴) (۳۳۵) (۳۳۶) (۳۳۷) (۳۳۸) (۳۳۹) (۳۴۰) (۳۴۱) (۳۴۲) (۳۴۳) (۳۴۴) (۳۴۵) (۳۴۶) (۳۴۷) (۳۴۸) (۳۴۹) (۳۵۰) (۳۵۱) (۳۵۲) (۳۵۳) (۳۵۴) (۳۵۵) (۳۵۶) (۳۵۷) (۳۵۸) (۳۵۹) (۳۶۰) (۳۶۱) (۳۶۲) (۳۶۳) (۳۶۴) (۳۶۵) (۳۶۶) (۳۶۷) (۳۶۸) (۳۶۹) (۳۷۰) (۳۷۱) (۳۷۲) (۳۷۳) (۳۷۴) (۳۷۵) (۳۷۶) (۳۷۷) (۳۷۸) (۳۷۹) (۳۸۰) (۳۸۱) (۳۸۲) (۳۸۳) (۳۸۴) (۳۸۵) (۳۸۶) (۳۸۷) (۳۸۸) (۳۸۹) (۳۹۰) (۳۹۱) (۳۹۲) (۳۹۳) (۳۹۴) (۳۹۵) (۳۹۶) (۳۹۷) (۳۹۸) (۳۹۹) (۴۰۰) (۴۰۱) (۴۰۲) (۴۰۳) (۴۰۴) (۴۰۵) (۴۰۶) (۴۰۷) (۴۰۸) (۴۰۹) (۴۱۰) (۴۱۱) (۴۱۲) (۴۱۳) (۴۱۴) (۴۱۵) (۴۱۶) (۴۱۷) (۴۱۸) (۴۱۹) (۴۲۰) (۴۲۱) (۴۲۲) (۴۲۳) (۴۲۴) (۴۲۵) (۴۲۶) (۴۲۷) (۴۲۸) (۴۲۹) (۴۳۰) (۴۳۱) (۴۳۲) (۴۳۳) (۴۳۴) (۴۳۵) (۴۳۶) (۴۳۷) (۴۳۸) (۴۳۹) (۴۴۰) (۴۴۱) (۴۴۲) (۴۴۳) (۴۴۴) (۴۴۵) (۴۴۶) (۴۴۷) (۴۴۸) (۴۴۹) (۴۵۰) (۴۵۱) (۴۵۲) (۴۵۳) (۴۵۴) (۴۵۵) (۴۵۶) (۴۵۷) (۴۵۸) (۴۵۹) (۴۶۰) (۴۶۱) (۴۶۲) (۴۶۳) (۴۶۴) (۴۶۵) (۴۶۶) (۴۶۷) (۴۶۸) (۴۶۹) (۴۷۰) (۴۷۱) (۴۷۲) (۴۷۳) (۴۷۴) (۴۷۵) (۴۷۶) (۴۷۷) (۴۷۸) (۴۷۹) (۴۸۰) (۴۸۱) (۴۸۲) (۴۸۳) (۴۸۴) (۴۸۵) (۴۸۶) (۴۸۷) (۴۸۸) (۴۸۹) (۴۹۰) (۴۹۱) (۴۹۲) (۴۹۳) (۴۹۴) (۴۹۵) (۴۹۶) (۴۹۷) (۴۹۸) (۴۹۹) (۵۰۰) (۵۰۱) (۵۰۲) (۵۰۳) (۵۰۴) (۵۰۵) (۵۰۶) (۵۰۷) (۵۰۸) (۵۰۹) (۵۱۰) (۵۱۱) (۵۱۲) (۵۱۳) (۵۱۴) (۵۱۵) (۵۱۶) (۵۱۷) (۵۱۸) (۵۱۹) (۵۲۰) (۵۲۱) (۵۲۲) (۵۲۳) (۵۲۴) (۵۲۵) (۵۲۶) (۵۲۷) (۵۲۸) (۵۲۹) (۵۳۰) (۵۳۱) (۵۳۲) (۵۳۳) (۵۳۴) (۵۳۵) (۵۳۶) (۵۳۷) (۵۳۸) (۵۳۹) (۵۴۰) (۵۴۱) (۵۴۲) (۵۴۳) (۵۴۴) (۵۴۵) (۵۴۶) (۵۴۷) (۵۴۸) (۵۴۹) (۵۵۰) (۵۵۱) (۵۵۲) (۵۵۳) (۵۵۴) (۵۵۵) (۵۵۶) (۵۵۷) (۵۵۸) (۵۵۹) (۵۶۰) (۵۶۱) (۵۶۲) (۵۶۳) (۵۶۴) (۵۶۵) (۵۶۶) (۵۶۷) (۵۶۸) (۵۶۹) (۵۷۰) (۵۷۱) (۵۷۲) (۵۷۳) (۵۷۴) (۵۷۵) (۵۷۶) (۵۷۷) (۵۷۸) (۵۷۹) (۵۸۰) (۵۸۱) (۵۸۲) (۵۸۳) (۵۸۴) (۵۸۵) (۵۸۶) (۵۸۷) (۵۸۸) (۵۸۹) (۵۹۰) (۵۹۱) (۵۹۲) (۵۹۳) (۵۹۴) (۵۹۵) (۵۹۶) (۵۹۷) (۵۹۸) (۵۹۹) (۶۰۰) (۶۰۱) (۶۰۲) (۶۰۳) (۶۰۴) (۶۰۵) (۶۰۶) (۶۰۷) (۶۰۸) (۶۰۹) (۶۱۰) (۶۱۱) (۶۱۲) (۶۱۳) (۶۱۴) (۶۱۵) (۶۱۶) (۶۱۷) (۶۱۸) (۶۱۹) (۶۲۰) (۶۲۱) (۶۲۲) (۶۲۳) (۶۲۴) (۶۲۵) (۶۲۶) (۶۲۷) (۶۲۸) (۶۲۹) (۶۳۰) (۶۳۱) (۶۳۲) (۶۳۳) (۶۳۴) (۶۳۵) (۶۳۶) (۶۳۷) (۶۳۸) (۶۳۹) (۶۴۰) (۶۴۱) (۶۴۲) (۶۴۳) (۶۴۴) (۶۴۵) (۶۴۶) (۶۴۷) (۶۴۸) (۶۴۹) (۶۵۰) (۶۵۱) (۶۵۲) (۶۵۳) (۶۵۴) (۶۵۵) (۶۵۶) (۶۵۷) (۶۵۸) (۶۵۹) (۶۶۰) (۶۶۱) (۶۶۲) (۶۶۳) (۶۶۴) (۶۶۵) (۶۶۶) (۶۶۷) (۶۶۸) (۶۶۹) (۶۷۰) (۶۷۱) (۶۷۲) (۶۷۳) (۶۷۴) (۶۷۵) (۶۷۶) (۶۷۷) (۶۷۸) (۶۷۹) (۶۸۰) (۶۸۱) (۶۸۲) (۶۸۳) (۶۸۴) (۶۸۵) (۶۸۶) (۶۸۷) (۶۸۸) (۶۸۹) (۶۹۰) (۶۹۱) (۶۹۲) (۶۹۳) (۶۹۴) (۶۹۵) (۶۹۶) (۶۹۷) (۶۹۸) (۶۹۹) (۷۰۰) (۷۰۱) (۷۰۲) (۷۰۳) (۷۰۴) (۷۰۵) (۷۰۶) (۷۰۷) (۷۰۸) (۷۰۹) (۷۱۰) (۷۱۱) (۷۱۲) (۷۱۳) (۷۱۴) (۷۱۵) (۷۱۶) (۷۱۷) (۷۱۸) (۷۱۹) (۷۲۰) (۷۲۱) (۷۲۲) (۷۲۳) (۷۲۴) (۷۲۵) (۷۲۶) (۷۲۷) (۷۲۸) (۷۲۹) (۷۳۰) (۷۳۱) (۷۳۲) (۷۳۳) (۷۳۴) (۷۳۵) (۷۳۶) (۷۳۷) (۷۳۸) (۷۳۹) (۷۴۰) (۷۴۱) (۷۴۲) (۷۴۳) (۷۴۴) (۷۴۵) (۷۴۶) (۷۴۷) (۷۴۸) (۷۴۹) (۷۵۰) (۷۵۱) (۷۵۲) (۷۵۳) (۷۵۴) (۷۵۵) (۷۵۶) (۷۵۷) (۷۵۸) (۷۵۹) (۷۶۰) (۷۶۱) (۷۶۲) (۷۶۳) (۷۶۴) (۷۶۵) (۷۶۶) (۷۶۷) (۷۶۸) (۷۶۹) (۷۷۰) (۷۷۱) (۷۷۲) (۷۷۳) (۷۷۴) (۷۷۵) (۷۷۶) (۷۷۷) (۷۷۸) (۷۷۹) (۷۸۰) (۷۸۱) (۷۸۲) (۷۸۳) (۷۸۴) (۷۸۵) (۷۸۶) (۷۸۷) (۷۸۸) (۷۸۹) (۷۹۰) (۷۹۱) (۷۹۲) (۷۹۳) (۷۹۴) (۷۹۵) (۷۹۶) (۷۹۷) (۷۹۸) (۷۹۹) (۸۰۰) (۸۰۱) (۸۰۲) (۸۰۳) (۸۰۴) (۸۰۵) (۸۰۶) (۸۰۷) (۸۰۸) (۸۰۹) (۸۱۰) (۸۱۱) (۸۱۲) (۸۱۳) (۸۱۴) (۸۱۵) (۸۱۶) (۸۱۷) (۸۱۸) (۸۱۹) (۸۲۰) (۸۲۱) (۸۲۲) (۸۲۳) (۸۲۴) (۸۲۵) (۸۲۶) (۸۲۷) (۸۲۸) (۸۲۹) (۸۳۰) (۸۳۱) (۸۳۲) (۸۳۳) (۸۳۴) (۸۳۵) (۸۳۶) (۸۳۷) (۸۳۸) (۸۳۹) (۸۴۰) (۸۴۱) (۸۴۲) (۸۴۳) (۸۴۴) (۸۴۵) (۸۴۶) (۸۴۷) (۸۴۸) (۸۴۹) (۸۵۰) (۸۵۱) (۸۵۲) (۸۵۳) (۸۵۴) (۸۵۵) (۸۵۶) (۸۵۷) (۸۵۸) (۸۵۹) (۸۶۰) (۸۶۱) (۸۶۲) (۸۶۳) (۸۶۴) (۸۶۵) (۸۶۶) (۸۶۷) (۸۶۸) (۸۶۹) (۸۷۰) (۸۷۱) (۸۷۲) (۸۷۳) (۸۷۴) (۸۷۵) (۸۷۶) (۸۷۷) (۸۷۸) (۸۷۹) (۸۸۰) (۸۸۱) (۸۸۲) (۸۸۳) (۸۸۴) (۸۸۵) (۸۸۶) (۸۸۷) (۸۸۸) (۸۸۹) (۸۹۰) (۸۹۱) (۸۹۲) (۸۹۳) (۸۹۴) (۸۹۵) (۸۹۶) (۸۹۷) (۸۹۸) (۸۹۹) (۹۰۰) (۹۰۱) (۹۰۲) (۹۰۳) (۹۰۴) (۹۰۵) (۹۰۶) (۹۰۷) (۹۰۸) (۹۰۹) (۹۱۰) (۹۱۱) (۹۱۲) (۹۱۳) (۹۱۴) (۹۱۵) (۹۱۶) (۹۱۷) (۹۱۸) (۹۱۹) (۹۲۰) (۹۲۱) (۹۲۲) (۹۲۳) (۹۲۴) (۹۲۵) (۹۲۶) (۹۲۷) (۹۲۸) (۹۲۹) (۹۳۰) (۹۳۱) (۹۳۲) (۹۳۳) (۹۳۴) (۹۳۵) (۹۳۶) (۹۳۷) (۹۳۸) (۹۳۹) (۹۴۰) (۹۴۱) (۹۴۲) (۹۴۳) (۹۴۴) (۹۴۵) (۹۴۶) (۹۴۷) (۹۴۸) (۹۴۹) (۹۵۰) (۹۵۱) (۹۵۲) (۹۵۳) (۹۵۴) (۹۵۵) (۹۵۶) (۹۵۷) (۹۵۸) (۹۵۹) (۹۶۰) (۹۶۱) (۹۶۲) (۹۶۳) (۹۶۴) (۹۶۵) (۹۶۶) (۹۶۷) (۹۶۸) (۹۶۹) (۹۷۰) (۹۷۱) (۹۷۲) (۹۷۳) (۹۷۴) (۹۷۵) (۹۷۶) (۹۷۷) (۹۷۸) (۹۷۹) (۹۸۰) (۹۸۱) (۹۸۲) (۹۸۳) (۹۸۴) (۹۸۵) (۹۸۶) (۹۸۷) (۹۸۸) (۹۸۹) (۹۹۰) (۹۹۱) (۹۹۲) (۹۹۳) (۹۹۴) (۹۹۵) (۹۹۶) (۹۹۷) (۹۹۸) (۹۹۹) (۱۰۰۰) (۱۰۰۱) (۱۰۰۲) (۱۰۰۳) (۱۰۰۴) (۱۰۰۵) (۱۰۰۶) (۱۰۰۷) (۱۰۰۸) (۱۰۰۹) (۱۰۱۰) (۱۰۱۱) (۱۰۱۲) (۱۰۱۳) (۱۰۱۴) (۱۰۱۵) (۱۰۱۶) (۱۰۱۷) (۱۰۱۸) (۱۰۱۹) (۱۰۲۰) (۱۰۲۱) (۱۰۲۲) (۱۰۲۳) (۱۰۲۴) (۱۰۲۵) (۱۰۲۶) (۱۰۲۷) (۱۰۲۸) (۱۰۲۹) (۱۰۳۰) (۱۰۳۱) (۱۰۳۲) (۱۰۳۳) (۱۰۳۴) (۱۰۳۵) (۱۰۳۶) (۱۰۳۷) (۱۰۳۸) (۱۰۳۹) (۱۰۴۰) (۱۰۴۱) (۱۰۴۲) (۱۰۴۳) (۱۰۴۴) (۱۰۴۵) (۱۰۴۶) (۱۰۴۷) (۱۰۴۸) (۱۰۴۹) (۱۰۵۰) (۱۰۵۱) (۱۰۵۲) (۱۰۵۳) (۱۰۵۴) (۱۰۵۵) (۱۰۵۶) (۱۰۵۷) (۱۰۵۸) (۱۰۵۹) (۱۰۶۰) (۱۰۶۱) (۱۰۶۲) (۱۰۶۳) (۱۰۶۴) (۱۰۶۵) (۱۰۶۶) (۱۰۶۷) (۱۰۶۸) (۱۰۶۹) (۱۰۷۰) (۱۰۷۱) (۱۰۷۲) (۱۰۷۳) (۱۰۷۴) (۱۰۷۵) (۱۰۷۶) (۱۰۷۷) (۱۰۷۸) (۱۰۷۹) (۱۰۸۰) (۱۰۸۱) (۱۰۸۲) (۱۰۸۳) (۱۰۸۴) (۱۰۸۵) (۱۰۸۶) (۱۰۸۷) (۱۰۸۸) (۱۰۸۹) (۱۰۹۰) (۱۰۹۱) (۱۰۹۲) (۱۰۹۳) (۱۰۹۴) (۱۰۹۵) (۱۰۹۶) (۱۰۹۷) (۱۰۹۸) (۱۰۹۹) (۱۱۰۰) (۱۱۰۱) (۱۱۰۲) (۱۱۰۳) (۱۱۰۴) (۱۱۰۵) (۱۱۰۶) (۱۱۰۷) (۱۱۰۸) (۱۱۰۹) (۱۱۱۰) (۱۱۱۱) (۱۱۱۲) (۱۱۱۳) (۱۱۱۴) (۱۱۱۵) (۱۱۱۶) (۱۱۱۷) (۱۱۱۸) (۱۱۱۹) (۱۱۲۰) (۱۱۲۱) (۱۱۲۲) (۱۱۲۳) (۱۱۲۴) (۱۱۲۵) (۱۱۲۶) (۱۱۲۷) (۱۱۲۸) (۱۱۲۹) (۱۱۳۰) (۱۱۳۱) (۱۱۳۲) (۱۱۳۳) (۱۱۳۴) (۱۱۳۵) (۱۱۳۶) (۱۱۳۷) (۱۱۳۸) (۱۱۳۹) (۱۱۴۰) (۱۱۴۱) (۱۱۴۲) (۱۱۴۳) (۱۱۴۴) (۱۱۴۵) (۱۱۴۶) (۱۱۴۷) (۱۱۴۸) (۱۱۴۹) (۱۱۵۰) (۱۱۵۱) (۱۱۵۲) (۱۱۵۳) (۱۱۵۴) (۱۱۵۵) (۱۱۵۶) (۱۱۵۷) (۱۱۵۸) (۱۱۵۹) (۱۱۶۰) (۱۱۶۱) (۱۱۶۲) (۱۱۶۳) (۱۱۶۴) (۱۱۶۵) (۱۱۶۶) (۱۱۶۷) (۱۱۶۸) (۱۱۶۹) (۱۱۷۰) (۱۱۷۱) (۱۱۷۲) (۱۱۷۳) (۱۱۷۴) (۱۱۷۵) (۱۱۷۶) (۱۱۷۷) (۱۱۷۸) (۱۱۷۹) (۱۱۸۰) (۱۱۸۱) (۱۱۸۲) (۱۱۸۳) (۱۱۸۴) (۱۱۸۵) (۱۱۸۶) (۱۱۸۷) (۱۱۸۸) (۱۱۸۹) (۱۱۹۰) (۱۱۹۱) (۱۱۹۲) (۱۱۹۳) (۱۱۹۴) (۱۱۹۵) (۱۱۹۶) (۱۱۹۷) (۱۱۹۸) (۱۱۹۹) (۱۲۰۰) (۱۲۰۱) (۱۲۰۲) (۱۲۰۳) (۱۲۰۴) (۱۲۰۵) (۱۲۰۶) (۱۲۰۷) (۱۲۰۸) (۱۲۰۹) (۱۲۱۰) (۱۲۱۱) (۱۲۱۲) (۱۲۱۳) (۱۲۱۴) (۱۲۱۵) (۱۲۱۶) (۱۲۱۷) (۱۲۱۸) (۱۲۱۹) (۱۲۲۰) (۱۲۲۱) (۱۲۲۲) (۱۲۲۳) (۱۲۲۴) (۱۲۲۵) (۱۲۲۶) (۱۲۲۷) (۱۲۲۸) (۱۲۲۹) (۱۲۳۰) (۱۲۳۱) (۱۲۳۲) (۱۲۳۳) (۱۲۳۴) (۱۲۳۵) (۱۲۳۶) (۱۲۳۷) (۱۲۳۸) (۱۲۳۹) (۱۲۴۰) (۱۲۴۱) (۱۲۴۲) (۱۲۴۳) (۱۲۴۴) (۱۲۴۵) (۱۲۴۶) (۱۲۴۷) (۱۲۴۸) (۱۲۴۹) (۱۲۵۰) (۱۲۵۱) (۱۲۵۲) (۱۲۵۳) (۱۲۵۴) (۱۲۵۵) (۱۲۵۶) (۱۲۵۷) (۱۲۵۸) (۱۲۵۹) (۱۲۶۰) (۱۲۶۱) (۱۲۶۲) (۱۲۶۳) (۱۲۶۴) (۱۲۶۵) (۱۲۶۶) (۱۲۶۷) (۱۲۶۸) (۱۲۶۹) (۱۲۷۰) (۱۲۷۱) (۱۲۷۲) (۱۲۷۳) (۱۲۷۴) (۱۲۷۵) (۱۲۷۶) (۱۲۷۷) (۱۲۷۸) (۱۲۷۹) (۱۲۸۰) (۱۲۸۱) (۱۲۸۲) (۱۲۸۳) (۱۲۸۴) (۱۲۸۵) (۱۲۸۶) (۱۲۸۷) (۱۲۸۸) (۱۲۸۹) (۱۲۹۰) (۱۲۹۱) (۱۲۹۲) (۱۲۹۳) (۱۲۹۴) (۱۲۹۵) (۱۲۹۶) (۱۲۹۷) (۱۲۹۸) (۱۲۹۹) (۱۳۰۰) (۱۳۰۱) (۱۳۰۲) (۱۳۰۳) (۱۳۰۴) (۱۳۰۵) (۱۳۰۶) (۱۳۰۷) (۱۳۰۸) (۱۳۰۹) (۱۳۱۰) (۱۳۱۱) (۱۳۱۲) (۱۳۱۳) (۱۳۱۴) (۱۳۱۵) (۱۳۱۶) (۱۳۱۷) (۱۳۱۸) (۱۳۱۹) (۱۳۲۰) (۱۳۲۱) (۱۳۲۲) (۱۳۲۳) (۱۳۲۴) (۱۳۲۵) (۱۳۲۶) (۱۳۲۷) (۱۳۲۸) (۱۳۲۹) (۱۳۳۰) (۱۳۳۱) (۱۳۳۲) (۱۳۳۳) (۱۳۳۴) (۱۳۳۵) (۱۳۳۶) (۱۳۳۷) (۱۳۳۸) (۱۳۳۹) (۱۳۴۰) (۱۳۴۱) (۱۳۴۲) (۱۳۴۳) (۱۳۴۴) (۱۳۴۵) (۱۳۴۶) (۱۳۴۷) (۱۳۴۸) (۱۳۴۹) (۱۳۵۰) (۱۳۵۱) (۱۳۵۲) (۱۳۵۳) (۱۳۵۴) (۱۳۵۵) (۱۳۵۶) (۱۳۵۷) (۱۳۵۸) (۱۳۵۹) (۱۳۶۰) (۱۳۶۱) (۱۳۶۲) (۱۳۶۳) (۱۳۶۴) (۱۳۶۵) (۱۳۶۶) (۱۳۶۷) (۱۳۶۸) (۱۳۶۹) (۱۳۷۰) (۱۳۷۱) (۱۳۷۲) (۱۳۷۳) (۱۳۷۴) (۱۳۷۵) (۱۳۷۶) (۱۳۷۷) (۱۳۷۸) (۱۳۷۹) (۱۳۸۰) (۱۳۸۱) (۱۳۸۲) (۱۳۸۳) (۱۳۸۴) (۱۳۸۵) (۱۳۸۶) (۱۳۸۷) (۱۳۸۸) (۱۳۸۹) (۱۳۹۰) (۱۳۹۱) (۱۳۹۲) (۱۳۹۳) (۱۳۹۴) (۱۳۹۵) (۱۳۹۶) (۱۳۹۷) (۱۳۹۸) (۱۳۹۹) (۱۴۰۰) (۱

صفحہ ۳۲

(۱) اس عریضہ کے جواب میں نواب خلد آشیان نے ۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۲ھ و ۱۱۷۰ گرت ۱۸۶۵ء کو تحریر فرمایا:۔۔۔ بصحیفہ لطف آگئیں بچلا صد کی بارش باران رحمت درآں نواح و استند را کہ خیریت مزاج را تم مع قطعہ دعا بیہ غارہ آرا کی چہرہ و عیون نشاء منقول گردیدہ برینہا مطلع نمود و ترسیل قطعہ مذکورانہ مزید الطاف فرمایا تصور رسد شدہ۔ مشفقاً! سابق از میں فی الحقیقہ طبعیت را تم بجارندہ بخیر چیزی کسکند شدہ بود، لیکن حالات بعنایت الہی مزاج مخلص خوش و خرم است۔ ہندوئی مبلغ دو صدر و پیہ برای آن مشفق، کہ بتقریب صحت از عارضہ لاحقہ بدگیر صاحبان متحقق نیز از میں سرکارہ عنایت شدہ بود، معطوف رفیقہ الوداد نیز بطریق عنایات سمت تبلیغ یافتہ۔۔۔ میرزا صاحب کا یہ قطعہ دعا بیہ "غالب نامہ" کے دوسرے ایڈیشن میں محمد اکرم صاحب نے چھاپ دیا ہے۔

صفحہ ۳۱

(۱) میرزا صاحب نے اس جگہ کے علاوہ مکتوب نمبر ۹۰ میں بھی نون غنہ لکھا ہے۔
(۲) اس سے نامہ غالب مراد ہے۔ میرزا صاحب نے فارسی لغت کی مشہور کتاب "برہان قاطع" کے بعض افلاط پر مشتمل ایک رسالہ مسیحی بہ "قاطع برہان" ۱۱۷۰ء و ۱۸۵۹ء میں تصنیف کر کے نواب فردوس مہکاں کی امداد سے شائع کیا تھا۔ اس میں رود و زح کا جو ڈھنگ اختیار کیا گیا تھا وہ غیر عالمانہ ہی نہیں، کسی قدر سو قیاس بھی تھا۔ چنانچہ مشہور محمد عباس لکھنوی نے بھی جو میرزا صاحب کے حامیوں میں تھے، ان کے ایک خط کے جواب میں قاطع برہان نام کی درستی و لطف ظاہر کرتے ہوئے لکھا تھا:۔۔۔ "معنی صاف ہیں، معترض نا الصاف ہیں۔ لطف یہ ہے کہ خود نام سے نام پیدا ہے، کہ اس نے برہان قاطع کو الٹا ہے۔ ان دونوں کا ایک نمط پر جو ناجای قابل وغیرہ ہے۔ ظاہر اس کا مطلب اور آپ کا مقصد اویس ہے۔ قطع کے معنی کٹنے کے اور یقین کے بھی آتے ہیں اس نے غالباً معنی ثانی مراد لئے ہیں اور آپ معنی اول استعمال میں لائے ہیں۔ بہر صورت برہان کی طرف ظاہرہ قاطع کی اضافت ہے، اور اس ترکیب میں سراسر لٹا منت ہے۔ اس میں کچھ شک و ریب نہیں، کہ ایہام میں حسن ہے، کچھ عیب نہیں۔ لیکن تعصیر معانی سے ظرافت نہ بگڑی تھی، یہ کیا کیا درستی نے آفت کو برپا کیا۔
اصحف الناس، عباس، (بیاض تلمی مملوکہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب) پر ہندوستانی تقلید کے دلدادہ ہیں، اور کچھ اس کا اندازہ تحریر دل آزار تھا، کتاب کے شائع ہونے پر مخالفت کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ برہان کے حامیوں نے اس کی تردید میں متعدد کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک کا نام "قاطع برہان" تھا اس کے مصنف کے متعلق میرزا صاحب مباحثہ کو لکھتے ہیں:۔۔۔ جو ایک اور کتاب کا تم نے ذکر لکھا ہے۔ وہ ایک فکے پڑھانے والے ملائی مکتب دار کا خط ہے۔۔۔۔۔ رحیم بیگ اس کا نام ہے۔ میرٹھ کا رہنے والا، کئی برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ باوجود نا بینائی کے حق بھی ہے (۱ اردو، ۲۱ و ۲۲)۔

تھے۔ جنوری سنہ ۱۸۶۵ء میں گدی پر بیٹھے۔ ۳۱ دسمبر ۱۸۶۷ء میں لاہور میں ٹکھا کر دیں کا قتل عام کرنے کے الزام میں حکومت ہند نے انہیں معزول کر دیا۔ سنہ ۱۸۶۷ء میں ریاست پٹیالہ ڈپارٹمنٹ کے زیر انتظام آگئی اور حافظ ابراہیم علی خاں بہادر نواب بنا دیے گئے۔ نواب بہمن الد ولد بہادر چلے گئے، اور ۲ سال تک مقیم رہنے کے بعد ۱۷ صفر ۱۳۱۳ھ (۱۲۸۹ گشت سنہ ۱۸۹۵ء) کو بنارس میں انتقال کیا اور ۲ مارچ ۱۸۹۱ء (۲۳) نیز ملاحظہ ہو مکتوب ۱۳۰ کا حاشیہ ۶۔

- (۷) احمد شاہ درانی ضلع ہرات کا باشندہ اور ابدال نامی قبیلہ کا ایک فرد تھا۔ ابھی بچہ ہی تھا کہ نادر شاہ اس ایران پر چڑھ گیا اور اپنی خدمت گزار برداری بھڑک گیا۔ اس نے رفتہ رفتہ فوج کے بڑے عہدے تک ترقی کر کے ۱۲ مئی سنہ ۱۷۴۷ء کو نادر شاہ کی وفات پر بنگالہ کی طرف بھاگ کر دیہاتوں اور تھوڑے عرصہ میں افغانستان، بنگالہ اور لاہور کا ہواشاہ بن بیٹھا۔ احمد شاہ نے ہندوستان پر مسند سلجھ کے۔ لیکن اس کی شاندار ترس جنگ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کے عظیم لشکر سے واقع ہوئی، جس میں احمد شاہ کا میاں ہوا اور بعد فتح شاہ عالم کو تخت و تاج ہند سونپ کر افغانستان چلا گیا۔ احمد شاہ نے ۳۶ سال حکومت کر کے سنہ ۱۱۸۶ھ (سنہ ۱۷۷۲ء) میں ۵۷ سال کی عمر میں وفات پائی، و مفتاح التواریخ ص ۷۵
- (۸) جد امجد سے نواب بد غلام محمد خاں بہادر مراد ہیں۔ احمد شاہ کے عطا کردہ خطاب کے سلسلے میں انجا الضادید (۱۷۶۷ء) ملاحظہ ہو

- (۹) میرزا صاحب کے اس خبر خواہانہ عریضے کے جواب میں نواب صاحب نے تحریر فرمایا: "..... استخصال الفاظ خطاب دستور میں ریاست بودہ است حسب الترتیب قصیدہ و سلام مذکور در دیوانہا مندرج کنایہ خواہد شد..... بہ ص ۱۲۸ مطابقت ۵ جولائی ۱۸۶۷ء" میرزا صاحب نے اس فرمان کے جواب میں حسب علی نقطہ لکھ کر ارسال کیا و بند ہیں ص ۱۲۸
- ہزار بود و ہشتاد و دو شہار گیند بحسب ضابطہ از ہجرت رسول اللہ
چہار شبہ آخر بود ز ماہ صفر کہ می در آدرم این قطبہ را بنظم بگاہ
سفیدہ سحری کا غذا است من را تم سواد صفحہ نمط، ردی بدست گالیاہ
بھی نویسم و وقت نوشتنم باشد دلی ربیم لبالب، چو لب بند گناہ
خدا کند کہ مشرت شود چو این قرطاس بہ پیش منو عالی ز بندہ و رگاہ
امیر کلب علی خاں بہادر از رہ لطف بسوی عاتب خو میں جگر گنبد نگاہ
کہاں فلک زدہ گر عرض کرد مصلحتی بزعم بندہ از خلاص بود، و رنا گاہ
خلات طبع مبارک فتاد آں تقریر بسی خطار و د از بندگان دولت خواہ
تو بادشاہ و شہنشاہ تاجدار فرنگ خطاب می طلبد بادشہ ز شاہنشاہ

چو رائی من نیزیری، ز حرم من بگزر

بجناشہ ان لا الہ الا اللہ،

صفحہ ۳۴

- (۱) میرزا صاحب نے ”اکھاڑ ڈالے“ لکھا ہے۔
 (۲) میرزا صاحب نے نواب غلام رضا خاں کو لکھتے ہیں: ”..... نواب صاحب حال بمقتضائی الدولہ بہتر لایم، حسن اخلاف میں نواب فردوس رام گاہ کے برابر، بلکہ بعض شیوہ روش میں اس سے بہتر ہیں۔ بجز دستہ نشینی کے غلہ کا حصول یک قلم معاف کیا، علی بخش خاں خاناماں کو ۳۳ ہزار روپیہ بابت مطالبہ سرکار بخش دیا.....“ (اردو: ۲۵۲) تفتہ کے نام کے خط میں مذکور تفصیل کی ہے فرماتے ہیں: ”..... نواب صاحب از روی صورت روح مجسم اور باعتبار اخلاق آیت رحمت ہیں۔ خزانہ فتنہ کے بخوددار ہیں۔ جو شخص دفتر ازل سے جو کچھ لکھو لایا ہے اس کے چنے میں دیر نہیں لگنی۔ ایک لاکھ کئی ہزار روپیہ سال غلے کا حصول معاف کر دیا۔ ایک لاکھ ہزار کا محاسبہ معاف کیا اور بیس ہزار روپیہ نقد دیا۔ فتنی نو لکھ سو روپیہ کی عری میں ہوئی، حلا صہ عری کا سن لیا۔ واسطے فتنی صاحب کے کچھ عطیہ۔ عری ستاد دی عبیدہ بخوبی پرورد ہے۔ مفدار مجھ پر نہیں تھلی“ (ایضاً: ۲۹۸)
- مخبر نواب خانہ اور بخش محمول غلہ کا ذکر اخبار الصداقہ ۲۲، ۱۸۹۲ء میں بھی کیا گیا ہے۔
 (۳) فائدہ شاہنگال ہو گیا ہے۔
 (۴) اصل: رواد

- (۵) اصل: تفسیر۔ لیکن از روی قواعد یہاں بصیغہ جمع استعمال کرنا ضروری تھا۔ بنا بریں اسے سہو قلم پر محمول کر کے متن میں اصلاح کر دی گئی ہے۔
 (۶) پیر عیسیٰ مسافر کے ہمراہ بھی گئی تھی، اس لئے لفافے کی عبارت دونوں متعلق شمار کی جائے

صفحہ ۳۸

- (۱) محمولہ بالا فرماں کا اقتباس عریضہ ۲۶ کے حاشیے میں دیا جا چکا ہے
 (۲) یہ تفسیر عریضہ ۲۶ کے حاشیے میں درج ہو چکا ہے۔
 (۳) کلیات فارسی کے راہپوری نسخے میں اسکا اندراج نہیں ہے، حالانکہ جوابی ذراں، مؤرخ ۱۵ جولائی، میں سرکار نے اس کا وعدہ فرمایا تھا۔
- (۴) اصل: بوڑھے مگر اس لفظ کو جون سنہ ۶۶ء کے عریضے کے ساتھ والی غزل میں ”بوڑھا“ لفظ کے ساتھ لکھا ہے جس سے یہ نتیجہ نکالنا بیجا نہ ہوگا کہ آخر میں سرکار نے تلفظ اور ملا دونوں بدل لئے تھے
- (۵) سفر کی تفصیل کے لئے دیکھا جائے ملاحظہ ہو۔ یہاں اس قدر لکھ دینا کافی ہوگا کہ سرکار ۱۱ اکتوبر سنہ ۱۸۶۵ء کو دہلی سے عازم رام پور ہوئے۔ اور جنوری سنہ ۱۸۶۶ء کو واپس دہلی پہنچے (اردو: ۲۴۳)
- (۶) نواب یحییٰ الدولہ دہلی ملک محمد علی خاں بہادر مولت جنگ ریاست ٹونک کے نواب

نظمی زیاد کرم از شما؛ بلاشبہ
نظر جستگی و پیرمائی و تپید سنی
شعار غالب آزادہ جز دعا بود
بہ دہر تا بود آئین کہ در نوا آرند
بہ بزم عیش تو ناہید باد ز مرزہ سنج
محباز لطف تو بالندہ، چون نوا رہا!
میں نے اس نصیب سے کا مقابلہ ایک نلی درن سے بھی کیا، جو سکیم، امور
مرحوم کے پاس تھا۔ ان کا خیال تو یہ تھا کہ یہ وہی برہمہ کا عذ ہے جس کو خود غالب نے
میر عو قن علی خوشنویس کو بھیجا تھا، تاکہ میر کا یہاں پس کرنے کے لئے اس کی تحفہ
نقل کر دے۔ لیکن اس کا خط میرزا صاحب کا نہیں ہے۔ اس خاکہ پر میں یہ گمان کرتا ہوں
کہ کسی نے راجپور بھیجی ہوئی اصل سے نقل کیا ہے۔ جو کہ اس کے نوادرات حکم مرحوم کو، میر عیانی
کے یہاں سے دستا بھوے تھے، کہا جاتا ہے کہ یہ نقل علی اس میں کے لئے کیا گیا ہو۔ اس
میں جزئی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً مصرع - اسر زندہ دل آں دانی دلایت نظم، کو عالم
قلم و نظم کے ساتھ لکھا ہے۔ یہ اس کا شوق ہے کہ نصیبہ مذکور میرزا صاحب ہی کے ہونے کی نقل
ہے، ورنہ دوسرا شخص شعر میں اتنا فخر بھی نہ کرتا۔

نواب خلد شاہ نے ۱۶ محرم الحرام سنہ ۱۲۸۲ھ ۱۱ دسمبر ۱۸۶۵ء کو اس نصیبہ
کے متعلق تحریر فرمایا: "..... و قطعہ سانی مجیدہ سلب آئیں، اول مع نصیبہ نہایت
مستثنیٰ راقم بردیاست موروثی ملک راجپور و تانی مع سلام من نصیبہ جناب مغرب آباد
نواب صاحب و نقلہ فردوس مکاں در اسعد از مرہ آئیں ریز دامن وصول فرج سمول گشتہ
..... جذا نصیبہ کلامی مدحت مضامین سرحدہ و معانی دل نشہ اش را رستہ، مزہم کنیدن
آب در با بیل پیودن است و شہ از توصیف فصاحت و ملافت آں محبہ مخرب در آوردن
نوابت و مبارہ را نہ سنج انگشت سردن در نیلانی نواب مرزا اعظم سانی با پی طوت
مسموع گشتہ، موجب کمال سر تھاہست، چہ اگر ارم مزہمتی ملاقات شریف است و ادقائی
شہ لیدی فرانی بزدی ہر چہ تمام تر باہم وصال مہل گزاندہ،
یہ خط میرزا صاحب کو، ۱ جون کو موصول ہوا۔ ۱۸ جون کو انھوں نے اس کا جواب
تحریر کیا جو نمبر (۲۹) پر درج ہے۔

(۴) میرزا صاحب نے مد ساتھ، لکھا ہے۔

(۵) اس شعر کو میرزا صاحب نے اپنے دو شعر دے کے ایک ایک مصرع سے بنا لیا ہے۔ وہ
دونوں شعر پچھلے ادوار پندہ عریضوں میں بار بار دہرائے جا چکے ہیں۔

(۶) لفظ پر، ۲ مئی سنہ ۱۸۶۵ء درج ہے اور اس کی پشت پر لکھا ہے، دو خط در سید نصیبہ
و سلام بر سہ نوشتہ شہ و المرقوم ۵ محرم سنہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۲۱ مئی سنہ ۱۸۶۵ء

(۲۰) یہ رباعی جدا ورق پر لکھ کر میرزا صاحب نے مکتوب ۵۴ کے ساتھ منسلک کر دی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال ۶۷۰ مئی کو بکریہ ہوئی تھی۔

(۲۱) فقیدہ تنہیت مثل میں نہیں پایا جاتا، یہاں عدد ہندی ۱۷۱۱، اور سبب چیں (ص ۱۳) سے نقل کیا جاتا ہے۔

بشکل کلب علی خاں دگر نمود ظہور
کہ رشک بر کلکش دارد افسر فخور
نگاہ فردی، از ردی مہر باید نمود
چو خیل نمود، دود بر ورقِ حرمت سطور
با طبر مکش، کارگاہ سورد و سورد
بہ بزم عشق ہمیں، ہم پیالہ منصور

بحسب ضابطہ جاہ، آفتاب ظہور
ز راہ قاعدہ، مخرج آسمان داہ نور
بود ہمیشہ بہ فغان وی مہر آب ظہور
تو شاہ کفور حسن و خرد ترا دستور
ثوابت کہہ چرخ ششمیں مزدور
تفاخور تو اسطر بد رس گاہ شہور۔

نہ پیہ گاہ و بکار آدرند فی کافور
بجای موم بر آبدار حسانہ زہور
ز بہر فائزہ آئی اگر لبوی قنور
کہ از درد تو ہر مردہ رقص اندر گور
کہ ای برجم و کرم در جہانیاں مشہور
بر ابر کام دل بد سنگال از ساطور
توئی بعلم کشائندہ عقد و صدور
چنانکہ از لب داؤد استماع زہور

غیاں چو سنج فرد زندہ در شپ و بخور
بگنج خانہ گنجہ نظامیش گنجور
رسیدن تو بدین اوج بعد آن لغور
تو باش والی ردی ز بس قرون و دور
ولی بجر صفتا دعا نیم معذور
نبود می بعیم دوری ذر تو صبور
بغیبت است مراد عوی دوا حضور
مباد، رنجہ شوی از لطفارہ رنجور
دلی بسینہ بسی تنگ تر ز دیدہ مور

تخلی کہ زموسئی ربود ہوش بطور
خجستہ سرور سلطان شکوہ و اناز
ہوای لطف وی، از جان خیر و خوش
دم نگارش وصف کلام تنیر پیش
فضای رز نگہش، شاہ راہ تہر غضب
سخوان مخرج ہمیں، ہموالہ شہلی

زردی را بطہ حسن، باہتاب جمال
بحکم مرتبہ او عالم و فلک محکوم
چو آب جل رودانی کہ ایستد بخاک
تر ہی وزیر خوشی شہر یار دانا دل
بنائی منظر جاہ ترا، ز حل معر
شمار تو سکندر بہ بار جای حلال

برای بزم نشاط تو شمع چوں ریزند
ز قبض نسبت خلق تو، عنبر آرا
مدیں خرام و بدیں قامت و بدیں قرار
جہان جانی و جان جہاں، عجیبہ
بہ پیش گاہ تو، زانوی زندان صاف
در انتقام کشتی شہوہ کرم نگزار
توئی لحفل فراہینہ عروج علوم
صبر خامہ من بین کہ میر باید دل

سوادہ من بین و تابش معنی
امیر زندہ دل، آل دالی ولایت نظم
غروب ہر و طلوع میرہ و ہفتہ بود
چو او بزمیز میں رفت آل ولایت یافت
بہ سخن رسیدم زنا تو انائی۔
بخاک پائی تو اگر دست گاہ داشتی
من آں گم کہ از افراط و رزش خلاص
توئی رحیم دل و من سقیم، دوری بہ
کفنی بدست ہی تر ز کیسہ دلاک

کفنی بدست ہی تر ز کیسہ دلاک

پیری و پستی خدا کی پناہ۔ درست خالی و خاطر عنکبیں
صرف اظہار ہے ارادت کا ہے قلم کی جو سجدہ ریز میں
مح گستر نہیں، دعا گو ہے غالب عاجز نیاز آگیں
ہے دعا بھی پی کہ دنیا میں تم رہو زندہ جاوہاں آہیں
دیوان غالب اردو کے طاہر ایڈیشن میں بھی یہ قصیدہ شائع ہو چکا ہے۔

صفحہ ۳۳

(۱) اس نثر کی رسید میں ۵ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ھ (۳ اپریل سنہ ۱۸۶۵ء) کو نواب صاحب نے تحریر فرمایا۔ نثر نثرہ نثار آپ کی الٹی۔ جشن صحت کی مسرت بڑھائی۔ زبان خامہ کو مجال صفت نہیں۔ خامہ زبان کو یارائی مدحت نہیں۔ سچ یہ ہے کہ آپ کی ذات ہر کمال میں فرد کا مل ہے ہر فقرے میں نعت سبحانی حاصل ہے۔ انصاف کی تو یہ بات ہے کہ یہ تحریر ہمیں کرامات ہے۔ اس جشن میں اگرچہ لفظ ہر آپ شریک نہیں ہوئے، مگر میرے نزدیک شریک غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ صحت و قوت عطا فرمائے۔ مشتاقوں کو لطف بجا دست ہاتھ آئے۔ دست۔ عالمذہب۔ نوب صحت کی طبیعت آرزو مند ہے۔ حال اپنا اکثر لکھتے رہتے۔ زیادہ متوق ہے۔ میرزا صاحب کے خط کے لفافے پر امیر مینائی نے لکھا ہے: ”بندہ نواز منشی سیلچند صاحب، حسب الامر سرکار مسودہ جواب خط مرزا اوشہ صاحب نوشتہ خدمت میفرستم۔ حسب ضابطہ روانہ بایر سرمد۔ امیر فقیر، اخبار الصنا دید ۲۰، ۲۳۔ معلوم ہوتا ہے کہ حسب نجویز صاحبزادہ سید کاظم علی خاں بہادر عرف چھوٹے صاحب، باغ بے نظیر میں یہ جشن منایا گیا تھا۔“

صفحہ ۳۳

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب عرائض کے لفاظوں پر لکھا کرتے تھے

صفحہ ۳۳

(۱) ۲۳ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ھ (۲۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ء) کو جمع کے دن نصیب النہار کے وقت نواب فردوس مکاں نے انفعال کیا۔ نہ خرد نہ سنت اثر دلی پہنچی تو میرزا صاحب نے نواب خلد آشتیاں کے نام ۲۷ ماہ اپریل کو ایک عریضہ لکھا۔ اصل تحریر مثل میں موجود نہیں، فقہ کے نام کے مکتوب سے جو ۱۲ مئی سنہ ۱۸۶۵ء کو لکھا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عریضہ تعزیت و فوات اور تنہیت جلوس پر مشتمل تھا۔ فرماتے ہیں: رامپور سے اپریل کے مہینے کا روہیہ اور تعزیت و تنہیت کے خط کا جواب آگیا۔ آئندہ جو خدا چاہے۔

... بحجۃ مندرجہ مورخہ، ۲ ماہ گذشتہ اسی مخلص وصول الطائر اردو ہما فیہا مطلع نمود مشفقاً! آنچہ مشاہیر آن کرم نثار عہد و اصحاب و قبلہ فردوس یہاں مقرراست، انشاء اللہ تعالیٰ پسند جاری ماند حسب ضابطہ بامی خیرت سید خواہ ماند، اس کو بیکر کے ۱۷ اپریل کی تنخواہ کی ہڈی کا ذکر کر لے میرزا صاحب کا عریضہ اسی فرماں کی رسید ہے۔

میرزا صاحب کا قصیدہ حسب ذیل ہے

عید شوال و ماہ فردر دیں
 ماہ و سال، انشرف شہور دیش
 لیک بیش از سہ ہفتہ بعدیش
 جا بجا مجلسیں ہوئیں رنگیں
 باغ میں سو بسو گل و نسریں
 باغ گو یا نگار خانہ چیں
 جمع ہر گز ہوئے نہ ہولے کہیں
 منعقد محفل نشا طقربیں
 روتق انزای مسد تمکیں
 رزمگہ میں جولفت شیر کیں
 خیر خواہ جناب، دولت و دیں
 جن کی غائم کا آفتاب نکلیں
 آسماں سے گدائی سایہ نشیں
 نہ ہوئی ہو کبھی بردی ز میں
 نورے، ماہ باغ عریں
 ہے وہ بالائے سطح چرخ بریں
 یہ ضیا بخش چشم اہل یقیں
 کہ جہاں گدیہ گر کا نام نہیں
 نزالہ آسائے ہیں در آئیں
 جلوہ لولیان ماہ جلیں
 یاں وہ دیکھا بہ چشم صوت ہیں
 بہ کمال مجلس و تزیین
 اور ماں بیری ہے دامن زہیں
 بنگیا دشت دامن گل چیں
 رہ رددوں کے مقام عطر آئیں
 فوج کا ہر پناہ ہے فرز ہیں
 جس طرح ہے سپہر پر یو ہیں
 راں پر داغ تازہ دیکھ دیں
 خاص بہرام کا ہے زیب سہیں
 مدعا عرض فن شعر نہیں
 گر کہوں کمی تو آئے کس کو پیش
 ہو گیا ہوں نزار دزار و جز ہیں

مرجبا سال سرخی آئیں
 شنب و روز افتخار لیل و نہار
 گرچہ ہے بعد عید کے نوروز
 سواں آئیں دن میں ہوئی کی
 شہر میں کو بکو عبیر و گلال
 شہر گو یا نمونہ گلزار
 بین تیو ہار اور ایسے خوب
 پھر ہوئی ہے اسی چینی میں
 فضل غسل صحت نواب
 بزمگہ میں، امیر شاہ نشاں
 پیشگاہ حضور، شوکتنا دجاہ
 جن کی مسند کا آسماں گوشہ
 جن کی دیوار قصر کے نیچے
 دہر میں اس طح کی بزم سرور
 انجلیں چرخ، گوہر آگس فرش
 راجہ اندر کا جو اکھاڑ ہے
 وہ نظر گاہ اہل دہم و خیال
 واں کہاں بہ عطا و بذل و کرم
 پاں زمیں پر نظر جہاں تک جائے
 نعمہ مطربان رہسہ نوا
 اس اکھاڑے میں جو کہ ہے مطلوب
 سرور ہر سر ہوا جو سوار
 سب نے جا ما کہ ہے پری نوسن
 نقش سم سمندر سے بک سر
 فوج کی گرد راہ مشک نشاں
 لکے بخنی ہے فوج کو عیش
 موکب خاص یوں زمین پر تھا
 چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام
 اور داغ آب کی سلامی کا
 بندہ یرور، تینا طسرازی سے
 آپ کی مدح اور میرا منہ
 اور بکیر اب کر ضعف ہری سے

اندک زخم اندمالی ہونے کو باقی ہے۔ غالب ہے کہ دس بارہ دن میں مریم لگانا موفوف ہو جائے۔ آپکا بدیہ مسئلہ اکثر نقل محفل رہتا ہے جو کتب خانہ دار فتنہ ہو جائے ہے سچ ہے ایسے لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں، ہزاروں برس فلک چرخ لگاتا ہے۔ تب کہیں ایک شخص اس کمال کا پیدا ہوتا ہے۔ (لہم) بصحت و عافیت طول عمر عطا کرنے، اور نادیر گاہ اہل جہاں آپ کی ذات سے سفید ہو کر رہیں۔ باقی خیریت۔

صفحہ ۳

(۱) یہ انگریزی لفظ "کیمپ" سے بنایا گیا ہے۔ کیمپ، معنی ہیں یڑاؤ۔ بعض پرانے بزرگ

کیمپ بھی بولتے اور لکھتے تھے۔
(۲) اصل: ہریک۔ لیکن یہ سہو قلم ہے۔

صفحہ ۳۱

(۱) میرزا صاحب نے "تو نگر" لکھا ہے۔

(۲) اس سے یہ شبہ نہ ہو کہ میرزا صاحب علم نجوم کے عالم تھے۔ انھوں نے خود سرور بارہوی کو لکھا ہے: "ستحول آفتاب بہ حمل کے باب میں موٹی بات یہ ہے کہ ۲۲ مارچ کو واقع ہوتی ہے۔ کبھی ۲۱ اور کبھی ۲۳ بھی آبرنی ہے۔ اس سے تجاوز نہیں رہا طالع وقت ستحول درست کرتا ہے کتب نق اور مبلغ علم ممکن نہیں۔ میرے پاس یہ دونوں ہا میں نہیں۔" (اردو لاہور ایڈیشن: ۱۰۲)

(۳) میرزا صاحب نے یہاں ہمزہ لکھا ہے۔

صفحہ ۳۲

(۱) میرزا صاحب نے ہمزہ لکھا ہے۔

(۲) میرزا صاحب نے اس لفظ کو "ہولناک" لکھ دیا ہے۔

(۳) قطعہ تاریخ غسل عرفہ (۳۹) کے حاشیہ میں درج کیا جا چکا ہے۔ قصیدہ تہنیت جو منشی سیل چند کے نام کے خط مورخہ ۱۹ جوری سنہ ۱۲۷۵ھ کے مطابق، شعبان سنہ ۸۱ھ

۸ جنوری سنہ ۱۶۶۵ء اور ۲۵ رجب ۲۵۱ھ ستمبر سنہ ۱۶۷۴ء کے درمیان لکھا گیا تھا، مثل میں شامل نہیں ہے۔ لیکن اردو دیوان غالب مع مترج لفظی و مطبوعہ نظامی پریس

بدایوں ۱۹۲۲ء کے صفحات ۳۳۳-۲۴۴ پر ایک قصیدہ پایا جاتا ہے، جو نواب سعید الدین احمد خاں طالب مرحوم، جاگیردار ریاست لوہارو سے رسالہ کمال، دہلی کو حاصل ہوا تھا اور اس کی اشاعت جنوری سنہ ۱۹۱۱ء مولانا لطیف نے نقل کیا ہے۔ مولانا کے خیال میں یہ قصیدہ نواب خلد آشاں کے غسل صحت کی تہنیت میں لکھا گیا تھا میرے نزدیک یہ میرزا غالب کا محمولہ بالا قصیدہ ہے اس لئے کہ اس میں جشن کے

موقع پر عید نوروز، ادھولی کا جمع ہونا ذکر کیا گیا ہے۔ اور امیر مہتابی کے قطعہ تاریخ انتخاب یادگار:

۵۰، و مراۃ العیب: ۴۲، مطبع نو کھنور، کا پتور سنہ ۱۹۰۲ء سے معلوم ہوتا ہے کہ نوابوں کا یہ اجتماع نواب فردوس مہاں کے غسل صحت کے وقت ہوا تھا۔ ان کے قطعہ کا آخری مصرع ہے: "ہمیں عید کا، نوروز کا دن، روڑھت ہے۔"

میرزا صاحب سے اُن کے تعلقات شاگردانہ اور کرمیانہ تھے۔ جب انھیں علالت کی اطلاع ملی، تو بہت متردد ہوئے اور بذریعہ عریضہ بُڑا حقیقتِ مرض سے آگاہ کرنے کی درخواست کی۔ مثل میں اس عریضے کا جواب موجود نہیں۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً شدتِ مرض کے سبب جواب میں تاخیر ہوئی، اور جب اس عریضے میں میرزا صاحب کا آئندہ خط بھی موصول ہو گیا، تو دونوں کے جواب میں مرض کی حقیقت سے انھیں اطلاع دی گئی۔

صفحہ ۲۸

(۱) اصل میں یہ لفظ ٹہرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب اسے صرف ایک نئی سار کے ساتھ جلتے تھے۔

(۲) یا تو عبارت یوں ہونا چاہیے: ”اس خط کا جواب آنے کی مدت سے پہلے“ اور یا ”اس خط کے جواب کے آنے کی مدت سے پہلے“ بظاہر یہاں سہو قلم نظر آتا ہے۔

(۳) اس عریضے کے جواب میں ۱۹ نومبر کو اب صاحب نے تحریر فرمایا: ”مشفقاً! اب فضل الہی سے کچھ وڑھ لا حلف میں بہت تخفیف اور قریب الاندال لگی ہے“ عریضہ ۳۵ سے معلوم ہوا ہے کہ یہ فرمان میرزا صاحب کو ۲۶ نومبر کو موصول ہوا

صفحہ ۲۹

(۱) اشعار کو کے متعلق عریضے کے لفظی بیروٹ ہے: ”جب احکم تازج نزد مولیٰ امیر احمد منا فرستاد شد بکرم ستمبر ۱۸۶۲ء“ امیر میانی مرحوم نے انتخاب یا دگا دس ۲۵۰ میں تہمت غزل صحت کے نام سے یہ شعر درج ہیں۔

دائم شنیدہ کہ در اقصای مغرب	سرچشمہ کہ خضر شد از دی بقایزیر
جوی بریدہ اند و رواں کردہ اند آب	حمام را بجوض ازان فرخ آب گیر
سنگام شب کز ریز میں باشد آفتاب	ارتایا مہر گرم شد آں آب ناگزیر
صام حوض بنگر و گل جاش آسمان	واں راسفید کردہ فروغ مہ نیر
آند برای غسل بہ گریاہ اندر دں	مانند معی کہ دہر وی در ضمیر
اینک فراغ داختر نیک و خجہ روز	بید است ازیں سہ لفظ تازج و پیر

”سید علی“ ص ۱۵، طبع دہلی ۱۲۸۱ھ ۱۹۶۳ء میں ان کی بجائے ۲۶ شعر کا ایک قصیدہ

طبع ہوا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ میرزا صاحب نے ان میں سے سات شعر جن کو اب فروغ میں نکال کے حضور میں پیش کئے تھے۔ اب صاحب نے اس قطعے کی تعریف میں حسب ذیل گرامی نامہ ۲۴ شعبان ۱۲۸۱ھ ۲۵ جنوری سنہ ۱۸۶۵ء کو تحریر فرمایا:

”ہماری صحت کی تہنیت میں قطعہ مبارکباد کا جو آپ نے بھیجا ہے، وہ پہنچا۔ اس کے آنے سے سرورِ صحت دوبالا ہو گیا۔ ایسی نظم، ایسی تازخیں دوسرے سے کب ہو سکتی ہیں! حقاً کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثل اور عظیم النظر پیدا کیا ہے۔ جس کمال کو دیکھے اس میں آپ کی ذاتِ فرد کمال ہے۔ فی الحقیقت ہم نے اس مرض میں بڑی تکلیف اٹھائی۔ بہت اذیادائی۔ اللہ نے بڑا فضل فرمایا۔ دوستوں کی دعا کو قبول کیا۔ شفا حاصل ہو گئی ہے۔“

(۳) میرزا صاحب کا یہ جملہ غمازی کرتا ہے کہ انھیں لفٹنٹ گورنر گورنر جنرل کے میرمنٹی دونوں سے بجائی دربار کی اطلاع سن لینے کے بعد بھی یقین نہیں ہوا تھا، جس کی ظاہری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انھیں بجائی کی تحریری اطلاع نہیں دی گئی تھی، ورنہ دراز کی بات پر ناامید نہ ہوتے۔

صفحہ ۲۶

(۱) صاحب سکرتر بنہادر کے محولہ بالا خط کی نقل حسب ذیل ہے:

نقل خط جناب صاحب سکرتر بنہادر

سرنامہ

در شہر دہلی

خان صاحب بیارمہربان دوستان، مرزا اسد اللہ خاں، سلمہ اللہ تعالیٰ۔
خط برکات غذا نشاں!

خان صاحب بیارمہربان دوستان سلامت

قصیدہ باب و تاب در مدحیت خدای، ایستطاب معنی القاب و ایرای دگور زہتر بہادر، دام اقبالہ، وصول گردید، سرور ادا و آں بہربان آبی، بر جہین عقیدت ایشان تابانی فرزد، وار گرانماہ گوہر پائی بحر کیکتا سخنور معنی برورد، کہ گنج برنج بہادر بود، از نظر قبولی ہندگان نواب صاحب مدد و گشتہ اطرب برای خاطر ہمایون ایشان گشت۔ زیادہ چہ نگاشتہ آید ز دستخط انگریزی [مرقوم ۳ جولائی سنہ ۱۸۶۳ء]

یہاں یہ امر قابل اظہار ہے کہ میرزا صاحب کے اس روحانی سرور کے حصول میں ان کے ایک جسمانی عارضے نے خلل اندازی کی، ۲ مارچ سنہ ۱۸۶۳ء کو میرزا سرفراز حسین کو لکھتے ہیں: رجب کے مہینے میں سیدے ہاتھ پر ایک پھنسی ہوئی، پھنسی پھوڑا ہو گئی، پھوڑا پھوٹ کر زخم بنا، زخم بگڑ کر فار ہو گیا۔ اب بقدر یک کف دست وہ گوشت ہر دار ہو گیا۔ انہلے نہ جانے کی بھی یہی وجہ ہوئی، (۱۵۲: وی: ۱۵۲) بعد ازاں ۳ مئی کو شیونرائن کو لکھا ہے: اس پھوٹے کا برا ہوا، انہلے نہ جاسکا، (ایضاً: ۳۸۴) ٹفٹہ کو ایک حیرانہ خط میں اطلاع دی ہے: "و صاحب، ہم نے لفٹنٹ گورنر کی ملازمت اور خلعت برقعہ کمر کے انہلے کا جانا موقوف کیا، اور بڑے گورنر کا دربار اور خلعت اور وقت پر موقوف بیمار ہوں۔ ہاتھ پر ایک زخم، زخم کیا ایک فار ہو گیا ہے۔ دیکھیے انجام کار کیا ہوتا ہے!" (ایضاً: ۲۶۸) لاہور ایڈیشن سنہ ۱۹۲۶ء

آموں کی بہنگیاں ۲۹ جون سنہ ۱۸۶۴ء کو یہاں سے روانہ کی گئی تھیں۔

صفحہ ۲۷

(۱) حسین علی خاں کے لئے دیباچے کی بحث، "خاندان سبھی" ملاحظہ ہو۔

(۲) میرزا صاحب نے اس لفٹہ کا اظہار (بالکل) لکھا ہے۔

(۳) نواب فردوس مکاں اس سال عارضہ سرطان میں مبتلا ہو کر مسلسل چھ ماہ تک علیل رہے۔

غضب ہے ہے، یہ گویا تاریخ و فاسات جناب نواب گورنر جنرل لارڈ اگلن صاحب بہادر کی ہے۔ (اردو: ۲۰۵)

صفحہ ۲۵

(۱) میرزا صاحب نے ۱۳ رمضان (۱۹ مارچ سنہ ۱۲۶۳ء) کو آفتہ کے نام حسب ذیل خط لکھا ہے: ہمیشہ نواب گورنر جنرل کی سرکار سے دربار میں مجھ کو پارچے اور تین رقم جو اہر خلعت ملتا تھا۔ لارڈ کیلنگ صاحب میرا دربار اور خلعت اہند کرتے ہیں۔ نا امید ہو کر بیٹھ رہا اور مدۃ العمر کو مالوس ہو رہا۔ اب یہاں لغت گورنر پنجاب آئے ہیں جانتا تھا کہ یہ بھی مجھ سے نہ ملیں گے۔ کل اُنہوں نے مجھ کو بلا بھیجا۔ بہت سی عنایت فرمائی اور فرمایا کہ لارڈ صاحب دلی میں دربار نہ کریں گے۔ میرے ہوتے چوتھے اور میرٹ میں ان اصلاح کے علاقہ داروں اور مالگزاروں کا دربار کرتے ہوئے اہلے جائیں گے۔ دلی کے لوگوں کا دربار وہاں ہوگا۔ تم بھی اہلے جاؤ۔ شریک دربار ہو کر خلعت معمولی لے آؤ۔ بھائی، کیا کہوں کہ کیا میرے دلی پر گزری ہو یا مردہ جی اٹھا۔ مگر بسا تھا اس سرت کے یہ بھی سنا ٹانگزا کہ سامان سفر اہلہ و مصارف بے اعتبار کہاں سے لاؤں؟ اور طرہ یہ کہ نذر معمولی میری قصیدہ ہے۔ ادھر قصیدے کی فکر، ادھر روپے کی تدبیر۔ حواس ٹھکانے نہیں۔ شعر کام دل دماغ کا ہے، وہ روپے کی فکر میں یریشان۔ میرا خدا یہ مشکل بھی آسان کرے گا۔ لیکن اندوں میں نہ دن کو چین ہے، نہ رات کو قیند ہے۔ یہ کئی سطر ہیں تھیں اور ایسی ہی کئی سطر ہیں جناب نواب صاحب کو لکھ کر بھیج دی ہیں۔ جیتا رہا تو اہلے سے آکر خط لکھوں گا۔ (اردو: ۱۱۱)

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے محولہ بالا سطر میں "چار پارچے گویا اس سے ایک دو دن قبل نواب صاحب کی خدمت میں ارسال کی تھیں۔ سوئے اتفاق سے ان سطور والا عرضہ مثل میں موجود نہیں۔ البتہ نواب صاحب کا جواب شامل ہے القاب و آداب کے بعد ارشاد فرمایا ہے: "..... مشفقاً ہندوئی مبلغ دو صد روپیہ برائے مصارف تشریف فرمائی سامی برائے ملازمت جناب مستطاب معظم الیہم معطوف رقیۃ اللہ واد ہذا مرسل خدمت تشریف است"۔ یہ فرمان ۱۱ مارچ سنہ ۱۲۶۳ء کو تحریر کیا گیا تھا۔ میرزا صاحب کے عریضے میں اسی کا حوالہ ہے۔ اصل عریضے کے جواب میں۔ نواب فردوس مہکاں نے ۱۹ مارچ کو تحریر فرمایا: "..... جو کس خط نواب صاحب کثرت بہادر سے عدم حصول شرف ملازمت جناب مستطاب مغنی القاب نواب گورنر جنرل بہادر درام اقبالہم کا مقام اہلے مستطاب ہے، اس واسطے تشریف لیجانا آپ کا بہت کواہر استجازت ضرور معلوم نہیں ہوتا۔ آمینہ جو رائی زریں آپ کی اس خصوص میں مقتضی ہو اور خط مسطور بحسن و اہلس بھیجا جاتا ہے....."

(۱) قصیدہ مذکور کے لیے تثنوی ابرکبار ص ۳۵۔ اکل المطابع، دہلی، سنہ ۱۲۸۰ء ملاحظہ ہو

نادر اور نخر جبے ملے ہے۔

صفحہ ۲۳

(۱) نور الدین ظہوری، تہذیبِ ایران کا بانی شندہ تھا۔ سنہ ۸۸۵ھ (۱۵۸۸ء) میں دکن آیا اور ابراہیم عادل شاہ کے دربار میں تعریف حاصل کیا، اور سنہ ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ء) میں فوت ہو گیا۔ اس کی سہ نثر اور کلیات مشہور ہے۔

(۲) میرزا صاحب نے فرمائیے، "بنیدیدیا لکھا ہے۔"

(۳) خدا جلنے کس بات سے میرزا صاحب کو شک گذرا کہ سرکار کچھ کشیدہ ہیں۔ ورنہ مشکوں میں تو سرکار کے سنہ ۷۲ھ کے لکھے ہوئے خیریتا جوئی کے فرمان غامی نقد میں موجود ہیں۔

(۴) یہ عبارت عریفہ کے آخر میں ہر کے بعد نخر ہے۔

صفحہ ۲۴

(۱) لفظی پر یوم جمعہ ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۸۶۲ء لکھا ہے۔

(۲) سر رابرٹ ٹنکری صاحب مراد ہیں۔ یہ فردری سنہ ۱۸۵۹ء سے جنوری سنہ ۱۸۶۵ء تک

پنجاب کے لفٹنٹ گورنر رہے تھے۔ قدر بلگرامی کے نام کے مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب ان کے دربار میں شریک نہیں ہوئے۔ دربار کے بعد ٹنکری صاحب نے بلا کر اپنی طرف سے خلعت عطا کیا، اور وہیں دربار انہار کے متعلق گفتگو ہوئی۔

فرماتے ہیں۔ رابرٹ ٹنکری صاحب لفٹنٹ بہادر گورنر پنجاب یہاں دلی آئے،

دربار کیا۔ میں نہ گیا۔ دو ماہ کے بعد ایک دن بارہ بجے چیرا سی آکر لچھ کو بلالے گیا بہت

عنایت فرمائی اور اپنی طرف سے خلعت عطا کیا، اور دو، ۴، ۶، لاہور ایڈیشن سنہ

۱۸۶۶ء شیونرائن کے نام کے خط میں لکھتے ہیں بڑے لارڈ صاحب کے در

کے زمانے میں نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب بھی دلی میں آئے۔ دربار کیا، حیرت گرد،

مجھ کو کیا، ناگاہ دربار کے قبیلے دن بارہ بجے چیرا سی آیا، اور کہا کہ نواب لفٹنٹ

گورنر نے یاد کیا ہے۔ بھائی، یہ آخر فردری ہے، اور میرا حال یہ ہے کہ علاوہ اس دلی میں

ہاتھ کے رخم کے بیدھی ران میں اور بائیں ہاتھ میں ایک ایک پھوڑا اجا ہے۔ حاجی میں

پیشاب کرتا ہوں، اٹھنا دشوار ہے۔ بہر حال سوار ہوا گیا۔ پہلے صاحب سکرتر

بہادر سے ملا پھر نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تصور میں کیا بلکہ تمنا میں

بھی جو بات نہ تھی وہ حاصل ہوئی، یعنی عنایت سی عنایت، اخلاق سے اخلاق، وقت

رخصت خلعت دیا، اور فرمایا کہ یہ ہم تجھ کو اپنی طرف سے ازراہ محبت دیتے ہیں،

اور مزید دیتے ہیں کہ لارڈ صاحب کے دربار میں بھی تیرا المبر اور خلعت تھل گیا

انہار لے جا، دربار میں شریک ہو، خلعت پہن۔ حال عرض کیا گیا۔ فرمایا، "خیر اور کبھی

کے دربار میں شریک ہونا، اس پھوڑے کا برا ہوا بنائے نہ جاسکتا،" اور دو،

۸۳ ص ۲۸۵

(۳) لارڈ الگ بہادر مراد ہیں۔ یہ لارڈ کینیگ کے بعد ہندوستان کے سربراہ تھے جنوری سنہ ۱۸۶۲ء میں حائرہ لیا اور نومبر

سنہ ۱۸۶۳ء کو فوت ہو گئے۔ میرزا صاحب ایک مکتوب کے آخر میں لکھتے ہیں، "اچھا ری الثانی سال غفر مطابق ۱۲۸۱ھ میں کیا

اشخاص کو جو وقتاً فوقتاً مابعد دولت کی تجویز اقدس سے نامزد ہو کر اس سب سے بہادر مقرر کیے جاتے، عہدہ موسومہ ٹائٹل ہیلڈ عطا کرنے کا مجاز ہے۔۔۔۔۔

اس کام کے واسطے لارڈ کیننگ صاحب نے ایک دربار الہ آباد میں مقرر کرنے کی تجویز کی اور نواب سید یوسف علی خاں بہادر کو بھی بلایا۔ نواب صاحب مع خدم و حشم الہ آباد گئے۔ یکم نومبر سنہ ۱۸۶۱ء کو ایک شاہانہ دربار منعقد ہوا۔۔۔۔۔ جب تمام اہالی جلسہ اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے، تو نواب صاحب بہادر تخت شاہی کے محاذی شریف لے بیٹھے۔ اور گورنر جنرل نے اپنے ہاتھ سے اس رتبے کے شمع عطا فرمائے اور کھڑے ہو کر بیان کیا:۔۔۔۔۔ چونکہ یہ رتبہ سب سے پہلے آپ صاحبوں کو عطا ہوا ہے امید ہے کہ آپ مہند کے باشندوں میں ایسا طریقہ اختیار کریں گے کہ آپ کا طرز عمل دیکھنے سے مہند کے سرداروں یا باج گزاروں کو ملکہ مغل کے ساتھ محبت ملی اور استحباب قلبی پیدا ہو، بعد اس تقریر کے دربار برخاست ہوا، اور نواب صاحب گورنر جنرل سے رخصت ہو کر اپنے دارالریاست کو واپس تشریف لائے، اخبار الصنادید

(۱۱۳-۱۱۷)

نواب صاحب کے فرمان نام غالب مورخہ ۲۲ بیچ الاول سنہ ۱۲۷۶ھ ۱۸۶۰ء اکتوبر سنہ ۶۱ء سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳ اکتوبر سنہ ۶۱ء کو الہ آباد روانہ ہونے کا ارادہ اور تقریباً ایک ماہ رامپور سے باہر رہنے کا خیال تھا (مثلاً نمبر ۶۲) لیکن میرزا صاحب کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ نومبر کے پہلے ہفتے میں تشریف لے آئے تھے۔

(۲۱) میرزا صاحب کو قلعہ کا پہلا دورہ ۲۲ مئی سنہ ۱۸۵۸ء کو ہوا تھا۔ نکتہ کو لکھتے ہیں سہائی وہ خط پہلا تم کو بھیج چکا تھا کہ بیمار ہو گیا۔ بیمار کیا ہوا، توقع زیست کی نہ رہی قلعہ اور پھر کیا شدید کہ پانچ پہر مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپا کیا۔۔۔۔۔

کل سے خوف مرگ گیلے اور صورت زیست کی نظر آتی ہے (دخول: ۱۱۳۵)

اس کے بعد ۲۹ ستمبر ۱۸۶۱ء کو لکھتے ہیں:۔۔۔۔۔ نہ تندرست ہوں، نہ رنج ہوں، نہ ندرہ بیکسور ہوں (ایضاً: ۱۱۳۵) ۱۱ نومبر ۱۸۶۱ء کو سرکار کے خط میں یہ لکھا ہے کہ ایک مہینے سے بیمار ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت ستمبر کے آخر ہی میں جادہ اعتدال سے ٹپٹ ٹپٹ تھی، اور تقریباً ۱۱ یا ۱۲ اکتوبر کو قلعہ کا جو دورہ ہوا، اسی کا یہ بیس جیمہ تھا۔ سنہ ۱۸۶۲ء کے آخری مہینوں میں یہ دورہ جلد جلد ہوئے لگا تھا۔ ۴ نومبر سنہ مذکورہ کو نواب میر غلام بابا خاں کی دعوت قدوم سورت پر لکھتے ہیں:۔۔۔۔۔ ایک ہفتہ، دو ہفتہ کے بعد ناگاہ قلعہ دوری کی شدت ہوئی ہے (اردو: ۹)

(۳) میرزا صاحب نے اس لفظ کو قبضہ یا لکھا ہے۔

(۴) ان دونوں لفظوں کو میرزا صاحب نے ایک الف زائد کے ساتھ، بالفعل اور بالانکلی لکھا ہے۔

(۵) اس ثنوی کے متعلق لفافے کی پشت پر نوٹ ہے "نارنج نزد منشی سلچند ماند" سکر نے اس کی تعریف میں، نومبر کو تحریر فرمایا: "سبحان اللہ ہر تار سخن ہے بلا اور طرز

شہنشاہی بخت سے اس وقت یہاں ملازمت نہ مل سکی، اور یہ دونوں سو روپے کی زیر باری کے بعد واپس چلے گئے۔ اس سلسلے میں میرزا صاحب نے ۲۶ جولائی ۱۸۶۱ء کو میر ہدیٰ کو لکھا ہے: "سید صاحب، کل پیر دن رہے تنہا راجہ پہنچا۔ یقین ہے کہ اسی وقت یا شام کو میر سر فراز حسین تمہارے پاس پہنچے گئے ہوں۔ حال سفر نا، جو کچھ ہے ان کی زبانی سن لو گے، میں کیا لکھوں! میں نے بھی جو کچھ سنا ہے، انہیں سے سنا ہے۔ ان کا اس طرح کام بھرنا میری تمنا اور میرے مقصود کے خلاف ہے۔ لیکن میرے عقیدے اور میرے تصور کے مطابق ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہاں کچھ نہ ہوگا سو روپے کی ناحق زیر باری ہوئی۔ چونکہ بہ زیر باری میرے بھروسے پر ہوئی، تو مجھے شرمساری ہوئی۔ لیکن میں نے اس چمپا سٹھ برس میں اس طرح کی شرمساریاں اور ردیاسیا یہاں بہت اٹھائی ہیں جہاں ہزار داغ ہیں، ایک ہزار ایک سہی، میر سر فراز حسین کی زیر باری سے دل کڑھتا ہے، دارودی: ۱۸۵، بعد ازاں ۱۸ اگست ۱۸۶۱ء کو پھر لکھتے ہیں: "دو بھائی تم تک پہنچے ہو۔ برسرِ اولاد آدم ہر چہ آید بگڑدہ لیکن مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ بہ زیر باری میری تحریر کے بھروسے پر ہوئی، اور خلاف میری مرضی کے ہوئی۔ جس طرح سے یہ آئے ہیں۔ اگرچہ میری طبیعت اور میری خواہش کے منافی ہے، لیکن داند میرے عقیدے اور تصور اور قیاس کے مطابق ہے یعنی میں یہی سمجھتا تھا کہ البتہ یونہی ہوگا" (ایضاً: ۱۵۴)۔

نواب فردوس مکاں کے ایک فرمان مورخہ ۱۶ اگست سے پتہ چلتا ہے کہ میرزا صاحب کی پراسیس کے مطابق ان کی جولائی کی تنخواہ میں سے پچیس روپے نقد میر سر فراز حسین صاحب کو غالباً زارا کے لیے (ملشی سلچند کی معرفت دے گئے تھے۔) (مثلاً نمبر ۱۹، ضمیمہ ج ۱) عہد فردوس مکاں،

(۷) اس لفظ کو میرزا صاحب نے "بالہ" لکھا ہے۔

صفحہ ۲۲

(۱) نواب صاحب کے مذکورہ سفر کی تفصیل یہ ہے کہ: "جناب ملکہ معظمہ و کٹوریہ پنجابی کا ایک فرمان ۲ جولائی ۱۸۶۱ء کو صادر ہوا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے: مابعدلت نے اپنی مرضی خاص، اور علم کامل اور عزم مبارک سے ایک رتبہ مجددی بجائی جو آج سے دوام کے لیے خطاب، موسٹ، انگریز، آؤر آؤر دی اسٹار آؤر انڈیا سے موسوم ہو کر مشہور ہوگا، تجویز اور ایجاد کیا ہے؛ اور مابعدلت کا ارشاد چوتلہ ہے کہ رتبہ مذکور میں ایک شخص سادوں دسردار اعلیٰ، ایک مگر انڈا مسٹر اسردار ادبیس رنانت، (بہادر)، شریک رہیں اور دالیان میندا اور سادارینا ہندوستانی اور ہماری رعایا میں سے وہ اشخاص، جو اس قسم کی لیاقت رکھتے ہوں اس رتبہ عالی سے محسوس نہ کئے جائیں مابعدلت کی تجویز اس سے مابعدلت کے عزیز مشیر اکبر چارس جان ارل کیننگ، گورنر جنرل ہندوستان، اس... رتبہ کے اول سردار مقرر ہوئے اور یہ منقضای دانشمندی اور مصلحت ہے کہ رتبہ مذکور کا سزا لیے

اس فرمان سے یہی نتیجہ نکلنا ہے کہ مذکورہ بالا قطعہ مبارکباد موسم بر شکالی میں جولائی سے قبل سرکار کے حضور میں پیش ہو گیا تھا اب صرف تہنیت نامہ باقی رہ جاتا ہے۔ بظاہر عریضہ ۲۴ تہنیت نامہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کو مذکورہ فرمان تہنیت نامہ قرار نہیں دے سکتے اس کہ فرمان سے مترشح ہے کہ تہنیت نامہ بھی منقوض تھا، اور یہ عریضہ منقوض ہے۔ علاوہ بریں اس کو تہنیت قرار دینا اس لئے ناممکن ہے کہ یہ لفظ کی انگریزی تاریخ کے مطابق ۵ جولائی کو لکھا گیا تھا اور تہنیت نامہ کا ذکر نواب صاحب کے جولائی کے فرماں میں آچکا ہے۔

خزانے کے ادا سب سے پتہ چلتا ہے کہ تورہ اور خلعت کے روپے جس کا میرزا صاحب کے مکتوب میں شکریہ ادا کیا گیا ہے، پہلی محرم سنہ ۱۲۷۸ھ (۱۱ جولائی ۱۸۶۱ء) کو یہاں سے بھیجے گئے تھے یہی تاریخ سرکار کے اس فرمان کی ہے جس میں میرزا صاحب کے قطعاً مبارکباد اور تہنیت نامے کا ذکر ہے۔ تو گو یا فرمان سرکار کے ساتھ ہی سبڈی بھی روانہ ہو گئی تھی۔

(۳) میرزا صاحب کے اس حسن طلب پر سرکار نے انھیں کچھ بھیجا یا نہیں، اس کے متعلق تمام کاغذات خاموش ہیں۔ غالباً سرکار نے اسے میرزا صاحب کی ظرافت پر محمول کیا اور ذخیرہ ارسال فرماتے۔

(۲) حسن علی خاں کے متعلق معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کون صاحب تھے

(۵) علی بخش خاں شیخ محبوب بخش ابن شیخ امان اللہ کے بیٹے تھے۔ یہ ۱۴ سوال ۱۲۲۸ھ (۱۳ دسمبر ۱۸۱۳ء) کو نجیب آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا اور نانا ریاست کے چرانے ذکر اور خدمت گزار تھے۔ انھوں نے بھی ایام عذر میں بڑی جانفشانی اور خیر خواہی سے کام کیا اور صلے میں گورنمنٹ سے پانچ ہزار روپے کا خلعت، تلوار، طلائی، گھڑی اور میں ہزار چودہ روپے سالانہ کی جاگیر ضلع مراد آباد میں انعام پائی۔ نواب خلدائیاں نے تخت نشینی کے ایک سال بعد انھیں چالیس ہزار روپے نقد یکمشت عطا کیے۔ اور جب یہ بیمار ہوئے تو دوبارہ بنفس نفیس انکی عبادت کو تشریف لے گئے۔ انھوں نے ۲ محرم سنہ ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۷ء) کو رامپور میں انتقال کیا اور مولانا جمال الدین کے احاطہ مزار میں دفن ہوئے۔ آل محمد مارہروی نے (دیوان نوائیخ ۲۴) یہ قطعہ تاریخ لکھا ہے:

علی بخش خاں مرد نامی گذشت
بہا مژدہ من فضل رب غفور
بند بخش آل محمد نوشت
شدہ حقّی نایب رامپور

اولاد میں مولانا محمد علی مرحوم بن اسلامی شہرت کے قوی رہنما ہوئے ہیں۔ (اخبار الصنادید: ۲۱، ۱۴۱) مذکورہ کاٹلاں رامپور: ۲۶ (۲۷) میر سرفراز حسین میر ہدی مجروح کے بھائی اور میر افضل علی عرف میرن صاحب ان کے دوست تھے۔ میرزا صاحب سے بھی ان دونوں کے خردانہ تعلقات تھے۔ رازدوی علی اور عود ہندی میں ان کے نام متعدد خطوط درج ہیں۔ میرزا صاحب نے ان کی پریشان دہکائی کا حال دیکھا تو خان ماں صاحب کے نام تعارفی خط دے کر رامپور بھیجا

فرمان میں آئینہ جہاں نمایاں نخل نکات مسرت افزا اور فرمان مورخہ ۲۱ رمضان و ۱۲ اپریل میں ایک دریائے موج ہے مکتو ہزاراں لائی معنی ہے "تخریر کیا ہے۔ بہ نسخہ۔ کتب خانہ سرکاری میں محفوظ ہے۔ خط نہایت صاف کاغذ نیلا اور متعدد مضامین میرزا صاحب کی تحریر سے مزین ہے اس کے کاتب کے بارے میں میرزا صاحب نے نواب ضیاء الدین خاں بہادر کو لکھا تھا: "آپ کو دیوان کے دینے میں ماں کسوں ہے؟ روز آپ کے مطالعہ میں نہیں رہتا۔ بغیر اس کے دیکھے آپ کو کھانا نہ پہنچا ہوا ہو، یہ بھی نہیں پھر آپ کیوں نہیں دینے؟ رہا کاتب کے تلف ہونے کا اندیشہ یہ خفقان ہے۔ کیا کیوں تلف ہوگی؟ اچھا اگر اس ہوا اور دلی کھنکھنے کے عرض راہ میں ڈاک لٹ گئی تو میں فوراً بسبیل ڈاک راہور جاؤں گا، اور نواب فخر الدین خاں مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان تم کو لا دوں گا۔" (اردو، ۲۸۹)۔

صفحہ ۲۱

- (۱) تورہ، مختلف اقسام کے لذت کھانے جو کم از کم ۱۱ در زیادہ سے زیادہ ۲۰ خوں میں لگا کر پڑے تکلف کے ساتھ تقریبات میں تقسیم ہوتے ہیں۔ نور اللغات، ۲۲۲، ۲۲۳۔
- (۲) اس عریضہ میں نواب فردوس سکال کے منجھلے صاحبزادے سید حیدر علی خاں بہادر کی شادی کا حوالہ ہے۔ یہ شادی نواب سید احمد علی خاں بہادر ابن نواب سید محمد علی خاں بہادر ابن نواب سید فیض الدین خاں بہادر کی نوای کے ساتھ ۱۴ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۷ھ (۲ جون سنہ ۱۸۶۱ء) کو قرار پائی تھی۔ زمینوں سے تیار ہاں ہوئی تھیں، ملازمان بہانہ کو خلعت اور عام باشندگان شہر کو کھانا تقسیم ہوا تھا۔ سارے شہر میں جاجار نص و سرور کی مغلیں آستانہ کی گئی تھیں۔ ریاست کے بیرونی منوسلین اور احباب کے نام دعوت نامے جاری ہوئے تھے۔ میرزا صاحب نے علانی کو ۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۱ء کو لکھا ہے "دو الی را پہونے بھی تو سر نژادے کی شادی میں بلا ہوا تھا۔ یہی لکھا گیا کہ میں معدوم شخص ہو گیا ہوں۔ تمہارا اقبال منہا رے کلام کو اصلاح دینا ہے۔ اس سے بڑھ کر مجھ سے خدمت نہ چاہو، (اردو، ۳۰۳ و ۳۰۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں متحرکت کی دعوت دی گئی، مگر ضعف طبع سفر سے مانع رہا۔
- میرزا صاحب نے آگے بھی ایک تہنیت نامہ اور دو قطعات مبارکباد نواب حسنا کی خدمت میں روانہ کیے۔ قطعات مثل میں تو نہیں ہیں، لیکن کلیات داری (فولکلشوی) ایڈیشن (۳۱) میں شائع ہو چکے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

فہر تا باں برد قسط فیض دین ہم یا ہم
ظلعش را دیدہ روش ساز عالم یا ہم
کو کی کتن در دل افروزی سلم یا ہم
شا د کشم، چوں خبر زین جشن اعظم یا ہم
بسکہ در خود طاقت رنج سفر کم یا ہم
خو شتر د خرم تراز بزم کی حجم یا ہم

دید و رؤیت علی خاں کو فردغ رای او
از دل بعد شمعن را ہم کہ چوں ماہ منیر
واں دگر فرزانہ فرزند فرہمندش کہ بہت
خواست تا سازد بآئین بہنیش کہ خدا
بہرہ بردم در تصور زان ہمایون سخن
بزم طوی فرخ حیدر علی خاں را بدہر

نشہ سرور و وبال ہو گیا اور اس قدر بالیدگی اور خوشی حاصل ہوئی کہ زینہا ربیان اس کا جلال زبان و قلم نہیں۔ بار خدا یا مبارک ہو، سب اس منع جیسی ادا نہیں ہو سکتا۔ اس وقت میں بلا نقصان ٹیکس کا جاری ہونا محض شان قدرت باری ہے۔ شکر اس کے احسانات کا کہاں تک ادا کیجے! عجب قدرت نمائی فرمائی ہے۔ دل کو طرہ مسرت ہاتھ آئی ہے۔ تفتہ کے نام کے وٹنی سنہ ۱۸۶۰ء کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲ مئی سنہ ۱۸۶۰ء کو زرخشن وصول کیا گیا (اردوی: ۹۰) وصول شدہ رقم دو ہزار دو سو پچاس روپے کے خرچ کی پوری تفصیل کے لئے (اردوی: ۱۸۲) خط بنام مجروح ملاحظہ ہو۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب میرزا صاحب کے خط میں ماہ اپریل کی ۲۲ تاریخ درج ہے، تو اس صورت میں مکرر کا ۱۹ تاریخ کا خط اس کا جواب کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ میرزا صاحب کی تاریخ میں ہو رہا ہے۔ دراصل انھوں نے ۱۲ تاریخ کو خط لکھا ہو سکا جس کا ۲۲ بجنا بہت آسان ہے۔ چونکہ مثل میں اور کوئی خط آیا نہیں ہے، جس میں پوری پیش کی بجائی کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ اس لئے مذکورہ خیال کو مزید تقویت بہم پہنچتی ہے۔ (۳) اصل خط میں ”بریلی کے ملک“ ہے۔ حالانکہ ”بریلی کا ملک“ یا ”بریلی کے ملک“ کے ملنے کی ۲ ہونا چاہیے۔ چونکہ خط میں سرزرا کے قلم کا نہیں ہے، اس لئے میں نے اسے سہو نقل پر محمول کر کے اصلاح کر دی ہے۔

(۴) یہ خط جو بعد میں خرید اگلا ہے، اصل مکتوب کی بغیر تاریخ کی نقل ہے، اس لئے تاریخ تحریر کا صحیح علم نہیں ہو سکا۔ البتہ اس میں بریلی کا علاقہ ملنے کا ذکر ہے، جو اپریل سنہ ۶۰ء میں فروس مکاں کو ملا تھا، اس لئے قیاس یہ ہے کہ سرکار کے مکتوب مورخہ ۱۲ اپریل سنہ ۶۰ء کے جواب میں میرزا صاحب نے اپریل بائی سنہ ۶۰ء کی کسی تاریخ کو لکھا ہوگا۔ سنہ ۶۵ء میں میرزا صاحب نے بریلی کا علاقہ ملنے کی مبارکباد جس بنا پر دی تھی اس کے بارے میں ابھی تک یقینی علم حاصل نہیں ہو سکا۔ بظاہر یہ خیال ہے کہ میرزا صاحب نے بریلی میں یہ افواہ سنی اور اسے یاد رکھ کر تصدیق میں ذکر کر دیا۔ بعد ازاں گورنمنٹ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ کاشی پور کا علاقہ ملا ہے، جس سے میرزا صاحب کے علم کی تغلیط ہو گئی۔ ۳ خرمیں بریلی ہی کے علاقہ میں سے گاؤں دیئے گئے۔ اس کی اطلاع پا کر میرزا صاحب نے یہ خط لکھا اور اپنی پچھلی اطلاع کی صداقت کھل جانے پر اپنے آپ کو لسان العین کا خطاب دیا

صفحہ ۲۰

(۱) کلیات غالب: ۳۳۷۔ میں یہ نصیذہ چھب جگہ ہے۔
(۲) ۱۲۷۷ء تا ۱۲۷۸ء جولائی سنہ ۶۰ء کو سرکار نے نخبو فرمایا ہے کہ میرٹھی کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ آئندہ سے آپ کے حسب ایما ہنڈ دی روانہ کی جایا کرے (مثل نمبر ۱)۔ صیغہ اجاب عہد فروس مکاں

(۳) عریضہ نمبر ۲۷ تا ۲۸ میں خلافت معمول لفظ حضرت ساقط ہے۔
(۴) میرزا صاحب کا یہ نسخہ کلیات فارسی حسب تصریح فرماں مورخہ ۱۸ رمضان سنہ ۱۲۷۷ء ۳ مارچ سنہ ۶۱ء ڈاک کے ذریعہ حضور میں پہنچا ہوا۔ نواب صاحب نے اس کو مذکورہ

صفحہ ۱۷

- (۱) میرزا صاحب نے اس لفظ کو سہواً، بگھڑوں، لکھ دیا ہے۔
- (۲) یہاں میرزا صاحب کو اصولاً روئے بصیغہ جمع لکھنا چاہیے تھا۔ لیکن محاورے میں کبھی "دو ہزار روپیہ آیا" بصیغہ واحد بھی ہونے میں اسی سبب سے یہاں محبوب نہ ہوا، اور مرحمت جو، کے پیش نظر روپیہ "مفرد ہی رہے دیا ہے
- (۳) اس عریضے کے جواب میں نواب فردوس مکاں نے ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۷ھ (دسمبر ۱۶۵۹ء) کو تحریر فرمایا: "مشفقاً! بیاس ارقام سامی کے کہ مخلص کو آپ کی ذات ستودہ صفات سے محبت اور موافقت قلبی ہے، ہندوئی مبلغ دو سو روپے کی سوائے متاثرہ معینہ معطوف رقمۃ الوداد ہذا کے مرسل ہے، اور چندا شرت آپ کی لطوف فرمائی سے یہ ہے کہ رسید ہندوئی مذکور سے مطلع اور مطمئن فرمائیں۔ اور سابق میں چند مرتبہ درباب تشریف فرمائی یہاں کے متکلف ہوا ہوں، لیکن اب تک آپ نے سرور ملاقات بھت آیات سے سرور رہیں فرمایا۔ اب لازم اشفاق کا یہ ہے کہ آپ تشریف تشریف باسرع ازمنہ از زانی فرمادیں اور مخلص کو مشکور ارجا کا کریں،"
- اس ارشاد کی تعمیل میں میرزا صاحب صبح پنجشنبہ ۱۹ جنوری سنہ ۱۲۵۷ھ کو دلی سے روانہ ہو کر جمعے کے دن ۲۰ جنوری کو دار درامپور ہوئے۔ سفر کی انقباض کے لئے دیباچہ۔

ملاحظہ ہو۔

- (۴) لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے و درایا قیام را میپور میں بہ عریضہ لکھ کر فتح محمد خاں صاحب کے توسط سے کیمپ میں پیش کیا تھا۔ مقام کا نام لفظ پر درج نہیں لیکن جوابی فرمان کے مسودے میں "از مقام کھرپا" تحریر ہے۔ جو کھیل، سیوا کا ایک

صفحہ ۱۸

- (۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے اپنے بھائی میرزا یوسف خاں کی پیشینگی کے اجرا کی کوشش کی یوسف خاں ابابیم غدر میں بڑی بیگبی اور تنہائی کی حالت میں فوت ہوئے تھے اور میرزا صاحب ان کی تجویز و تکفین میں بھی شرکت نہ کر سکے تھے۔ ان قائم ہو جانے پر میرزا صاحب نے ان کی پیشینگی کے لئے کس طرح سلسلہ جنبانی کی اور آیا اپنی بیوہ بھارچ اور بھینجی کے لئے یہ سچی تھی یا اپنے لئے، اس کا حال معلوم نہ ہو سکا، اس لئے کہ آئندہ کسی خط میں میرزا صاحب نے ان کی پیشینگی کے متعلق نہیں لکھا۔
- (۲) اس کے جواب میں نواب فردوس مکاں نے ۲۸ رمضان سنہ ۱۲۵۷ھ (۳۰ اپریل ۱۶۵۹ء) کو "لقاب و آداب کے بعد" تحریر فرمایا: "مشفقاً! جب کوئی مسرت پیش آنے والی ہوتی ہے، تو آغاز ہی سے مقدمات سرور پیدا ہوتے ہیں۔ بے سامان نظر آتے ہیں کہ بے اختیار دل کو انبساط، طبیعت کو نشاط ہو۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ ۱۹ تاریخ اپریل سنہ حلال پہلے تو ایک لاکھ بیس ہزار دیا ۲۸ ہزاری کی جاگیر پر دخلدہائی کا خربطہ آیا۔ میں اسے پڑھ رہا تھا کہ کہ آپ کا نام سرور درافرا آیا۔ اس سے آپ کی پیشینگی کی بحالی کا مزہ پایا

ضلع مراد آباد، جس کی جمع ایک لاکھ چار ہزار چار سو و پے سالانہ ہے، معافی میں بچتا ہے جس کو وہ اور ان کے وارث اپنی جاگیر کے ایک ٹکڑے کے طور پر بے حصے میں رکھیں۔ بعد ازاں ضلع بریلی کے شمال سے حلوب کی جانب ایک ہتلی دھبی کی طرح کا لمبا علاقہ، جو ۱۳۶ مواعضعات جمعی ایک لاکھ ۲۸ ہزار ۵ سو و دہے م آنے پر مشتمل ہے، ۲۳ جون ۱۸۶۲ء کے مورخہ عہد نامے کی رو سے ہمیشہ کے لئے عطا ہوا (عہد نامہ: ۱۰۰، ۲) اس عطلے کی تہنیت میں مہرزا صاحب نے نواب فردوس مکان کو لکھا

ای آکر خود بہر بھی پیر وری مرا	ارغیب، مزدکار نوا جز غنیم باہی
رای تو در زمانہ، بامضای کار با	باہتمام سہم سعادت سہیم باد
در صبح دولت تو، نگہای رنگ رنگ	دام مسامہ و ہر رہیں غنیم باد
آں دم کہ مر مر را مانہ زندہ ساختی	در مرغ طالع تو، بجای تہیم باد
پاشد آب، گریہ بہر بہر نفع گز	ہر قطرہ راں، مومہ و در قہم باد
بہر صبحہ کہ و صبح دیار بہر ارم	نارخ ز رنگ زحمت تقدیم تہیم باد
گر بہر حوس نیز دعائی کہم یہ پاک	ابن نغمہ ہم گزیدہ، طبع سلیم باد
آزادہ ام، اخلاص و فاشوہ من بہ	راہم درائی مسلک امید دریم باد
چوں بہر دی کہ بر غلط جاہدہ رود	پوسندہ سہرین بخیل مستقیم باد
مانندہ فکر من، ریح بخت تو و لفرز	مانندہ کلک مس، دل دہش دویم باد
پابستہ زمان و مکان نیست در دمنہ	گر خود رود و کجہہ کریں در معجم باد
شادم کجھ من و گویم کہ بندہ را	خشتی ز زر غاص حسی ز سیم باد
مقصود از لباس ہمان پوشش غنیم	پوشش گراز حریر بنامند، نکیم باد
باجملہ ایں سہ بیت کہ سرچنل نکرت	در خورد و طعم غاص و عطاء عظیم باد
نواب بہر مہر منوچہر چہرہ را	عائل کلام یوسف و قرب کلیم باد
چوں غنچہ کہ پہلوی گل بنگدہ بیاض	ملک جدید، شالہ ملک قدیم باد
ہر دم ترا بخلوت راز و بہرزم انس	روح الامیں مصاحب و غائبیم باد

کلیات، غائب فارسی: ۱۲۲

اس قطعے کی تاریخ نظم کا پناہیں چلتا، لیکن ۲۷ نومبر کے مکتوب میں اس کا تذکرہ نہ ہونے کے باعث خیال ہے کہ اس تاریخ کے بعد لکھا گیا، اور اسی ہیے کی کسی آخر تاریخ تو یا د و عمر کے شروع میں نواب فردوس مکان کی حد رس میں ارسال ہوا۔ نواب صاحب کی تاریخ ردائی ۱۲۵۷ھ ۸۰ نومبر سنہ ۱۸۶۲ء کو لکھا ہے: یہ مخلص بتاریخ ۱۱۲۳ھ ہیے کے طرف قریباً کے روانہ ہو گا اور تاریخ ۱۸۱۳ھ ہیے کے معاودت کر کے راہپور پہنچے گا۔ مثل نمبر ۱۷۵، بعد ازاں ۲۵ ریح الثانی مطابق ۲۲ نومبر کو کٹر یہ فسر مایا ہے کہ بتاریخ ۱۷۱۴ نومبر سنہ ۱۸۵۹ء مخلص بجزریہ تمام فائرا بجا کر دے (مثل نمبر ۱۷۵)

حضور سے مقرر ہوتے ہیں۔ مگر گورنر یعنی مدار الملہام اور کمانڈر انچیف یعنی سپہ سالار کے نصب کرنے میں پسند و منظوری تخت نشین سلطنت کی لازم ہے، "تاریخ ہند" میں لکھا ہے کہ ۱۰۹ء مطیع نور الالبصار ۱۸۵۶ء یکم نومبر سنہ ۱۸۵۸ء کے ملکہ مظفر کے حکمرانی کے اعلان کے ذریعے گورنر جنرل کو دایسر کے یعنی نائب سلطنت کے لقب سے موسوم کیا گیا۔ اور کمپنی سے عنوان حکومت لے کر براہ راست تاج برطانیہ سے ملکیت ہندوستان کا تعلق کر دیا گیا۔ پانچ لارڈ کیننگ ایسٹ انڈیا کمپنی کے آخر گورنر جنرل اور ملکہ کے اول دایسر تھے (تاریخ سلطنت انگلشیہ ذکار اللہ ج ۲، ۱۱۲)

(۵) نواب سید محمد کلب علی خاں بہادر خلد اسٹان مراد ہیں۔

(۶) میرزا صاحب نے اس عریفے میں جس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ اخبار الصنادید (۲، ۹۷-۱۱۰ کے مطابق حسب ذیل ہے۔

• لارڈ کیننگ صاحب بہادر گورنر جنرل نے ۱۵ نومبر سنہ ۱۸۵۵ء مطابق ۲۳ دیح الثانی سنہ ۱۲۷۶ھ کو مقام فتح گڑھ میں ایک عالیشان دربار منعقد فرمایا۔ اس دربار میں بہت سے دیوبند و سادہ و بہت سے یورپین معزز حکام خصوصاً کمانڈر انچیف صاحب شریک تھے۔ ۰۰۰ دربار عام میں گورنر جنرل نے نواب فردوس مکاں سے مخاطب ہو کر کہا: "مجھ کو بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ ان خدمات کے عوض جو آپ نے ملکہ مظفر کی کس بات آپ کا شکریہ ادا کرنے کا موقع ملا۔ آپ اپنی ذات میں سے زمانہ عذر میں نہایت مستعد اور صادق رہے، اور آپ نے باوجود خوف جان و ریاست کے گرد و نواح میں نہایت شقت اور سختی سے حکومت برقرار رکھی، اور ملکہ مظفر کے اس درد کی بھر پور امکان بخوشی کی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے ایک مجمع کثیر ہم قوم ملکہ مظفر کی جائیں سچا میں۔ اس کو سب آفتوں سے محفوظ رکھا، اور ان کو ہر طرح کی آفتوں سے دی، حالانکہ وہ زمانہ چاروں طرف خوف سے گھر ہوا تھا۔ میں بڑی خوشی سے دو برس سپہ سالار افواج ہند ملکہ مظفر اور بہت سے معزز افسر اور حاکمان ملکی کے۔ جو گرد و نواح اور دیگر مقامات ہندوستان میں عہدہ مائے جلیلہ پر منصوب ہیں۔ آپ کے حین خدمات کا اقرار کرتا ہوں۔ مجھ کو یقین ہے کہ آپ کی کارگزاریوں کو لوگ ہرگز نہ بھولیں گے۔"

اس دربار میں گورنر جنرل نے نواب فردوس مکاں کو عین ہزار روپے کا خلیفہ عطا کیا۔ اہل سلائی کے فیر گیارہ کے بجائے تیرہ مقرر ہوئے۔ علاوہ اس کے فرزند دل سیر کا خطاب عنایت ہوا، القاب و آداب اس الحافظ کے ساتھ قرار پایا۔

• نواب صاحب مشفق بیادہرمان کرم فرمایا محض سلامت۔

بعد ازاں ۲۵ نومبر ۱۸۵۹ء کو گورنر جنرل بہادر کے سکریٹری نے گورنمنٹ ممالک مغربی و شمالی کے سکریٹری کے نام حسب ارتداد گورنر جنرل بہادر ایک خط لکھا اس خط کی دفعہ میں تحریر تھا: "گورنر جنرل نے ۰۰۰ نواب صاحب کو مطلع کیا کہ ان کی معتمد و فاداری اور علی درجے کی امداد کے سبب، جو آٹھوں نے گورنمنٹ کو دی ہے، ان کو پرگنہ کاشی پور

اور کوٹھی سرطاس مشکف صاحب بہادر میں اتنے۔ خبر ہے کہ لارڈ صاحب موصوف
۲۲ دین تاریخ ماہ حال کو، یعنی آج دفت شام کے دہلی سے رد اماہوں گے، اس شہادت
کے بعد صرف دہلی میں دربار کا انعقاد زیر بحث آسکتا ہے۔ بظاہر یہ واقعہ ہے کہ ڈپٹی
نے دہلی میں دربار نہیں کھلوانے اس کی اطلاع بھی اخباروں میں شائع ہوئی۔ اور جب
انہوں نے دربار نہیں کیا، تو ان کی آمد ایک معمولی واقعہ بن گئی جسے یاد رکھنے کی میرزا صاحب
کو کیا ضرورت تھی۔ اسی سبب انہیں یہ خیال گزرا کہ لارڈ ڈپٹی بہادری دہلی نہیں آئے۔

(۱) لارڈ کینیگ بہادر وائلز کے مراد ہیں۔

(۲) سکرنز، انگریزی لفظ سکریٹری کا مراد ہے۔ آگے چل کر بول چال میں پہلی درجہ "ت"
میں تبدیل ہو گئی اور لوگ "سکر" کہنے لگے۔

(۳) ایڈمنسٹریٹر صاحب ۱۸۱۲ء میں پیدا ہوئے سنہ ۱۸۳۱ء میں اصلاح شمال و غرب میں تقرر
ہوا۔ سٹیج کی فتح کے بعد وہاں کی ریاستوں کے کنشنر بنائے گئے سنہ ۱۸۵۳ء میں پنجاب کے کنشنر بنائے
ہوئے۔ سنہ ۱۸۵۵ء سے ۱۸۵۷ء تک حکومت ہند کے دارل سکریٹری اور جنوری سنہ ۱۸۵۹ء سے فروری سنہ ۱۸۶۳ء
تک مالک مغربی و شمالی کے گورنر رہے۔ جنہوں نے ۲۲ ستمبر سنہ ۱۸۶۴ء کو انتقال کیا۔

صفحہ ۱۶

(۱) یہ فارسی کے محاورہ "مہم نردن" کا ترجمہ ہے

(۲) عربی کا نام جمال الدین احمد اور وطن شیراز ہے۔ ہندوستان آکر حکیم ابوالفتح شیرازی اور

عبدالرحیم خان خاناں سے وابستہ رہا۔ خانخاناں نے دربار اکبری میں اقرب کر کے شاہزادہ
سلیم کا اتالیق مقرر کرادیا۔ ۹۹۹ء میں خانخاناں کے ساتھ ہم سفر ہوا۔ برہانہ ہوا تھا کہ
شوال میں بمقام لاہور ۴۶ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اس کے کلام میں شوکت اور جوش بہت

(۳) نواب فردوس محلہ جو انا تحریر فرمایا۔ "منفقا ہسبھام ملاقات کے اکثر بعض صاحبان
بہادر دیتاں سے تذکار و محامد اصاف ذاتی اور صفاتی آب کا عمل میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ
کے فضل اور قدر دانی سرکار دہلی سے یقیناً واقف ہے کہ جو مدارج مشرف آپ کے
قدیم سے ہیں، چنگا گورنٹ، بہادر سے بھی اسی کے مطابق ظہور میں آئے گا، اس واسطے
کہ اپنی سرکار ابد قرار و قدر دان و قدر شناس ہیں۔"

(۴) گورنٹ آف ڈائنر کٹر مراد ہے سنہ ۱۷۰۸ء میں بمقام انگلینڈ ایک کچری مالکوں کی واسطے

نگرانی کاروبار ہندوستان کے مقرر ہوئی۔ لقب اس کا گورنٹ آف پریپرائس مقرر ہوا
اس لئے کہ ہندی کچری کے کاروبار کے لئے اچھے شخص منتخب کریں اور ترکیب اور تربیت
قدیم کی کریں۔ دوسری ایک کچری ایسی مقرر ہوئی جو ہند کے جملہ کاروبار کے واسطے رہنمائی
کرتی تھی۔ پہل میں ۲۲ دہلی تھے ان کا لقب گورنٹ آف ڈائنر کٹر ہوا۔ اس زمانے تک بادشاہ ہنگستان

کو کاروبار ہند میں مداخلت نہ تھی۔ صاحبان اپنی مطابق حکم اور حقوق مندرجہ فرمان بادشاہی کے
کام کرنے تھے۔ بہادر کٹر سلطنت انگلینڈ: جہ مطیع خورشید ہند، مراد آباد ۱۸۶۷ء بمبئی کی جماعت
میں بہت لوگ ہیں۔ لیکن ان کی ۲۲ ناظم مسائل امور ہست ہیں۔ ان کی منظور کی بدولت کسی امر
کی تجویز قطعی نہیں ہوتی، اور انہیں کو گورنٹ آف ڈائنر کٹر بولے ہیں۔ یہ کام انہیں کے

(۴) سات پارچوں کی تفصیل عربیہ نمبر ۸ میں ملاحظہ ہو۔ جیفہ، جو ترکی لفظ ہے، ایک مرصع زیور کا نام ہے جسے پگڑی پر باندھتے ہیں۔ یہ پھل کی ۱۷ پنچ لابی اور ۲ پنچ چوڑی پٹی ہوتی ہے اس پر زرد رنگ کا نہایت عمدہ کام بنا ہوتا ہے اور سونے کی ایک پنچ جس پر جو اہر جڑے ہوتے ہیں اس پر بھی ہوتی ہے۔ سر پنچ جسے سریش بھی کہتے ہیں، سونے، چاندی یا ہیرے موٹی کا ایک زیور ہوتا ہے جسے پگڑی میں سونے کے رخ پر باندھتے ہیں بعض اوقات اس میں سونے کی چوکر پتریں ہوتی ہیں، جو اس میں بندھی ہوتی ہیں اور ہر ایک میں قیمتی پتھر جڑے ہوتے ہیں۔

(۵) لارڈ ہارڈنگ صاحب ہندوستان کے گورنر جنرل تھے سنہ ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے جولائی سنہ ۱۸۴۲ء سے جنوری سنہ ۱۸۴۸ء تک گورنر جنرل اور سنہ ۱۸۵۲ء سے سنہ ۱۸۵۴ء تک کمانڈر انچیف رہ کر اسی سال کے ستمبر میں فوت ہو گئے۔ سکھوں کی لڑائی میں انہوں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ انتظام مملکت میں بھی عید اصلاحت نامذکیں۔ جگہ جگہ سکول قائم کئے۔ ریلوے لائن بنائی گئی اسکول میں اضافہ کیا، اور انوار کی عام تعطیل مقرر کی۔ ان کے جس دربار میں میرزا صاحب نے خلعت ہفت پارچہ اور میندر میں جو اہر کی پائی انھیں دادہ جس اخبار کو بھی (مورخہ ۱۹ ذی الحجۃ ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۸۴۵ء شمارہ ۱۵ جلد ۲) اور بہادر شاہ کے رد زناچہ ص ۳۸ کے مطابق ۱۵ دسمبر سنہ ۱۸۴۵ء کو دہلی میں منعقد ہوا تھا۔ ان دونوں حوالوں میں منظر کا کی نہر ست بھی شائع ہوئی ہے اگر اس کے اعداد ترتیب کو ظاہر کرتے ہیں تو سرزا صاحب کا نمبر نیز حوالہ ہونے کے سبب ان کا یہ بیان محل نظر رہے گا کہ "دہلی صفا میں دسواں لمبر" مقرر ہے۔

(۶) لارڈ ڈیہوری سنہ ۱۸۱۲ء میں پیدا ہوئے سنہ ۱۸۴۷ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل مقرر کئے گئے، اور ۱۲ جنوری سنہ ۱۸۴۸ء کو اس عہدے کا حلتہ لیا۔ انھوں نے سکھوں کو زبردستی کے سنہ ۱۸۴۹ء میں پنجاب کا الحاق کیا۔ ریل کے ٹکے جس سے صاف نفاذ کئے اور مولوں کے درمیان تار برقی کا سلسلہ قائم کیا، شاہی ڈاکخانے کا نظم بھی انھیں کا رہا۔ منشی، محکمہ امور عامہ، جیل، جنگلات، پیمائش، اور محکمہ تعلیمات قائم کیا۔ مجلس قانون ساز کا از سر نو انتظام کر کے جسے وسعت دی برما پر حملہ کیا، اور خاں قلات اور امیر افغانستان سے معاہدے مرتب کئے۔ صوبہ بہار فوجی مصارف کے لئے حاصل کیا۔ ان کے ہاتھوں میں سی دیسی ریاستوں کا خاتمہ ہوا ہے۔ حادثہ غازی پور کی ذمہ داری بھی انھیں کے کاندھوں پر رکھی جاتی ہے۔ ان کے سوانح کا خلاصہ، فتح، استحکام اور ترقی ہے ڈیہوری لندن واپس جا کر سنہ ۱۸۶۰ء میں نمبرے اور وہیں دس سال رہے۔ امیرزا صاحب کا یہ کہنا سہو پر مبنی ہے کہ لارڈ ڈیہوری یہاں نہیں آئے۔ وہ یہ ہے کہ اخبار فوائد ان طریقہ و شمارہ ۲۲، (۲) مورخہ ۱۲ اکتوبر سنہ ۱۸۴۸ء میں شائع ہوا تھا کہ لارڈ ڈیہوری ۱۸۴۷ء میں نومبر کو دہلی آئے گئے۔ بعد ازاں ۲۳ نومبر کے پرچے میں اسکا شمارہ مسلسل ۱۱۴ اخبار دہلی کے ماتحت لکھا گیا کہ کل کے دن ۲۱ دیں تا دینچ ناہ نومبر کو گورنر جنرل لارڈ ڈیہوری صاحب کا دام اقرار، قریب ۱۱ بجے کے دہلی داخل ہوئے اور سلامی مولیٰ

۱۰۔ ربيع الثاني سنہ ۱۲۷۵ھ مطابق ۲۵ نومبر سنہ ۱۸۵۸ء عریضہ نمبر ۱۰ ہندوی کی رسید اور راپور نہ آنے کے عذر پر مشتمل ہے۔

(۶) اصل، روینہ۔ میرزا صاحب سے یہ سچا اور جگہوں پر بھی ہوا ہے۔ میں نے جہاں کہیں مفرد کا قریب نہیں پایا، وہاں بصیرت جمع لکھ کر حاشی میں بار بار حال دینا مناسب نہیں جانا۔ اپنی تحقیق پہلے ایڈیشنوں سے مقابلہ کر کے ان تمام مقامات کا ثبوت کر سکتے ہیں۔

(۷) یہاں میرزا صاحب نے ۲ کا ہندسہ لکھا ہے، جو لفظ حد کا عدد ہے اور اصل اسٹاپ کی جگہ مشتمل تھا۔ اس کے استعمال کی جو توجہ آٹھویں نے کی ہے، وہ بحث الٹا، علامات اوقات میں درج ہے۔ آج کل متروک ہونے کی وجہ سے یہاں اور دوسرے مقامات پر اسے حذف کر دیا گیا ہے۔

صفحہ ۱۲

(۱) نواب فردوس مکاں کے مسودہ فرمان میں یہ مضمون تحریر نہیں۔ ممکن ہے کہ بیضے میں ہونے قلم سے اضافہ کر دیا ہو یا کوئی اور تحریر اس کے علاوہ بھی لکھی ہو۔

(۲) نواب مرزا خاں داغ تخلص خلف نواب سید الدین احمد خاں بہادر دلی فیروز پور جگر مراد علی نواب فردوس مکاں کے عہد میں اپنی چھوٹی عہدہ خانم کے توسط سے ابتداً راجپور و انعام دہلیا اور بعد ازاں ملازم سرکار ہوئے۔ نواب غلام آغیاں کے عہد میں سورسے ماہر پر مشتمل اور فراش خانے کے داروغہ بنائے گئے۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد رام پور کی بزم علم و ادب منتشر ہوئی۔ تو حیدر آباد جاکر حضور انعام مرحوم کے استاد مقرر ہوئے اور وہیں سنہ ۱۳۳۲ھ و ۱۹۰۵ء میں انتقال کیا۔ مرزا داغ کو شعر و سخن سے فطری لگاؤ تھا، شیخ ابراہیم ذوق دہلوی سے کلام پر اصلاح لی تھی، اور راجپور میں شعرائے دہلی کے کامیاب نمائندے شمار ہوتے تھے۔

(۳) اس بزم آرائی کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ بعید نہیں کہ آتش فتنہ و فساد کے سر دپڑ جانے کی خوشی منائی گئی ہو۔

(۴) آمدہ کی جگہ آمد کا استعمال سہو قلم معلوم ہوتا ہے۔

(۵) جناب عالیہ، نواب فردوس مکاں کی والدہ محترمہ فتح النساءیم کا لقب تھا، جو نواب سید فیض اللہ خاں بہادر کے بھائی محمد نور خاں ولد محمد شاہ خاں بڑیچ کی صاحبزادی تھیں۔
(۶) دکنش نبوت فلی، ذکر نواب فردوس مکاں :- اخبار انصنادید، ۲۱/۲۲، ۲۳/۲۴، دیکھو شیعہ ۹ صفحہ ۹

صفحہ ۱۳

(۱) یہ عریضہ ۱۷ جنوری سنہ ۱۸۵۹ء سے قبل لکھا گیا ہوگا، کیونکہ اس تاریخ کے فرمان میں سرکار نے لکھا ہے: "تلفظ صحیفہ آپ کلمادی۔" نہ ہونے حکم نسب مقدمہ پیش کرنے کے پیش گاہ حکام سے۔۔۔۔۔ عین انظار میں سرمرکش عیون وصول فرحت شمول کا ہوا۔"

(۲) یہاں میرزا صاحب نے روانا الف کے ساتھ لکھا ہے، چونکہ مکتوب نمبر ۱۰ وغیرہ میں انہوں نے روانہ لکھا ہے اور صحیح بھی یہی ہے، اس لیے ہر جگہ کے ساتھ لکھا۔ یا گیا ہے۔

یہ جس نے دیوان اردو کا وہ خوش خط نسخہ نقل کیا ہے عو میرزا صاحب کی طرف سے ۱۸۵۴ء
کی کسی اندائی تاریخ میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کے حاشیوں پر میرزا صاحب نے اپنے فلم سے
مسکل لفظوں کے معانی لکھے ہیں۔

کتاب خانے میں ایک مطوعہ سہ بھی ہے جو سنہ ۱۸۶۵ء میں لطیری سو سائی برہی کے
مطبع میں چھپا تھا۔ اس کے صفحات ۲۵، ۲۳، ۲۸، ۳۹، ۵۱، ۵۵ کے حوائی پر بھی میرزا
صاحب کے فلم کے معانی درج ہیں

صفحہ ۱۱

۱) بہ شایہ اعلان واقعات دار لکھنؤ دہلی: ۱۸۵۸ء میں مندرجہ ہے۔

۲) دراصل میرزا صاحب حکام انگریزی کی نظر میں شاہ ظفر کے سکے کے لئے شعر کہہ کر بے کے لڑنے

خود میرزا صاحب کے متعدد خطوں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ سرور مارہری کو لکھتے ہیں
”سکے کا وار فوجیہ برابر اچلا جیسے کوئی حیرانہ گراں۔ کس سے کہوں بکس کو گواہ لاؤں؟“

دقیقے بہ دم کے کہہ کر گزرا نے بادشاہ نے یسد کے۔ مولوی محمد مافر... نے دلی

اردو اجار میں۔ دونوں کے حملے۔ اس سے علاؤ اللہ لوگ موجود ہیں، جنہوں نے اس زمانے

میں سرخدا آباد اور ٹکے میں سکے سے جس اور ان کو یاد ہیں۔ اب بہ دونوں سرکار کے نزدیک

میر سے کہے ہوئے۔ اور گدرا نے ہوتے ثابت ہوئے۔ میں نے ہر چند فلم و ہند میں دلی اردو

اختر کا برجہ ڈھونڈ لیا، کہیں ہاتھ نہ آیا۔ بہ دھبہ چھوڑا۔ میں بھی گیا اور وہ ریاست

کا نام دس سال خلعت و دربار بھی تھا! اردو: ۱۰۲ء

یوسف میرزا کو تحریر کیا ہے۔ ”میں نے سکے نہیں کہا۔ اگر کہا، تو اپی جان اور حرمت بچانے کو

کہا۔ یہ گناہ نہیں ہے۔ اور اگر گناہ بھی ہے، تو کہا ایسا سگین ہے کہ ملکہ مظفر کا اشتہار بھی اسے

نہ مٹا سکے؟ سحاں اللہ، گولہ انداز کا بار در بنانا، اور تو میں لگانا اور بنک گھر اور میگزین کا

لوٹنا معاف ہو جائے اور شاعر کے دو مصرعے معاف نہوں! اردو: ۱۰۱ء

۳) میرزا صاحب نے لفظ سارٹیفیکٹ میں پہلی ”ٹا“ کوٹ“ نخر بر کیا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ سارٹیفیکٹ

سے میرزا صاحب کی مراد وہ دو خط ہیں، جو قصیدے اور عرض داشت کی رسید اور ان کی

دفا داری کے اعتراف میں دو گور سر جرنلوں نے انہیں بھیجے تھے۔

۴) اصل میں القاب کے بعد اسی سطر سے مطالب سرور شروع کر دیئے گئے ہیں۔

۵) نواب فردوس مہال نے عراق میں مورخہ، نومبر ۱۸۵۸ء کے جواب میں نخر رد فرمایا۔ ”ذیلہ

صحیفہ نر لطف طرار“ اولیں حاوی حالات نہ ملنے زبیس آپ کے، اور دوسرا مورخہ اٹھارویں

ماہ نومبر ۱۸۵۸ء میں متفرق فرمایا۔ مزاج دہاج کے، منوا نر لگ، افروز حیرہ وصول نہ لاشمول

کا ہوا۔ اور دیر مزاج مندرجہ کے سرور اور مطلع فرمایا۔ منقفا: جو کہ مجلس کو اشتیاق حصول معاف

اور مکالمہ آپ کا بدیر کمال ہے، اور اب سرین آوری آپ کی اس جگہ مناسبت ہے، اس واسطے

حوالہ حاتمہ محبت لکھار کے ہوتا ہے کہ آپ دیدار فائض الاوار لپٹے سے مجلس کو سرور فرمائیے، اور

قطعہ ہندوئی مبلغ دو سو پچاس روپے کا واسطے مصائب خدام آپ کے بلغت رنمتہ اودا دہلک

سرل ہے۔ بول فرمائیے۔ کمر آ کر حد غزل نر رنمتہ اصلاح سرل ہیں۔ بعد ملاحظہ کے دس ہیں فقط

قابل شہد ۳۸ برس کی عمر بائی۔ بارہویں رجب کو بارہ سو تہتر ہجری تھے کہ عارضہ غنائی میں مبتلا ہو کر میرٹھ میں رحلت پائی، وہاں سے جہازہ اُن کا دہلی کو لایا گیا، اور درگاہ حضرت خواجہ بانی باللہ میں دفن ہوئے، یہاں سنہ ۱۲۲۴ھ میں مندر رحمت ہے۔ لیکن دارالانشاء کی مراسلت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سنہ ۱۲۲۳ھ میں انتقال کیا تھا۔ اُن کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔

(۹) نواب سعد عبدالرحمن خاں بہادر، نواب سدہ علام محمد خاں بہادر کے صاحبزادے اور نواب فردوس مکان کے چاٹھے۔ جنگ دوحڑ کے بعد اپنے بھائیوں کے ساتھ بہ بھی راپور چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور نواب سید محمد سعید خاں بہادر کی تخت نشینی تک دہلی اور میرٹھ وغیرہ مقامات پر رہے۔ بعد ازاں نواب صاحب کے ساتھ راپور آئے اور قندیم تنخواہ میں معقول اضافہ باکرہیں منبم ہو گئے۔ ۱۱ اگست سنہ ۱۸۵۶ء تاریخ انتقال اور مدفن راپور ہے۔ (پردانہ سنہ نام جانکی پرشاد حکومت ۲۰ اگست ۱۸۵۶ء بمبئی ۱۱۸۸)

صفحہ ۱۰

(۱) میرزا صاحب نے بلی ماہ لکھنا ہے جو کہ خود انہوں نے متعدد خطوں میں اس محلے کا نام بلی ماران لکھا ہے اور آج تک ہر دہلوی دہلوی نے اسے بلی ماران ہی کہا اور لکھا ہے اس لئے سہو قلم یقین کرنے ہوئے متن میں تصحیح کر دی گئی ہے۔

(۲) یہ عربی کا ایک مرکب ہے جس کے معنی ہیں "اس کا" کسی کی نظم و نثر کا کوئی مکرر نقل کر نیکی بعد پھر اسی کی کچھ عبارت نقل کرنے ہیں تو اس کے شروع میں "لہ" لکھ دیتے ہیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ بھی ساہی الفذ کر ہی سے نقلی و کھتی ہے۔

(۳) اگر میرزا صاحب کے تخمینے کو صحیح مانا جائے تو انھیں سنہ ۱۸۴۹ء یا ۱۸۵۰ء سے محلہ بلی ماران میں منبم ہونا چاہیئے۔ مجرد حج کے نام کے خط میں سنہ ۱۸۵۰ء کی تصریح موجود ہے، اس لئے بظاہر یہ ۱۸۵۰ء سے درست معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں "یہ لکھ کہ اسد الدخاں پسند ۱۸۵۰ء سے حکیم پٹیلے دے کے بھائی کی جوہلی میں رہتا ہے" (دعوت ۳۸؛ اردو ۱۱۷) لیکن تفتہ کو ۲ مارچ سنہ ۱۸۵۲ء کو لکھا ہے کہ میں کلے صاحب کے مکان سے اٹھ آیا ہوں اور بلی ماران میں ایک جوہلی کرایہ پر لیکر اس میں رہتا ہوں (غالب: ۸۳) تفتہ سے اُن کی مراسلت برابر رہتی تھی۔ اس لئے انتقال مکان کے بعد دو دن بعد ہی بہ اطلاع دینا چاہیئے میرزا صاحب نے شاہ نصیر الدین عرف کلے صاحب کے سنہ ۱۲۶۸ھ میں انتقال کے بعد اُن کا مکان چھوڑا تھا۔ (بانغ و دود: ۹۱، الف، شاہ صاحب نے سنہ ۹ دسمبر ۱۸۵۱ء مطابق ۱۵ صفر ۱۲۶۸ھ کو انتقال کیا ہے، دہلی اردو اخبار شمارہ ۵ ج ۱۳ مورخہ ۱۳ دسمبر ۲۰ صفر، لہذا میرزا صاحب کو ۹ دسمبر سنہ ۵۱ء اور ۲ مارچ سنہ ۵۲ء کے درمیان مذکور مکان کی سکونت ترک کرنا چاہیئے۔

(۴) اس خط میں انعام کے ختم ہوتے ہی اُنکی سطر سے مطالب شروع کر دیئے ہیں۔

(۵) اس چار جزو کے رسالے سے "دستور" مراد ہے، جیسا کہ عربی کے آخر میں اس کے نام کی لفرغ سے ظاہر ہوا ہے۔ کتاب خانے میں یہ نسخہ اب تک محفوظ ہے کہ اور اسی کا تہ کاوش

ہونا جانتے ہیں۔ فسراری نہیں ہوں۔ رد بوش ہوں۔ لایا نہیں گیا! دارد گرسے محفوظ ہوں کسی طرح کی باز پرس ہو تو لایا جاؤں۔ مگر ہاں جبکہ لایا نہیں گیا، خود بھی بروی کار نہیں آیا۔ کسی حاکم سے نہیں ملا اور خط کسی کو نہیں لکھا۔ کسی سے درخواست نہیں کی۔ مئی سے بیسن نہیں پایا۔ کہو یہ دس بیسن کیوں کر گزرے ہوئے۔ انجام کچھ نظر نہیں آتا کہ کیا ہوجہ زندہ ہوں، مگر زندگی دمال ہے۔ (ایضاً: ۶۰)

جمعہ ۵ مارچ سنہ ۱۲۵۸ء کو لکھا ہے۔ "حاکم اگرے آکر کوئی پابند و بسب ہماری نہیں کیا بہ صاحب میرے آشنائی ندیم ہیں۔ مگر میں مل نہیں سکنا۔ خط بھیج دیا ہے۔ ہنوز کچھ جواب نہیں آیا۔" (ایضاً: ۶۳)

(۱) اپریل سنہ ۱۲۵۸ء میں حکیم غلام شغف خاں کو لکھتے ہیں: "خس کی درخواست دے رکھی ہے، بشرطاً احرا بھی مبرا کیا گزر رہو گا؟ ہاں دو میں ہیں ایک تو یہ کہ میری حسائی اور سے گناہی کا دلیل ہے۔ دوسرے یہ کہ موافق قول عوام۔ جو کہ دلہر ہو گا" (داخلہ: ۱۲۲۱) شنبہ ۵ نومبر سنہ ۱۲۵۹ء کو حکیم جس الد خاں کے اپنے مکاں میں آجائے کہا دکرہ مگر کے خود اپنے شعلی نقتہ کو لکھتے ہیں: "رہا میں ع تو بکی دعوئی، ترا کر کی لکھو۔ نہ جناہ سزا، نہ نفیس نہ آفریں، نہ عدل نہ ظلم، نہ لطف نہ قہر" (دارودی، طبع لاہور، ۱۰)

(۲) نقتہ کے نام کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مارچ ۱۲۵۸ء سے قبل میرزا صاحبائے بخیر راہ اور رسم پیدا کرنے کی سعی نمدوع کردی تھی۔ (دارودی، طبع لاہور، ۶۲۰)

(۵) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اردوی ۳۵۔

(۶) زس العابدین خاں بہادر کے لئے وہ لاش ملاحظہ ہو، جو اس کے ہاگے خطوط سے قبل مندرجہ ہے۔

(۷) نواب سعد محمد اللہ خاں بہادر اس نواب سدر نام محمد خاں بہادر، نواب فردوس مکاں کے چچا تھے۔ اپنے والد ماجد کی شکست مرزا میور تھوٹے پر مجبور ہوئے۔ بکھن لکھنؤ میں گزارا۔ حواں ہو کر گورنمنٹ کی ملازمت کی، اور اسی ملازمت کی مدد وک صدرا الصدور کے عہدے تک پہنچے۔ مرشدزادہ آفانی میرزا محمد شاہ رخ بہادر کی زوجہ ان کی فرامت دار تھیں، اس وجہ سے لال قلعے سے بھی نعلانات تھے۔ (بہادر شاہ کار در نامہ ۸۲) عیسے مکا میرٹھ کے صدور الصدور رہے تھے۔ ستن کے بعد وہیں نوطن اختیار کر لیا۔ ستر برس کی عمر میں بہادر خاندان سنہ ۱۲۴۷ھ کو رحلت فرمائی، اور درگاہ جنتی پہلوان میں مدفون ہوئے۔ ستر و ستن سے بھی دلچسپی تھی، میرزا غالب، مفتی صدرا الدن خاں آرزو اور حکیم موس خاں دعبہ جیسے ذی علم اور صاحبان ذوق سے برحلوں نعلانات تھے، مرزا غالب کا ان کے نام جو خطیخ آہنگ میں عجیب چکاپ ہے، اس سے ناہمی نعلانات پر عیاں روشنی پڑتی ہے۔ انتخاب مادگار ص ۱۱۱ میں اس کا شعر مندرج ہے۔

منحصر کچھ بر تنوع و تنوع، اکھلا جائیں کہاں۔ لے شفیع عامعیاں، ہم نیز اداں جھوڑ کر

(۸) سید اصغر علی خاں مرحوم نواب سید محمد اللہ خاں بہادر کے صاحبزادے اور نواب فردوس خاں کے چچا زاد بھائی تھے۔ انتخاب مادگار ص ۲۵ میں لکھا ہے: "شاعر خوش مذاں ہیں آفرینش مضامین عاشقانہ میں ملانہ ہیں۔ موس خاں صاحب دہلوی کے ساگر دینہ کام ان کا لائق دہ

صفحہ ۹

(۱) بہادر شاہ، ہندوستان کے مغل فرمانرواؤں کے آخری چشم چراغ تھے۔ سنہ ۱۸۵۷ء میں لال قلعہ کے بادشاہ بنے۔ سنہ ۱۸۵۷ء میں دوم پرستوں نے یوری دلی کا بادشاہ بنا با۔ بعد فتح دہلی الزام بغاوت میں رگون کو جلاوطن کئے گئے۔ اور وہیں ۷ نومبر سنہ ۱۸۵۷ء کو فوت ہوئے۔ میرزا صاحب نے ایک خط میں مجروح کو لکھا ہے: "نومبر ۱۸۵۷ء جمادی الاول سال حال جمعے کے دن۔ ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ دہلیہ جسم سے رہا ہوئے۔" (اردو دی ۱۹۳)

(۲) میرزا صاحب کے عہد میں دلی دالے اسی طرح بولتے تھے۔ اب صحیح تلفظ پیش رواج پا گیا ہے۔ (۳) حکمِ غلامِ بختِ حال کو دو سنہ ۱۸۵۷ء جمادی الاول سنہ ۱۲۷۷ھ کو لکھتے ہیں: "میاں" حقیقت حال اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اب تک جیتا ہوں۔ بھاگاہیں گیا، نکالاہیں گیا، لٹا نہیں، کسی ٹکے میں بھی لگا لٹا نہیں گیا، مصر میں مارپرس میں ہیں آما۔ آئندہ دیکھئے کیا ہوتا۔ (اردو دی، جمع لاہور ۱۹۳)

فقہ کو کھر کہا ہے: "میں نجیم محمد حسن خاں مرحوم کے مکان میں نو دس برس سے کرائے کو رہتا ہوں، اور یہاں قریب کیا دیوار بدیوار میں گھر چکیوں کے، اور نو کھر میں راجہ نرندر گھ بہادر والی پٹیا لکھ کے راجہ صاحب نے صاحبان عالی شان سے عہد لیا تھا کہ بروقیہ خاں دہلی یہ لوگ بچ رہیں۔ جناح بعد فتح راجہ کے باہی یہاں آ بیٹھے اور یہ کوہ محفوظ رہا۔ ورنہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں۔ مبالغہ نہ حاننا، امروہ عزیز سب ٹک گئے اور وہ گئے تھے، وہ نکالے گئے۔ جاگیر دار، مین دار، دولت مند، اہل حرفہ کوئی بھی نہیں ہے۔ مفصل حالات لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں، لہذا مان قلعہ پر تدبیر ہے، اور باز پرس اور دارگیر میں جتاہیں۔ مگر وہ نو کھر جو اس ہنگام میں نو کھر ہو گئے ہیں اور ہنگامے میں شریک رہے ہیں۔

میں غریب شاعر دس برس سے مارچ لکھنے اور شعر کی اصلاح دینے پر متعلق ہوں خواہی اس کو نو کھر یا کچھ خواہی مردوری جانو۔ اس فقرہ آسوب میں کسی مصلحت سے میل نہ دخل میں دیا۔ صرف اشعار کی خدمت کا لانا رہا اور نظر اپنی میگاہی پر نہر سے کل نہیں گیا۔ میرا نہر میں ہونا حکام کو معلوم ہے۔ مگر جو کہ میرے طرف مادی دہلیہ سے یا مجر دس کے بیان سے کوئی ات نہیں بائی گئی، لہذا ظہی نہیں ہوئی، ورنہ جہاں بڑے بڑے جاگیر دار لکھے ہوئے یا بچھے ہوئے آئے ہیں۔ میری کہا حقیقت تھی۔ غرض کہ اپنے مکان میں بیٹھا ہوں۔ دروازے سے ماہر نہیں نکل سکتا۔ سوار ہونا اور کہیں جانا تو بہت بڑی بات ہے۔ رہا یہ کہ کوئی پاس آدے، نہر میں ہے کون۔ گھر کے گھر بے چراغ پڑے ہیں۔ مجرم سیاست پاتے جاتے ہیں۔ جرنیلی سندو بست یا زہم مئی سے آج تک بھی شہدِ محم دسمبر سنہ ۱۸۵۷ء تک بدستور ہے۔ کچھ سک و بدکا حال مجھ کو نہیں معلوم۔ بلکہ ہنوز ایسے امور کی طرف حکام کو توجہ بھی نہیں۔

دیکھئے انجام کار کیا ہوتا ہے؟ (الضما: ۵۹)

شعبہ ۳ جنوری ۱۸۵۸ء کو لکھا ہے: "بھائی میرا حال یہ ہے کہ دفتر شاہی میں میرا نام مندرج نہیں نکلا۔ کسی مجر نے بہ نسبت میرے کوئی خبر نہ خواہی کی نہیں دی۔ حکام وقت بہر سہر میں

کوئی برادر کا کہوں تھا جو اس زمانے میں سوکھ کے نام کے ساتھ بولا جاتا تھا۔
نواب احمد بخش خاں کے لئے و بجاہ، خاندان حبیبی ملاحظہ ہو۔

احمد بخش خاں کے حاشیوں سے نواب شمس الدین احمد خاں بہادر والی فیروز پور، مرادپور، و جگر۔
اہل خانہ کی طرح مہرا غالب بھی ان سے نارہن تھے، اسی لئے ان کا نام نہیں لیا ہے
محمد ملاؤ الدین حبیب فرحت تخلص ساکن بمبئی کی ایک تعلیمی بیاس جامع مسجد بمبئی کے
کتاب خانے میں محفوظ ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ: ”یکے از نوامایں دہلی کشفزدلی و کنت
در عوض آل نواب راجہ نسی دادند۔ کسی شاعر در تاریخ او کفہ است۔ خوب گفت در صفت
مغالب کہا چرخ نے لوابی سہراب کو اکٹھا: ”لوابی سہراب: را منقلب کنند“ بارہ سے بادل
می سود۔ میں نے کشفزدلی کے فائل نواب سے، میرزا شمس الدین احمد خاں بہادر کی
طبت اسارہ جیال کہا تھا۔ مگر اس صورت میں ایک عدد کی جیسی ہوتی ہے، اس لئے
کہ نواب صاحب کو جھرات کے دن ۸ اکتوبر ۱۸۳۵ء کو سھانسی دی گئی تھی، جو ۱۲ جمادی
الآخرہ سنہ ۱۲۵۱ھ کے مطابق ہے۔ میرے والد کے تخلص دوست اور بخش کے میں پر فیسر
فدا علی خاں ایم اے مرحوم نے اپنی قواعد اردو (نسخہ خطیہ مصنف، ص ۱۵) میں اپنے دادا
محمد مظفر خاں گرم راجہ پوری شاگرد دوستی (متوفی ۱۲۸۰ھ = ۱۸۶۰ء) کے متعلق لکھا ہے کہ
”سنہ ۱۲۵۲ھ میں مصافات دہلی کے ردھا میں سے نواب سہراب جنگ نامی ایک رئیس
کو محرم بعد اوقات بھانسی دی گئی تھی۔ اس سانحہ روح فرسا کی تاریخ ذیل کے قطعے میں
جو دینے جیسے بالکل جدید یہ اسے میں یوں رقم کیا ہے۔

بے جرم و گنہ مسدود نواب کو اکٹھا
کیا چرخ نے لوابی سہراب کو اکٹھا
میں نے تاریخ کی کتابوں میں مصافات دہلی کے کسی اور نواب کی بغاوت اور سزا کے متعلق
تلاش کی مگر نام کام رہا۔ اس صورت میں بنا دہلی کی جاسکتی ہے کہ گرم مرحوم نے حسب عادت
شعر اس بے نظر تاریخ میں ایک عدد کی پیشی گوارا کر لی اور پرودفسر صاحب نے لوابی سہراب
سے۔ نواب سہراب جنگ نام سمجھ کر کھائے نواب شمس الدین خاں کے اس سے قطعے کو
متعلق کر دیا

یہ مات اور پڑا کر کے کی ہے کہ چری تاریخ کا بعین انڈیا آفس کی ایک بیاس سے ہوتا ہے،
جس میں نواب شمس الدین احمد خاں کی بھانسی کے متعلق لکھا ہے۔ ”بتاریخ ۱۳ بوم
بخشیدہ سنہ ۱۲۵۱ھ جمادی الثانی نواب شمس الدین حجت رسید شد۔ یعنی بہ تہمت خون فریور
انگو بڑا آن واسوی داد مدبردار کتبہ“ (مکتوب حساب مختار الدین احمد صاحب آرزو
نام عربی) اس اقتباس سے آرزو صاحب نے یہ نیچہ نکالا ہے کہ لواب صاحب کے معاملے میں
ایسے لوگ بھی تھے، جو ابیں بے گناہ اور بے قصور جانے نہ

جو مکہ فارسی میں نہیں ہے ۱۰ اور میرزا صاحب سے اس انگریزی لفظ کو
مصافات کیا سما، اس لئے قواعد اصناف کی غلطی سے بچنے کی خاطر اسے مفرد
کر لیا ہے۔

دیوان غالب مطبوعہ کی اصل بننے کا شرف حاصل ہوتا۔ ناہم دیوان غالب کے جس قدر ریڈیشن شائع ہو چکے ہیں، وہ سب کے سب، اپنی تکمیل میں نچر، راہپور کے رہین منت ہیں۔ (۶) یہاں معنی لفظ کے، ساقط معلوم ہوا تھا، اس لئے اضافہ کر دیا گیا ہے۔

صفحہ ۸

(۱) میرزا صاحب نے اس جگہ اس لکھا ہے۔ چونکہ اسی جملے کے بعد راہپوری سا ہو کار کے لئے اشارہ 'بعید احتمال' کیا ہے، اس سے یقین ہوا ہے کہ اس جگہ ازراہ سہو اُس کی بجائے اس لکھ دیا ہے۔

(۲) یہاں سے اگے کے الفاظ حاشیے پر ہیں، اور اگلے کے لئے (۱۵) کا ہندسہ متن کی عبارت کے خاتمے اور حاشیہ کی عبارت کے آغاز میں لکھا ہے۔

(۳) فردوس مکاں کے محولہ بالا فرمان کی نقل مثل میں شامل ہے۔ اس میں سے قابل مطالعہ حصہ یہ ہے: "مکرر آن کہ خط مولوی وجیہ الزماں خاں صاحب معتمد اس سرکار بنام منشی سہاب الدین کہ بھراہی، بریلی در آنجا رفتہ اند، ملفوظ میرسد۔ براہ نوازش بر ذلک مکتوب المہ فرستادہ جو بطلب فرمودہ بدست فاضل درانہ راہپور بایذ فرمودہ کو قاصد مذکور احداث اور سرکار وادیاقت و چون دریں ابام شورش سیل ترسیل مبالغہ بجز ہندوی یہ نجی منکوک ہست و احتمال در وصول نیز تنجیل؛ لہذا در صورت وصول و عدم وصول زرش مطلع مایذ فرمودہ" میرزا صاحب کے اس خط کے جواب میں سرکار نے ۱۵ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۳ھ کو ہندوی کا پیٹہ اور پہلے خط کی نقل رٹا فرمادی تھی۔

(۴) نصر الد بیگ خاں کے لئے دیباچہ، حامداں سببی ملاحظہ ہو۔

(۵) میرزا صاحب نے اس لفظ کا اطلاق جگہ لاؤ لکھا ہے، حالانکہ صحیح تلفظ لارڈ ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ولی دالے اس لفظ کو ڈ اور کے ساتھ بولتے تھے۔

(۶) لارڈ لیک سنہ ۱۷۴۴ء میں پیدا ہوئے سنہ ۱۷۵۸ء میں میل فوج میں نام لکھا با، اور مختلف عہدوں پر فائز رہ کر سنہ ۱۷۹۲ء میں جنرل مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۸۰۱ء سے سنہ ۱۸۰۵ء تک ہندوستانی افواج کے کمانڈر انچیف اور کونسل کے ممبر رہے۔ انہوں نے مرہٹوں سے جنگ کر کے ۱۸۰۳ء میں آگرہ اور ۱۸۰۵ء میں دہلی فتح کی۔ بعد فتح شاہ عالم تانی کے حضور میں ماریا ہوئے نو بادشاہ نے مصفاۃ الدردہ الشیخ الملک، خاندان خاں بہادر، فتح جنگ، خطاب عطا کیا۔ تاریخ ہندوستان: ج ۳ ص ۲۷۱، لیک نے انگلستان د، جس جا کر ۲۲ فروری سنہ ۱۸۱۸ء کو انتقال کیا۔

(۷) گز بیٹری آف انڈیا ج ۱۳: ۶۱ میں سوکھ مام کے ایک فصیحہ کا ذکر ہے جو شہر متھرا ۱۶ میل دور کبیر جانے والی سڑک پر واقع اور تحصیل دملع منھرا میں شامل ہے سنہ ۱۸۸۱ء میں اُس کی آبادی ۱۲۶ نفوس پر مشتمل تھی ماسندے لکھاتے تھے اور صاحب حیثیت تھے۔ پختہ بازار اور تیمر کی روکاروں کے مکانات جگہ جگہ نظر آتے تھے پیر اور منگل کو مازار بھی لگتا تھا تھانہ اور ڈاکخانہ دونوں قبضے کے اندر تھے۔

اگر یہ وہی سوکھ ہے جس کا میرزا صاحب نے ذکر کیا ہے، تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ سونا نامی

صفحة

(۲) نواب فردوس میکان نے اس عربی قصے کے جواب میں ۱۴ رمضان سنہ ۱۲۷۴ھ (۹ مئی سنہ ۱۸۵۸ء)

(۱۳) اصل میں نیہہ نچا ہے لیکن بہ سہو قلم معلوم ہوتا ہے اکبر کو اسی مدطر میں یہ لفظ مہرزا صاحب نے درست لکھا ہے۔

(۵) میرزا صاحب کے دیوان اردو کا نسخہ کتاب خانے میں موجود ہے ناپ ۱۱ ۱/۲، ۷ ۱/۲، اور اقد ۳۱

نقیر بیٹا ہے۔ اس نسخہ دیوان کے متعلق میرزا صاحب نے فحشی شیوہ برائین کو لکھا ہے: اب
ختم ستودہ دیوان ریختہ اتم داخل کہاں تھا؟ مگر ہاں، جس نے عدد سے پہلے لکھا کہ ذوالیوسف

سے لکھو اگر مجھ کو بھیج دینا۔ میں نے رامپور میں کانٹے سے لکھو اگر بسکٹ ڈاک خیار الدی خاں کو دلی بھیج دیا تھا۔" دارودی ۱۳۸۱ء بعد ازاں ۳ جولائی سنہ ۱۹۶۰ء کو اس کے مکمل ہونے کے بارے

دیوان میں نہیں؟ اس طے نسبے اب اسی خاطر جمع رکھیں کہ کوئی مُصرع میرا اس دیوان سے ماہر نہیں ہے۔ معینا اُن سے بھی کہوں گا اور وہ غزلیں اُن سے سنا کر دیکھوں گا۔

سے لایا ہوں، اور وہ اگر گھریا ہے۔ وہاں منطبع ہوگا۔ ایک نسخہ تمہارا ہے پاس بھی بیچ جاگا۔
(الجبہ) ۱۲۶۶ لیکن شیونرائیں نے طباعت میں تاخیر کی، تو میرزا صاحب نے آغاز ۱۲۶۸ء

کابود میں چھو اگر شائع کی سٹیو نرائٹ کا نسخہ سرورن کی تازہ نسخہ کے مطابق سہ ۶۳ء (۶۱ میں لکھا جانا شروع ہوا، اور غالباً اسی سال میں چھپ بھی گیا، مگر وہ دیر نہ کیے، نسخہ را پورہ کو

- (۴) اس سے وہ قصیدہ مراد ہے جو ابھی نمبر پر گزر چکا ہے۔
 (۵) سفتیچہ ہنڈی کو کہتے ہیں۔ اصل میں یہ فارسی کا لفظ سفتہ ہے جس کے آخر میں تصغیر کے لیے چہ بڑھائی لگتی ہے۔ عربی میں سفتہ کو سفتیچہ کہتے ہیں۔

صفحہ ۶

- (۱) یہ پرانا میادریہ خود میرزا صاحب کے صرف چند خطوں میں نظر آتا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلنا ہے کہ ان کی زندگی ہی میں فصاحت دہلی اس سے بچے لگے تھے۔
 (۲) یہاں پر ”اس“ کی جگہ ان ”ہونا چاہئے“ اس لئے کہ اوپر سو و دل کا ذکر ہے۔ غالباً میرزا صاحب کے ذہن میں لفظ آگیا جس کا ابھی ذکر ہو رہا ہے اس کے خیال سے جمع کی جگہ واحد صیغہ استعمال کر گئے۔
 (۳) لفظ کی طغرائی شکل ہے۔ اکثر بیہ گرات کے خاتمے یا پورے مضمون کے خاتمے پر بنائی جاتی تھی۔ میرزا صاحب نے بھی جگہ جگہ اسے استعمال کیا ہے۔ میں نے سہولیت فرات کے خیال سے اسے ”سہولت“ لکھا ہے۔
 (۴) تیسرے اور چوتھے عریض کے جواب میں نواب فردوس مکال نے ۳ رجب سنہ ۱۲۴۳ ہجری بمقام چاند آباد کو تحریر فرمایا: ”..... دو قطعہ صحیفہ مشعر بھی مشعر ترسیل قصیدہ مضمون انتظار وہم در جواب رفته الوداد رسید انتحار و سفتیچہ مرسلہ انجا و نانی مع اشعار مذکور بعد نظر اصلاح و تجویز چند الفاظ جہت مخلص مخلص با یہی می پسند از آنجمله بمصاحف میرزا صاحب و عبارات دہلند متواتر بسبیل ڈاک ٹکٹ روانہ آرائی جہ و وصول فرحت مشمول گردودہ و مطالعہ قصیدہ نادرہ فصاحت بصب که اگر ہر شعر تنزیش را گنجینه معانی و معدن لایانی سخندان خوانی بجای و یا گلدستہ برجستہ چہستان علوم و کمالی نامند نہ بیا، غواص فکر و بحر رخا را استعارہ رانکات مبین مستغنی گرداب نارسائی و ادہام عطائی زمان بدر باقیب خوبی و طاعت آل خاندان مراد معترف کو تاجی، فصاحت عربی و خاقانی، بمقابلہ مساند و بر حسی مضامین مزہربت اکسمل چرخ، و معانی عیش فرین در الفاظ نادرش چون زلف ماہر دیاں سج در یخ، البواب افادہ و انشراح بی اندازہ بر روی دل صفا منزل کشود و زنگک کتالین طبعی از سنجلی خواطر مستفاد از نزد و غزلیات کہ بنظر اصلاح آہن کہ بیار اس آشنا شد۔ فی الفور بصورت طلا مند فائز گشت لطف شہند، مخلص صمیم مشکور الطاف و بذل توجہات سیاباب آل سعنی الصفات گردید العظمت للہ! تغیر و تبدل الفاظ نادرہ و در اشعار مذکور جو نقش مرکبیں رہبتنا را گرفت و طلای صبح جام بر جگہ فیض عام جلوہ بند برمت و معملہ الفاظ بکلیں لفظ ”ناظم“ مطروح طبع نیاز گشت“

- (۵) اس عریض کے جواب میں نواب صاحب نے ۲۵ رجب سنہ ۱۲۴۳ ہجری ۲۴ مارچ سنہ ۱۲۵۴ کو تحریر فرمایا: صحیفہ مسرت آگئیں۔ مشیر رسد رقیۃ الوداد لکہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم عبارات اردو لیدر ملاحظہ جاک شدہ باستند۔ وصولی نشاط سمول گردودہ منعھا حسب الارحام سامی صحیفہ موصوفہ بعد استفاضہ مضمونش جاک بمودہ شد۔ و آئندہ ہم دوبارہ بمحکمہ صاحب نبیل ایمائی سامی ملحوظ خواہد ماند! اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ میرزا صاحب کی یہ خط و کتابت بمصرہ راز بھی، ورنہ ۱۵ فردری سنہ ۱۲۵۴ عکاظ بھی ۱۔ دو ہی میں تھا۔ اس کے

عدالت دہلی استغفا کردہ خود را از تنگ و عار دار ہاند۔ حقا کہ اگر پایہ علم فاضل و دانش و کنش مولوی فضل حق آن مایہ بجا ہند کہ از صد یک ادا ماند، و باز آن پایہ را ابشرشتہ داری عدالت دیوانی سنجند، ہنوز این عہدہ و دین مرتبہ دی خواہد بود۔ (کلیات نشر: ۱۴۷)

(۳) اس عریفے میں میرزا صاحب نے جس سابق تعلق کی طرف اشارہ کیا ہے وہ رشتہ استاد دی تھا۔ نواب فردوس مکاں، اپنے والد ماجد کی تحت نفی سے پہلے دہلی میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ ان کے چچا نواب سید عبداللہ خاں بہادر، صدر الصدور میرٹھ، اور نواب سید عبدالرحمن خاں بہادر میرزا صاحب کے محبت خاص تھے۔ غالباً انھیں دونوں کے حسب تجویز، نواب صاحب نے میرزا صاحب سے فارسی کی تعلیم پائی۔

اس عریفے کے جواب میں نواب صاحب نے ہ فروری سنہ ۱۲۷۰ء کو اتمام فرمایا: ایفۃ بلا غنت آگین مشعر سید خط مولوی صاحب مخدوم مولوی محمد فضل حق صاحب بادگیر مرآت محبت اشتاق لبھارت رنگین و دقیق در عین انتظار سرمر کش عیون وصول نشاط منہول گردیدہ باطلاع خیر تنہا سراپہ سرور نا محصورا فرودہ، از مزید شغقت و اتیلا ت قلبی منعور شد۔ شفقاً ہر چند کہ کاتب را اتفاق موز و نیت یک مصرعہ ہم نشدہ بود، لیکن محض بھبت ساعیت کلام ساری زبانی مولوی صاحب صدر الوصف دلم خواست کہ طریقہ رسل و رسائل جاری شود۔ چوں سبلی بازیں نظر ترا سیکہ لہذا چند آیات و اہیات موز دن نمودہ، تیر صد اصلاح پیش آن بگشاہ آفاق رسل گشت چشم داشت کہ بعد اصلاح، غزلہای مذکور مع کلام طرح جدید لطف فرمودہ شوند۔ از اسجا کہ انجات شیرینی ہم درین خصوص از دستور است، لہذا ہند دئی مبلغ دو صد و پنجاہ روپیہ تبریک بینی لقب رفیتہ نمودار دہا میرسد۔ بمقتضای اطراف منظور فرمودہ از رسیدن مطلع فرامیند و مخلص رایل و نہار ہمتی اخبار اختیار تصور فرمودہ، اکثر ایصال نمائے انا تفتخ خبریت و تائق لبھارت سلس، کہ در خواندنش تا ملی بوقوع بناید۔ مسرور و مکن میفرمودہ باشند۔ صفحہ ۵

(۱) اس قصیدے کے لغافے پر میرمنشی صاحب لکھتے ہیں: "قصیدہ ہانا اگر گو ہر جان فرم بتاریخ ۱۹ سنہ ۱۲۷۶ ہجری میرزا نوشہ صاحب بحضور پر نور گذر پایہ شدہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کے قیام رامپور کے زمانے میں نواب صاحب نے قصیدہ دارالانشاء سے منگا کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ چونکہ اس کا منہا نقل ہونا محقق تھا، اس لئے کلیات فارسی (ص ۳۲۵) سے یہاں نقل کر دیا گیا ہے۔ قصیدے کے متعلق نواب صاحب کی رائے جو تھے عریفے کے حاشیے میں درج ہو گئی۔ پتے کے نیچے میرزا صاحب نے لکھ ہے: "راز غالب مکرنگ، مکرنگ از روز، احتیاط، چار شنبہ، یازدہم فروری سنہ ۱۲۷۵۔" روایتی قصیدہ کی یہی تاریخ تسمیرے عریفے میں بھی مذکور ہے۔

(۲) مولانا فضل حق خیر آبادی مراد ہیں۔

(۳) ڈاک خانے کے اس نئے بندوبست سے میرزا صاحب کا مطلب وہ نیا انتظام ہے جو لارڈ ڈیوی کے عہد میں عمل میں آیا تھا۔ سرئے انتظام کے وقت کچھ دشواریاں ضرور پیدا ہوتی ہیں، بعد ہنیں کہ اس نظم سے بھی لوگوں کو شروع شروع میں پرستش و وقت اٹھانا پڑی ہو۔

حواشی

صفحہ ۳۸

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب عرائض کے لغافوں پر لکھا کرتے تھے۔

صفحہ ۳۹

(۱) میرزا صاحب کے اس قطعہ تاریخ کا پتا نہیں چلا۔

(۲) مولانا فضل حق، مولانا فضل امام صاحب کے صاحبزادے اور خیر آباد کے رہنے والے تھے

سنہ ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ء) میں پیدا ہوئے اور ۲ صفر ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ء) کو انڈمان میں دہات پائی۔ موصوف نے علوم عقلیہ و نقلیہ اپنے والد ماجد سے اور حدیث مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی سے پڑھی تھی۔ امیر مینائی لکھتے ہیں:

”فزون حکمیہ میں مرتبہ اجتہاد، بڑے ادیب، بڑے منطقی، نہایت ذہین، نہایت ذکی، خلیق دذلیق، انتہا کے صاحب تدقیق و تحقیق، جس شہر میں آپ رہتی افراد ہوئے صد ہا آدمی ہر اندوز ہوئے۔ شاہجواں آباد میں اگرچہ عدالتین کے سررشتہ دار تھے، مگر بڑے ذی اقتدار و صاحب اختیار تھے۔ ججہ میں مشاہیرہ جلیلہ پر نوکر رہے۔ انورا در سہارنپور اور ٹونک سب جگہ معزز و موقر رہے۔ لکھنؤ میں صدر الصدور تھے، اور اس دارالریاست (رامپور) میں پہلے محکمہ نظامت اور پھر مرائعہ عدالتین پر مامور تھے۔ جناب نظام نواب فردوس مکان کو بھی آپ سے تکرر رہا ہے، اور ہندوگان حضور (نواب خلدائیا) نے بھی کچھ پڑھا ہے۔ آٹھ برس بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ رہے۔ پھر یہاں سے تشریف لے گئے۔“ (انتخاب یادگار : ۲۹۱)

مولانا کی تصانیف یہ ہیں: (۱) مجموعہ قصائد عربی (۲) رسالہ غریبہ (۳) رسالہ انتفاع النظر (۴) یہ سعدیہ۔ آخری کتاب نواب سید محمد سعید خاں بہادر کے نام پر نواب فردوس کے لیے لکھی گئی تھی۔ میرزا غالب ان کے مخلص دوست اور معتقد خاص تھے۔ مولانا نے سررشتہ داری عدالت دہلی سے استعفا دیا اور نواب فیض محمد خاں کی دعوت پر مجبور تشریف لے جانے لگے، تاہل دہلی کو بید تلقی ہوا۔ میرزا صاحب مولوی سراج الدین احمد کے نام خط میں مولانا کی علمی منزلت کے متعلق تحریر کرتے ہیں: ”منقہ مبدا کہ چلے تمیزی و قدر شناسی حکام رنگ آں رحمت کہ فاضل بے نظیر و المعنی یگانہ، مولوی حافظ محمد فضل حق، از سررشتہ داری

(۱۳۰)

مشفق اور مکرّمی محمد حسین خاں صاحب کو غالب آزرده دل کا سلام پہنچے
 آج بھی آپ کا ایک خط آیا۔ کئی اخبار آپ کے پھیرے، کئی خط آپ کے پھیرے
 اور آپ اخبار بھیجے جاتے ہیں۔ اتنی! آپ کا خط خط تھا، یا کوئی بھوٹ کی
 پوٹ، بیشتر مجذوبوں کی سی بڑ، اور جو کچھ سمجھ میں آیا، وہ غلط اور دروغ
 اور بھوٹ۔ یہ غلط محض ہے کہ مطبع "حضور کا ہے اور تم مہتمم ہو حضور کی طرف
 سے۔ اللہ۔ اللہ! دیکھئے سنگھ" کی تعریف میں کہیں سارا ایک صفحہ کہیں سارا ایک
 ورق سیاہ کرتے ہو، اور اپنے والی ملک اور اپنے پادشاہ یعنی امیر المسلمین
 نواب کلب علی خاں بہادر کے نام رکھے "آگے یا نام سے پہلے کوئی دو تین لفظ
 تعظیم کے لکھتے ہو بس، اور اس قباحت کو نہیں سمجھتے کہ اگر یہ اخبار حضور کی طرف
 سے ہے، تو گویا دیکھئے سنگھ" کی تعریف بھی حضور کی طرف سے ہوگی ہندوستانی
 عملداری میں وہ ایک زمیندار اور مالکدار تھا۔ اب گورنمنٹ ہند نے اس کو جاگیردار
 مستقل کر دیا۔ اور نواب محمد علی خاں، رئیس ٹونک کا ہر اخبار میں ایک مرثیہ
 لکھتے ہو، اس سے معلوم ہوا کہ تم طرح طرح سے اطراف و جوانب و رئیسوں
 سے بھیک مانگتے ہو۔ بھائی، "یک درگیر و محکم گیر" اگر حضور کے نوکر بھی نہیں ہو
 تم، تو آخر رعیت تو ہو۔ یہ کیا ہے کہ اپنے پادشاہ کا ذکر سب سے پیچھے لکھتے ہو
 کبھی صفحہ پر کبھی حاشیے پر؟ ہم نے ان باتوں سے پزار ہو کر تمہارا اخبار موقوف
 کیا ہے، اور اب پھر تمہیں لکھتے ہیں کہ دو ہائی خدا کی، میں یکم جنوری ۱۸۶۸ء
 سے دبذب سکندری کا خریدار نہیں ہوں! نہ بھیجا کرو، واسطے خدا کے نہ بھیجا
 کرو! اس سے زیادہ کیا لکھوں!

(مہر: غالب، ۱۲۷۸ء) (۲۵ فروری سنہ ۱۸۶۸ء)

تتم بالخیر والحمد لله اقلًا و آخرًا

بنام مولوی محمد حسین خاں بالک مطبع

[مولوی محمد حسین خاں، ابن مولوی محمد حسن خاں، ابن شاہ محمد خاں مہند افغان
 مامپور کے ایک شریف و باعزت خاندان کے فرد تھے۔ ان کے پردادا، نواب
 سید محمد فیض اللہ خاں بہادر کے ہمراہ افغانستان سے تشریف لائے اور پٹنہ
 میں بعدہ جمعداری مقرر ہوئے۔ مولوی محمد حسن خاں نے تیغ میاں کاں کو قلم سے
 تبدیل کر لیا، اور اُس زمانے کی مروج تعلیم حاصل کر کے نواب فردوس خاں کے
 حسب ایما سنہ ۱۸۵۶ء میں مطبع حسنی قائم کیا۔ بعد ازاں نواب خلد آشیان کے
 حسب احکم ۱۲ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۸۳ (۱۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ء) کو اخبار
 دیدہ سکندری کا پہلا پرچہ شائع کیا۔ مولوی محمد حسین خاں نے مولوی محمد حسین خاں کو
 اپنی زندگی ہی میں مطبع کا مہتمم اور اخبار دیدہ سکندری کا مدیر بنا دیا
 تھا۔ منگل کے دن ۲۹ شعبان ۱۲۸۳ھ کو ان کا انتقال ہو گیا، تو چند سال تک
 ان کے چھوٹے بھائی مولانا شاہ فاروق حسن خاں صاحب صابری، رحمہ اللہ نے
 اپنے مشاغل طریقت کے ساتھ دیدہ سکندری کو بھی مرتب کیا کچھ مدت بعد
 سے فرائض ادارت اُن کے فرزند اکبر مولانا فضل حسن خاں صابری انجام
 دے رہے ہیں۔ مؤرخ الذکر بزرگ نے اپنے گرامی نامہ موسومہ عرشی میں
 تحریر فرمایا ہے: ”اخبار دیدہ سکندری کی ہندوستان بھر کے اخبارات
 میں یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ ۴۷ سال کی مدت مدید میں برٹش
 گورنمنٹ اور لوکل گورنمنٹ نے کبھی اس کے ایک حرف یر نہ کوئی
 اعتراض کیا، نہ اس سے کبھی ضمانت طلب ہوئی، نہ اس پر کسی نے
 آج تک کوئی مقدمہ چلایا۔“ دیدہ سکندری، ج ۴۰، نمبر ۳۵، ۱۳،
 مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۰۴ء]

یہ تینوں آدمی اُس کی دُعا کیوں اڑا ڈالتے، حال آنکہ فیضی و ابوالفضل
اُس کے دشمن تھے۔ پس جب ان دونوں نے باوجود عداوتِ امتِ سرائے
نہ کیا، تو اب عرقی پر کون اعتراض کر سکتا ہے؟ عرقی کی زبان سے جو کچل
جائے، وہ سند ہے۔ ہمارے واسطے وہ ایک قاعدہ محکم ہے۔ وہ مطاع
ہے، اور ہم اُس کے مقلد اور مطیع ہیں۔ غالب

اُسی دن یا دوسرے دن اپنے مختار کار کے ہاتھ، کہ وہ بھی مہاجن ہے، بیچ ڈالتا ہوں۔ مگر اُس مختار کار کو، جس کے ہاں ہندو سی آئی ہے، اُس نے روپیہ اب تک نہیں دیا۔ ۸ ستمبر کو وہ ہندو سی بیچ کر روپیہ میں نے لے لیا تھا، اور آج ۱۸ ہے۔ مختار کار کو روپیہ اُس نے اب تک نہیں دیا۔ جس سے تم نے ہندو سی لکھوائی ہے، اُس کو تم تاکید کرو کہ یہاں کے مہاجن کو روپیہ دینے کی تاکید کھئے، تاکہ مختار کار روپیہ پٹ جاوے۔

(مہر: غالب ۱۲۷۸ء)

سید فرزند احمد بلگرامی صغیر تخلص۔ یہ سید نور الحسن خاں بلگرامی کا پوتا اور صاحبِ عالم، پیرزادہ، ماڑ پڑہ، کانوا سا ہے۔
حالی تخلص، مولوی الطاف حسین، سن پت کے رئیس، عالم، شاعر نواب مصطفیٰ خاں کے رفیق۔ قصیدہ عربی ۲
تیسرے قصیدے کے خاتمے پر شاعر کا نام و نشان مرقوم ۳

۱۲۷

منشی صاحب سعادت و اقبالِ نشان، عزیز تر از جان، منشی سیلچند کو صغیر غالب کی دعا پہنچے۔ کیوں صاحب، ہم نوتم کو اپنا فرزند سمجھیں، اور تمہارا یہ حال کہ مرا کم سن و زندگی بجا نہیں لاتے، خطا لکھنا تم نے یکم قلم موقوف کر دیا۔ اور بھائی بے تکلف لکھنا ہوں کہ مجھ میں اب دم نہیں ہے، نہ طاقت باقی ہے، نہ حواس درست ہیں آج کے نواب صاحب کے خط میں دو جگہ غلطیاں ہوئیں مجھ سے لکھنا کیونکہ چاہتا ہوں لکھ کچھ جاتا ہوں۔ بس اب نو یہ نوبت پہنچی ہے کہ آج بچا کل مرا، کل بچا پر سونا مرا۔

اس خط کا جواب، مجھ کو جلد لکھو، اور اس میں یہ لکھو کہ احسان حسین خاں اور ان کے بھائی مظفر حسین خاں جو لکھنؤ سے آئے ہیں، نواب صاحب کی سرکار سے ان کا کیا دریاہ سفر ہو رہا ہے، اور تعظیم، نو تیسر کا کیا رنگ ہے، دربار میں جو آتے ہیں، تو بیٹھے کہاں ہیں؟ اس خط کے جواب کا طالب غالب۔ ۱۱ جون

۱۲۸

برخوردار، نور چشم، منشی سیلچند صغیر منشی کو بعد دعا کے یہ معلوم ہو کہ اگلے مہینے یعنی اگست سنہ ۱۸۶۸ء کی، تنخواہ کی ہندوی جو تم نے بھیجی تھی، اس ویسے اب تک نہیں پتا میر جس دن بند دی آتی ہے،

حال کچھ نہیں لکھتے، اور میرا دھیان لگا ہوا ہے خدا کے واسطے، تم مفصل حال لکھو کہ کیا عارضہ باقی ہے، اور صورت کیا ہے؟ دربار بدستور ہوتا ہے یا نہیں؟ سوار ہوتے ہیں یا نہیں؟

زین العابدین خاں نے جیپور سے اپنے اشعار اصلاح کے واسطے میرے پاس بھیجے۔ میں نے اصلاح دینے سے انکار کیا، اور اشعار ستر کر دیئے ان کا خط اور اس کی پشت پر اس کے جواب کا مسودہ اس خط میں لپیٹ کر تم کو بھیجتا ہوں۔ پڑھ لو، بلکہ اگر موقع اور محل پاؤ، تو حضور کو بھی پڑھاؤ والد اسد اللہ خاں غالب۔ ۱۲۔ مارچ سنہ ۱۸۶۵

۱۲۵

منشی صاحب سعادت و اقبال نشاں منشی سیلچند صاحب میرنشی کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ یہ خط^۲ میں نے ایک ستبار دز کی فکر میں حضور کو لکھا ہے مگر مسودہ جو ہر بار کچھ کا کچھ ہوتا رہا، اس سبب سے میرے پاس نہیں رہا اور خدا کی قسم، کہ میں اب بہت ناتواں ہو گیا ہوں؛ یہ خط^۱ لپیٹے صاف کیا ہے اور اس تحریروں کو مجموعہ نثر میں رکھا جا رہتا ہوں۔ آپ اسکی نقل کر کے مقرر^۳ رحمہ کو بھیج دیجئے گا۔ بڑا احسان تجھ پہ ہوگا۔ اسد اللہ فقط

۱۲۶

منشی صاحب سعادت و اقبال^۴ نشاں منشی سیلچند صاحب، طال عمر؛ تین صاحبوں نے اطراف و جوانب سے تین قصیدے میرے پاس بھیجے ہیں حیران ہوں کہ کیا کردں! اگر حضور میں نہ گزرا توں اور ان کو لکھوں کہ میں نے گزراں دیے، تو جھوٹ بولنا ہوتا ہے اور میں جھوٹ سے بیزار ہوں۔ گزرانے ہوئے مجھے شرم آتی ہے، ادب رخصت نہیں دیتا۔ ناچار وہ تینوں قصیدے تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ یہی ان صاحبوں کو لکھوں گا کہ میں نے میرنشی کو عہدے کر دیئے۔ فقط

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیلچند صاحب میر منشی سلمہ اللہ تعالیٰ
بعد دمای دوام حیات و ترقی درجات معلوم فرمائیں۔ اگرچہ از روی خطوط
حضور صحت و عافیت حضور معلوم ہوئی ہے، لیکن یہ کہیں سے نہیں سنا کہ
غسل صحت کیا، یا کس دن کر س گے، آپ سے بہ فقیر کا سوال ہے کہ کب کو کیجئے
کہ حضرت غسل کس دن فرمائیں گے۔ اور اگر موافق میری آرزو کے نہ ہیکے ہوں،
تو غسل کی تاریخ سے اطلاع دیجیئے۔

خیر و عافیت کا طالب، غالب، ۲۵ دسمبر ۱۸۶۴ء

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان، منشی سیلچند صاحب میر منشی کو خدا
سلامت رکھے۔!

ادۂ تاریخ غسل صحت کو رقم نے غور نہیں کیا ۱۸۶۶ء دہونے ہیں پھر کیا
حضور سال آئندہ غسل صحت فرمائیں گے؟ یہ تو جنوری سال ۱۸۶۵ء ہیں۔ اس
تاریخ کا قطعہ کیونکر لکھوں؟

یہ جو میں نے قصیدہ تہنیت^۳ لکھ کر بھیجا ہے، منشا اس کا یہ ہے کہ شاہ کبیر الدین
صاحب رامپور سے آئے، اور انہوں نے کہا کہ نواب صاحب جمعے کے دن
ساتویں تاریخ شعبان کو نہائیں گے۔ اب تمہاری تحریر سے معلوم ہوا
کہ ماہ آئندہ یعنی رجب، میں نہائیں گے۔ خیر، وہ کاغذ تو حضور کی نظر سے
گزرے گا۔ اگر موقع پاؤ، تو حضور میں یہ ماجرا عرض کر دینا کہ میں نے بموجب
روایت شاہ کبیر الدین کے اس کے ارسال میں جلدی کی ہے۔ غالب

۱۹ جنوری سنہ ۱۸۶۵

منشی صاحب، عجب اتفاق ہے کہ حضور اپنے خط میں اپنے مزاج مبارک کا

”بمطالعہ منشی صاحب سعاد و قبائل نشان منشی سیلچند صاحب“

”مایر منشی مملہ اللہ تعالیٰ مفتوح ہا“

[منشی سیلچند راجہ کنور سین کی اولاد ہیں کنور سین قوم کے کابیتھ اور نواب سید علی محمد خاں

بہادر فوج روہیلکھنڈ کے معتمد سردار تھے قلعہ سرہند کی فوج میں اپنے دلی نعمت کے ہمرکاب خدمات تائید انجام دے کر بادشاہ دہلی کے دربار سے راجہ کا

خطاب حاصل کیا۔ روہیلہ سلطنت کے ٹکڑے ہوئے اور نواب سید حسن الدہ خاں

بہادر ریاست راجپور کے دلی بکر اس خطے میں تشریف لائے تو ان کے ہمرکاب

تمام وفادار سرداران روہیلہ کے ساتھ منشی صاحب کا خاندان بھی نکلا۔ منشی سیلچند

کی تاریخ ولادت اور حوالے پیدائش کا صحیح حال معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ۲۹ دسمبر

سنہ ۱۸۹۴ء کو ان کی عمر اکیاسی سال کی تھی۔ اس حساب سے سال ولادت

۱۸۱۳ء قرار پاتا ہے۔ ان کا ابتدائی گھر نواب سید احمد علی خاں بہادر کے

عہد حکومت میں بہمدہ ناظر نظامت ہوا بعد ازاں عامل دیکھ بھلدار مقرر ہوئے

۱۸۴۴ء میں ان کے والد نے وفات پائی، تو ان کی اسائی پر محکمہ دادالانشاء میں بدل دیئے

گئے۔ بعد سنہ ۱۸۵۷ء میں ریاست کی طرف سے خبر سانی دفرابھی رسد وغیرہ کا کام انجام دیا،

اور نواب گورنر جنرل بہادر سے بصلہ خدمات دربار فوج گزارہ میں دو سالہ انعام میں پایا۔ نواب

فردوس مکار نے بھی ان کی خدمات کی تعریف میں روکار جاری فرمایا اور تلوار علی کی نواب

صاحب کی وفات کے بعد خلد اشباں اور نواب عزیز آسنیاں نے بھی ان کی بہت مدد و منزلت

فرمائی۔ بالآخر پانچ دایان ریاست کی خدمت کر کے ۲۹ دسمبر سنہ ۱۸۹۴ء کو ۸۱ سال کی عمر میں

راجپور میں انتقال کیا۔

منشی سیلچند کو فارسی میں دست نگاہ کامل حاصل تھی اور ملا غیاث الدین راجپوری مولف غیاث اللغات

سے شرف تلمذ تھا۔ شعر بھی کہتے اور منشی تخلص کرتے تھے!

اسکی مطلوب میں پہنچے نہ کیونکر بیتاب
قتل کے بعد بھی خوش سمجھے نہ جلا درہے
کے مقتولوں

نہیں تلوار کے نئے کی بھی اب کچھ حاجت
بترے ابرو کے اشارہ نے مارا قاتل
سے ہی

دیکھنے کو جو ہم عشاق کی محفل آئے
سب پکار اٹھے کہ لومرشد کامل آئے
ہم جو کہ دیکھے "جو ہم غنا" میں سن تیلیسے گرما ہے۔

ہوں وہ میکش جو کہیں ہو س ہو دوزم کرو
مبکہ لینے کو مبرے کئی منزل آئے
کبھی

نصیبوں کی خواہ وصل کی خوبی دیکھو
کہ وہ آئے بھی تو اغیار کے شامل آئے

یہی تیرے سوا کتے ^{شب} وہ فریاد کرے
جب کہ بیتاب پہ مولا کوئی مسک آئے
کرتے

وہ بات کرو جتنے نہوں نالہ و انہاں
بچپن ادھر رہتے ہو تم اور ادھر ہم
جسے

کہوں کیا یوں جتانے کی نہیں ہے
رقیبوں کے سنانے کی نہیں ہے
وہ ماں اسکا چیلے
تمہیں سچ باور آنے کی نہیں ہے
پرواغت بھی دکھانے کی نہیں ہے
مری
رک جھسے کسے ہری بلا میں
وہاں رقیبوں سے گرم صحبت یہاں امید و نای وعدہ

ہے ایک طعنے ہی یہ تماشا، تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش
بہ طرفہ نور
محبت تری اسکی نفرت پڑھی
یہ کیسا پڑا اب دل زار پیچ

مسرور ہوں اغیار، خدا کی قدرت!
اور بیٹھے رہیں بزم میں تیری ظالم
ان سے ہو تر اپیار، خدا کی قدرت
ہم شکل گنہ گار، خدا کی قدرت
حکے
غافل نہ کر اپنی رسیدگی کو تو خراب
دیکھا

یا الہی! یوہنی وہ بوسر بیدار ہے
میرے کچھ ہم تو، نہ غیروں کی بھی بنیاد ہے
مٹ گئے
گویو نہی ٹھہری کہ گلزار نہ آباد ہے
بہلو، کوچ کر میں، باغ میں صیاد ہے
بیلیں

ضعف میں رگ تو کہاں، ہاتھ نہیں ہاتھ آیا
کیوں تری فد سے حیرت میں یہ فساد ہے
فقد
فصاد

مکاتیب غالب

اور شجاعت کا یہ عالم ہے کہ زہرہ ہو آب
دیکھ لیں حضرت سیم اگر اس کی تمثال
لے رستم دستان

ہو یہ جبرت، میں نہیں تھا کہ زمیں پر لٹا
عرش کی سیکار اکب کو گر آملے خیال
کہ میں یہاں یارب

وعدہ کیا تھا وفا ایک جولا نکستے
عہد کا نقض ہو عہد میں دس کے ہنگامہ
جولا نکستے ملا، جولا نکستے میج۔

بھوکے پیاسوں کے خور و خوش کے کہوں تھے نہ دن
یہ مسلم ہے کہ بعد رمضان ہے شوال ۱

فلک پر کوئی اڑ جائے، بسہ ری
نفسیوں میں سواد دگن ز میں ہے
یہ آخر

یہ سچ، تحسین کے قابل میں معشوق
مگر عشاق میں بھی آفسرب ہے
کو

جناب غازی و دلا کا بیتاب
خلو میں طمع سے اب غو نہ میں ہے
کلام حسرت، غالب دراز عناما زور ہے

اے دل، تو اس کو دیکھ کے ایسا پھسل گما
جبرال میں کہ پہلو سے کو نگر نکل گما
سنے

دل پر بنی ہوئی ننھی اہل کے نہ آنے سے
اسماں یہ آہنی تو ذرا دل بنجمل گیا
م

کیسا مزاد کھاتے ہیں ہم بھی تو ٹھہر جا
تقریریں کر کے روز بہ راج، تو بلی بجا
شہر

پتھا ہنسے وہ نیزاب کی کیوں مئے میرے ہم
ہم لے دل بردارے پھر کھابہ جو مریم
ہیں

شتری و فیلی و مائے ہیں نفیر و نو بہت
دوت دئے، تاشہ دہل، جھانج، ترم ہے طنہ نور
لنگیئیں تاش تمامی کی ہیں باندھے سقے
ہیں ہزارے چڑھے اور عطر سے مشکیں معمور
لنگیاں

کر دایں فخر قصائد چو رستم خامہ من

و جد گردند چہ خاقانی و عرفی در گور

حائزہ قصیدہ ہندی شعر ماری، خصوصاً وقتے کہ لفظ کور فایہ باشد

ماسب نیست

لہذا محمد کہ اب چرخ ہو اینک خصال
ترک اس نے کئے وہ پہنے قدیمی افعال

لے دے

راہ میں ٹھو کریں کھاتے ہیں پڑے علی گھر
خزف سنگ سے بے قدر ہیں دینار و دریاں

خزف بمعنی ٹھیکری کے لفظ فارسی اور اٹا اسکی ز سے ہے۔

ناچ گانے ہی کی ہر سمت سے آتی ہے صدا
مستثنیٰ بادہی اب برج ہے اگر کہ جہاں

بھی

ہے کسی جا پہ بھگت، ریس کہیں ساگ کہیں
کہیں کہیں کہیں کتنک ہیں کہیں ہیں توں

رس

کوئی باعث بھی تو ایسا ہی قوی ہے ورنہ
اس کی عادت سے تو یہ بات تھی اس سماج

البتہ

لے اسرار سے واقف ہے توئی لے پرفن
سمجھ تیرے کوئی پہچانے بے کس کی محال

یہ کس کی

ہن چڑے صانع قدر سے بھگت و ایک نقشہ
کھینچتا اور بھی کچھ سکتیں گر ایسی انکال

اگاہ

کچھ

یہی نقشہ

دیکھ کر اس کی عمارت کو ظہور ہے دنگ
لکھے ایسا، نہیں یا قوت رقم حال کی بجا

زینب زینب کا اس دہریہ کی کیا کہنا
صانعِ گل کی بچہ تعلیم، ملائک کا شعور
چاندنی رات کا توفکر ہی کیا اصل علی
یہ الفز پر فائز ہے شبِ تار کا نور
کیا ذکر ہے! اللہ اللہ
تختے جو محتاج جہاں ہیں وہی ہیں فی تقدیر
کو کبود ہونڈھتے پھرتے ہیں کہ دیں کس کو زکات
د: ایسے ہوئے
کوئی دعوت سے مسافر بھی نہ محروم رہا
بادشاہوں کے پیالے بھی تو نہ بھتا یہ دن
ہاں جہاں کا سہی
اس قدر کھانے کی افراط ہے اور پانی کا قحط
دیکھو جس جاہ کو، شربت سے ہر منہ نکر
ہے میرے
کس سلیقے سے ہے آراستگی ہر ہوشی کی
مہتمم بزم کے آج اپنا دکھاتے ہیں شعور
تھاپِ طبلوں کی بجبتی ہے فلک پر پیہم
لہر سارنگیوں کے سن کے ملک ہیں مرقع
ع
حشر تک کان سے نکھلے گی نہ نغمے کی صدا
یہ خیال آپ کو گا اک تان ہے شور سنو
سے
تھاپِ طبلوں پہ پڑی آٹھ پیوں کے جھگٹ
شادیاں کی صدا سنپی فلک سے بھی دور
پیوں کے آٹھ جھگٹ
گھونگر و کے وہ جہماکے وہ صدا نغمے کی
اہلِ محفل کو کیا عشوہ گردن نے مسکور
گھونگر وں
چلی اس طرح سوار ہی کہ نہ دیکھی نہ سنی
یہ لفظ "طوسی" سے نہیں، "تے" سے ہے۔ اور پھر تیمور بوزنِ طنبور
نہیں، دراصل "قر یوزن" سے دُر ہے۔ لکھتے ہیں تیمور اور پڑھتے ہیں
قر اور قر نر کی میں فولاد کو کہتے ہیں۔

دعوم ہے سرکار میں جشن کا سامان ہوا
عرش سے بے فرش عیش کا طعناں ہوا
ہے آج

رنگ محل کا سا ہو نہیں سکتا بیاں
جس کی نظر پڑ گئی ششدر رویاں ہوا
دالہ

کثرتِ مَقشیش سے مثلِ حبیبِ عروس
روی زمین پر عجب طرح کا افشاں ہوا

بزمِ منور ہوئی مستمدمِ نواب سے
جبکہ وہ رونقِ فرا جوں مہِ کعباں ہوا
طرز
جب سے کہ وہ

جوں معنی مثلِ دامنِ اب متردک ہے، اور چوں لفظِ فارسی الاصل
تو آگے بھی متردک رہا ہے۔

دور میں اُس کے بجز ابر نہ رویا کوئی
اور جس کے سوا کوئی نہ نالاں ہوا
بجز رعد کے

سدا اقبالِ پریوں وہ نمایاں ہوا
صفحہ گردوں پہ جوں مہر درخشاں ہوا
(میرزا صاحب نے اسے قلم زد کر کے یہ مطلع لکھا تھا)

دودھ چنگیز میں عیا کہ قا آں ہوا
ویسا ہی اس قوم میں کلبِ علیخان ہوا
(اس پر بیتاب نے لکھ دیا ہے "قصیدہ ہذا در شانِ یوسف علی خان

بہادر مرحوم بود" ازین سبب شعر ہذا نوشتنی نیست)
اور ہی ہے عجب آراستگی کہ نہ مرا
سب فرشتے اسی خدمت پہ ہوئے میں موز

دنیا کی
تکڑے کرتے ہیں سجادہ طاعت جبریل
ایک طرف ہاتھ میں رکھتے ہیں مرفیل بھی صو

تعبِ ارواح سے معذور ہو غر اٹیل
موت کا غم ہی کسی کو نہیں سب ہیں مسرور
سے

تیغ کھینچے ہوئے جس وقت وہ قاتل گئے
 کوئی ہے میرے سوا، جو کہ مقابل آئے
 کون
 یہ رنگ تو ہوا تھا نہ دنیا میں آشکار
 کیوں یک بیک زمانے کا نقشہ بدل گیا
 ناگاہ کیوں
 تونیں کچھ آج کل ہے وہ اس خاکدان کی
 خلد بریں بھی رو برو ہے جس کے شمار
 یہ مصرع مجھ سے پڑھا نہیں گیا
 گل نے کیا ہے تلخ کے ہر جزو سے سرِ بد
 اب کونسی جگہ ہے کہ نکلے جہاں غار
 جزوِ ظہور
 بیٹھے ہیں مطمئن سبھی بزمِ نشاط میں
 ہاں اک صبا تو پھرتی ہے گلشن میں بغیر
 نیم
 کثرت سے بسکہ جمع ہوئے شاہد ان گل
 کس کس فرے سے ہو بیے آپس میں ہکمانا
 ہوتے ہیں
 دنِ عید ہے زمانے میں اور راتِ شبِ بَر
 ہر سمت راگ و رنگ ہے قانونِ ادب
 شب
 وہ دن ہوا آج، جس پہ کردوں جان نکال
 بے جن غسلِ صحتِ نوابِ نامدار
 فدا۔ اگر یہ مطلع ہے تو چاہیے اس سے
 پہلے اک شعر میں اطلاع دیجائے
 بیشک طمانچہ ملک الموت گزرے
 ہے تیغ اُس کی تہر خدا وقتِ کارزار
 تپانچہ
 ممکن نہیں جو کر سکے ممدوح کی صفحت
 بتیاب، اب دعا ہی پہتر ہے اختصار
 شتا
 عالم کے حق میں آئینِ رحمت بنا دیا
 رکھے سلامت اُس کو زمانے میں کردگار
 آئہ
 بات یہ ہے وقتِ پر خوب سجایا مجھے
 فکرِ رسا کا بڑا چلچلی یہ میر احسان ہوا
 سجایا

کہاں ہیں قیس اور فرہاد اب یہ عہد ہے اپنا

دور

کہاں ہیں بلی و شیریں، زمانہ اب مختار ہے
مڑگاں کا تیری صید نہ کس طرح سے ہو دل
ہو کس طرح سے

اس تیر کے لیے ہی نچھیر چاہیے
نیکوں کے بھی جھکے رہیں سر کچھ تو، دیر کی
یہ مصرع مجھ سے پڑھا نہیں گیا۔

مسجد کی چوب و خشت سے تعمیر چاہیے
بلا میں آپ پڑتا ہے تو ناصح تیرے اوپر تو کچھ آفت نہیں ہے
تو

خدا کیونکر ملائے دلربا سے؟ نہ کہنے دو کہ یہ قدرت نہیں ہے
معاذ اللہ، مگر

یہی کہہ کے ملاؤ حق شناس
کرے جو چاہے، پر عادت نہیں ہے
بھلاتا ہوں دل کو

زرا بیتاب کو باہر تو دیکھو
تمہارے آگے کو غیبت نہیں ہے
عزت

آج پیغامبر نہ کچھ کہتا
ہیں بہت ہم پر وہ خفا بیٹھے
”وہ ہم پر بہت“ جہاں پورا لفظ آگے، یعنی پر، وہاں ادھورا لفظ
کیوں لکھے۔ البتہ جہاں گنجائش نہ ہو، وہاں قاعدے کے موافق جائز
ہے۔ اور اس قاعدے کا نام تخفیف ہے۔

یہ بھی قدرت خدا کی اے بیتاب
تم بھی اس بن کے پار سا بیٹھے
آپ

اس طرح مرئیگے کہ ہو ہر ایک کو عبرت
معدوم ہم الفت ہی کی بنیاد کریں گے

دکھ سے
ستم کی حشریں بھی باز پرس کیا ہو گی؟
کسے مجالِ سخن اُسے، ایذا، ہو گی؟
اُس سے

خدا کے آگے نہیں پونچھ جائیں گے پہلے
میری ذوقِ ضلالت ہی، نہ ہوا ہو گی
”پونچھنا“ اور ہے۔ پرسیدن کا ترجمہ پونچھنا ہے۔ یہ آگہی کے
واسطے لکھا ہے۔ شعر غلطیِ املا کے واسطے نہیں لکھا، بلکہ ناقص تھا۔

فلک بیاگیا آنکھوں کی راہ اُس کو بھی
جو خونِ دل ترے غم میں میری غذا ہو گی
خونِ مذکر۔ غذا البتہ مونث ہے۔ مگر زرا غور کیجئے، خونِ غذا ہو گا
یا خونِ غذا ہو گی۔

نہیں ٹھہرا ہے اتنا عرشِ اعظم
دعا کی تھی یہ کس نے بلبلانے کے

۴۔ بن اُس کے خونِ جگر ہم سٹیں، یہ مے، ساقی
خدا کرے، تیرے سناغر میں بھلی لہو ہو جائے

کہ جام
(اس شعر پر صاد بنا کے حاشیے پر لکھا ہے) شعرا جھجھا، مگر بھی کا لفظ بے موقع
اور بے محل ہے۔

ہوے ہیں گرچہ تائب، پر ہوا خدا برداراں میں

رہے مے، ساقیا، مینانے میں تیار تھوڑی سی

میں سب سمجھے ہوئے ہوں، بات کا جو ڈھب تمہارا ہے
نہ چاہوں، نہ صفا، میں اُس کو، یہ طلبِ تمہارا ہے

نامحو

آفت بھول سے اپنے تئیں لاکھام ہے
”کو“ کی جگہ ”تیں“ نہ لکھا کرد

جبروت یہ نہیں ہے، نہ لاہوت نہ اہا

یہ عشق ہے، کچھ اور ہی اس کا مقام ہے
لاہوت ہے نہ یہ جبروت، اے فنا پرست - جبروت بحرکت مودہ اور ملکوت
بحرکت لام صحیح ہے

پاکر نجات نزع سے آہرام کرتے ہیں
سوئے ہیں بے خبر

ہم رہ رہ و فنا ہیں، یہ غربت کی شام ہے
مہور ہے خدا کی عنایت سے میکدہ ۲
م ساقی اگر نہیں تو ہنو، مے سے کام ہے؟
ہبتاب، پی، خدا نے دیے ہیں تجھے بھی ہاتھ ۳

۴ یہ خم ہے، یہ سبو ہے، یہ شیشہ، یہ جام ہے؟
راں دونوں مشغول کے ہر مصرع پر صا د بنا کے دائیں گوشے میں
لکھا ہے) واسطہ اسکیا ذوق انگیز قطعہ ہے - غالب (بھر بائیں گوشے
میں لکھتے ہیں) خم سے بھر سبو میں، سبو سے شیشے میں، شیشے سے
جام میں، اس تقدیم و تاخیر کا مزہ ہی جانتا ہوں - غالب -

ہر روز اگر وہ ستم ایجاد کریں گے
آئندہ تو ویسے کو بھی یاد کریں گے
ہر روز کئی بار مجھے

پرواز کی ہے گریچہ ہوس دل میں مگر ہم
آزاد نہ خاطر تیرا صبا د کریں گے
ہم خاطر

اسانی سے کیوں قتل کیا؟ حشر کو یہ تو
اللہ سے ہاں، شکوہ جلا د کریں گے
ہم

دیکھ ایمان سے کمدے واعظ ایسی ہی حوروں کی صورت ہوگی
(اس غزل میں مقطع سے پہلے یہ شعرا اضافہ کیا ہے)

بوسہ لیتے ہی پھر آجائے گی جان کیا بوسے کی قیمت ہوگی
بیقرارہ می سے مواء ہے، کوئی اسد
حضرت ایوبؑ گر جیتے ہوں، تو اے ہمدرد
حشر میں اللہ کے آگے یونہی لے جاؤں گا
کام لینا ہے مجھے اپنے دل کا کام
مجھ سے یہ مصرع پڑھا نہیں گیا

تو دیے جاگایاں، دے لیں گے ہم بھی کچھ جواب
ہوش میں آئے کبھی گر لذتِ دشنام سے
آجائیں گے جب

تھانہ بس شوقِ طمیدن، پر ادب مانع ہو ا
بہت
بچ گئے ہم ذبح کے بھی وقت اس الزام سے
دیر دیکھا، میکدہ دیکھا، حرم بھی دیکھ لیں
آج آنکھیں ہیں یہاں بھی گردشِ ایام سے

ذکر اُسی کا ہے کچھ بھی نرمائے کاش، ناصح ہی دل کو ہلائے

پھر بلا میں پھنسا دیا کس نے دی صداغش پر کہ وہ آئے
خوابِ خوش سے جگا دیا

جواب اُن کا ہوا گلہ اُلٹا کر کے شکوہ بھی اُن سے پھرتا

پچھا

اور

مارے خدا کہ چھوڑے، پر ایمان کی تو یہ ہے

اگر چشم بدستے، تو کچھ زلف کم ہے؛ یہ سچ ہے بچائے خدا ہر بلا سے

کیا

پاس رکھنے کا جو بتیاب وہ وعدہ کر

کر یہ وہ وعدہ

کیا کہے جاتے ہو، کچھ وصل کی تدبیر تباد

ناچار

کچھ تم عقبتی میں تو، تاصح رہے کام آنے لے

آپ

کروں کیا جاں سے تنگ اگر دعا کی

کر یہ مرگ کی آخر

بتو، منت ہی کروا ٹی خدا کی

ڈرانا تھا کہ اُس کا دل دکھانا

جذنگ آہ نے ہے ہے بے خطا کی

گئے وہ تو ہوا ہم کو بتا سکے

خوشا رہے یہاں کیا کیا صبا کی

عیادت سے بڑھی خواہش مرض کی

ہمارے درد کی اچھی دوا کی

مرض کا ہو گیا شوق

نہ ہنسیہ نقیس کی دیدارنگی پر

خیر تو بیچ اپنے مستلا کی

نہ دو پیلا کو تم محبوں کا طعنہ

جو دیکھو صورت اپنے مبتلا کی

زلف بکھری جو رخ یار پہیال دل بکھرا

خود پریشاں ہوے ہم اُس کو پریشاں کر کے

زلف خود بخود بکھرتی ہے۔ ہم نے کب پریشان کیا، جواب کہیں

اضطرار دل بتیاب، بُرا ہو تیرا

بد دماغ اُس کو کیا نالہ و افغاں کر کے

آہ، جس طرح سوے سب عاشق

وہی اپنی بھی حقیقت ہوگی

جس طرح آہ۔ طرح آدر ہے اور طرح آدر ہے۔ فقیر "کُرخ" بہ حرکت

کے معنی میں طرح لیکن نہیں بگھنا۔

مقابل میں تیرے تو اے پند خط
تجھی سا کوئی بے وفا چاہیے

خدا نے دیا ہے عجب دل یہ ہم کو
اب ایسا ہی اک در با چاہیے

تصور تری زلف کا کیوں نہ ہو
شبِ غمِ نزولِ بلا چاہیے

بجا ہیں تمھارے سب ارشاد، لیکن
زرا اور کی بھی سنا چاہیے

دباں پر نام اُس کا دیدم نامع لواتا ہے
خدا کے اسطے چپہ کیلجا منہ کو آتا ہے

نیاز و نماز میں ہر ربط گر ضروری تو ظاہر ہیں
میں پڑھتا ہوں درودِ پُروہ صلواتیں سنا کر

مخوشی سے مری، اے کیا مری دل میں
کسے ما، نامع لواتا ہے، مجھے یہ ذکر بھاتا ہے

شفق

مطلع غنیمت ہے کہ نام اُس کا زباں پر تیری آتا ہے

کسے ما، نامع لواتا ہے، مجھے یہ ذکر بھاتا ہے

کشادہ زلف کا دستِ عدسے وہمِ آفت ہو
غش آیا، جب ہونے لگے مشکِ تنہا آئی

بکھڑا

نستی بخش ہوگی سادگی جو دس کی اُڑا
ہمیں جب یاد یہ آ رہی رومی نگار آئی

سیا ہو

اے گئے خاک میں، رٹتے ہی ترے
بن گئی جی پہ بگڑتے ہی ترے

ہم لے

خدا کو تو پاتے ہیں عشقِ بتاں سے
میں وصلِ صنم مانگتا ہوں خدا سے

یہ میں ہوں کہ بہت

باغ میں ہو فصل گل، زنداں میں یہ گل کھلا
ہے گریباں ہاتھ میں اور پانہیں زنجیر رک
میں

اک ذرا سی اور بھی تاخیر کرنا، اے گل
سنئے ہیں کچھ وہاں اپنے قتل کی تدبیر ہے
ہمارے

م قتل کرتے ہیں گمانِ داد خواہی نہیں
دیکھو تو تقصیر سے پہلے یہاں تعذیر ہے
ہمیشہ

گزری اپنی عمر تو کس چین سے، شکر خدا
دیکھیے، بٹیاب، اب کیا خواہش تقدیر ہے
گزری اب تک عمر اپنی

(۱۲۱)

قبلہ، قصائد و غزلیات اور باعیاات کو بقدر اپنی فہم و فراست کے دست
کر کے خدمت میں گزارتا ہوں۔ چونکہ جانتا ہوں کہ آپ اکبر آباد نہیں گئے،
اس نفاذ کے کو آپ کے پاس رامپور کے پتے سے بھیجتا ہوں۔ توقع یہ کہ مجھ کو
اپنا خادم سمجھیے اور جو خدمت میرے لائق ہو، بے تکلف ارشاد کیجئے۔ راقم
اسد اللہ خاں۔ مرقومہ ۱۵ نومبر سنہ ۱۸۶۶ء

فرماتے ہیں بالیں پہ وہ بیمار کی اپنے
”کیا درد ہے؟ کیوں اس کا دادا نہیں کرتے“

ہمیں کرنا تھا جو وہ کر بیٹھے
اگر تم میرا ٹھاؤ گھر بیٹھے
آپ باتیں بنائیں

اپنے ہاتھوں سے کر کے کام تمام
تو مجھے کرنے کو چارہ گر بیٹھے
نوحہ

حال بٹیاب کا نہ پوچھو کچھ
ہم تو اب آستے صبر کر بیٹھے
اُس سے

وفا دارِ ناصح، مبارک ہوں غم کو
ہمیں تو وہی ہے وفا چاہیے

کیونکہ منہ رکھے وہ میرے سینہ پر داغ پر
بوسے گل سے خاطر نازک پر جس کی بارگاہی

حق تو یہ ہے خوب ہی دمی غیر کو فراق مگر
لاچار غلط محض ہے۔ ناچار یہ فون بھیج ہے۔

سینہ سے شب جدا ہو احوال میں بھر باقی
نکلی دل و جگر کو مگر آہ توڑ کے

آواز اُس بکھرے کے شب وصل مگر
کی

خانہ آئینہ میں ہوتی ہے کیسی چاندنی
دیکھ رکھتے تھے جب وہ نہ شامل آئینہ
کو رکھتا

بوسہ ملا، تو اب یہ ہوس ہے کہ عمر بھر
یونہی ملائے رکھے وہیں کو بہن کے ساتھ
یونہی

مجموعے کا سا عطر ہے اُس کشمیر ہار
بوسے بدن ملی ہے جو بوسے بدن کے ساتھ

جاں کنی ہی ہوسے، اب تک اس تو ٹوٹی نہیں
شریں ہوو گی اُس سے ایک بھرتی بھی

گریہ و زاری کو جو روکا، تو سودا ہو گیا
ہو گئے ہم ضبط کرنے سے نفسیت اور بھی

میں نے اس شعر کو ناحق کاٹا۔ "جو روکا" یہ لفظ مکروہ تھا۔ جو کی جگہ جب
لکھ دیکھ۔ شعر صاف اور بے عیب ہو جائے گا۔ غالب

گریہ و زاری کو جب روکا، تو سودا ہو گیا
قتل میں اپنے، نما، اب کوئی تاخیر ہے۔

کس لیے

ہے غزلخواں مثل بیل کتنے ہیں وہ برگ گل
پر ہمارے سامنے تو غنچہ تصویر ہے نہ

ہزار سال کو ہم ایک دم سمجھتے ہیں

اتھیں تو وصل کا اکٹم بھی ہزار برس

ہے ایک دم ہزار برس

پھر کیوں میں زخمِ دل کو عیشِ مزا کروں

الاس شکستیں تیرے مرہم ہیں چارہ گ

ہرگز نمک

کیا گدماہ نے ٹکڑے کتاں کو

ہوا شقِ حبلوۃ جاناں سے وہ بھی

وہ بھی انگشتِ نبی سے

جاناں سے پرے آؤ دلِ ربا کو

سیجائی نہ دیکھی ہو تو میرے

گراس کی

مری تربت پہ لاؤ

بعدِ مژدن بھی تھی مرنے کی تہا ہم کو

بھاگیا اپنے زبس قتل کا ایما ہم کو

ہے

کسی صورت سے بھی کافر نے نہ چھوڑا ہم کو

عشق نے دم ہی پر بیتاب، بنا دی آخر

استر

جبکہ اللہ نے پیدا کیا عریاں مجھ کو

ننگِ عریانی ہو کیوں قطعِ نظر سوکھئے

وحشت

یہ بھی دینا تھا، بنایا تھا جو انساں مجھ کو

مقتضیٰ بشری صبر بھی تھا، اسے اللہ

مقتضیاتِ بشر میں سے نہ تھا صبر، مگر؟

وہ اللہ ہی خوب ہی ایساں مجھ کو

م دیکھا جس بت کو لگے پڑھنے اسی کا کلمہ

میرے تاقی نے دیا ہے عجب

مگر وہ چیز ہے الفت کہ آشکا رہو

ہزار صبر کرو، لاکھ بے قرار رہو

نہیں

کسی سے پوچھو تو کہتا ہے وہ مزارِ نہو

بڑے ادب سے جسے قصیں نے کیا سجدو

کہیں یہ حضرت بیتاب کا

فغان و نالہ میں تو ہوں مگر بس اندر دلو

بناتے ہیں تو دو دریا بہائیں چشمِ تردو

اس غزل کو نون کی روایت میں لکھند

”نون میں نون ضرور ہونا چاہئے“

دل کو، جگر کو، پھر نگر ہی دیتا ہوں عیش و عشق!
 اک آگ کاش سینے میں جلتی بجائے عشق!
 کیا سختیوں سے جان وی بیتی ہے مگر
 وی جان کس عذاب سے بیتی ہے، مگر
 پھوڑا ہوا چو پکے، تو وہ ہنس کے کہتے ہیں
 ہاں، اب ذرا ستانے کے قابل ہوں دل
 کیا ہوش کی تو ہی بتا دے، محتجب
 ہے کہ ہر
 قیس و فریاد کا گو عشق میں کچھ نام ہوا
 تجھ جلا کے پورے جاں بھی نہیں اب تمہیں غیر
 جان نہیں کیا
 بیتاب کا بھی، رند و، معلوم ہے پتا کچھ؟
 بیتاب کا بھی، رند و، معلوم ہے پتا کچھ؟
 شکوہ ہے کیا، قبول گرا اپنی وعاسین!
 کیا بزمِ رفتگاں میں خموشی کا رسم ہوا
 پھر بیٹھے بیٹھے چمیر لگائی، خدا سے ڈر
 کی
 بکھٹے نہ نامے میں استغلابِ عشقِ حریف
 کیوں شوقِ سیرۂ درود

ہوتی
 دکلا نہ شکوہ منہ سے کبھی جز ثنائے عشق
 اُٹا پھر اک جاہ کا آساں تلک
 ادھر، نہ گیا
 ڈھونڈتے پھرتے ہیں بیجانے کو ہم
 لیک بیتاب کی مانند تو مشہور نہیں
 وہ
 کہ بیٹھے اُن کو جان جو ایک رندِ پارسا
 اُس کو بھی دیکھتے تھے اکثر اس انجن میں
 ہم اُس کو
 اس درد کی خدا کے پہاڑ بھی دوا
 بھی لکھیں
 ہیں جمع کس قدر، پکسی کی صدا نہیں
 ظالم، ابھی تو آنکھ کا آسو تنہا نہیں
 ہم اپنے سر کو تو ہر دم مستلم سمجھتے ہیں

دوست یعنی مستشوق - دشمن یعنی رقیب - رقیب معشوق کا عاشق ہوتا ہے، دشمن
جان نہیں ہوتا۔ انا کہ وہ رقیب معشوق کا درپردہ دشمن ہے۔ پھر اس عاشق نے
اپنے معشوق کے عہد سے اخلاص کیوں نکالا؟ خدا جانے اس شعر کی فکر کے

وقت حضرت کا خیال کدھر تھا۔ غالب

دوستی اپنی، خدا کے لیے کہہ کر رکھیے نہیں بھاتا ہے مجھے، ناصحاً اتنا اخلاص

فائدہ کی تاب کیا ہے، کبوتر کی کیا مجال؟ پنپا رت یا رنگ تو ہے، پروردگار خط

یہ گستاخی بے مزہ ہے

وے دادِ دل، دگر نہ یہ دونوں ہیں بڑا کرتے ہیں آدو تالہ ترا، اے خدا، لکھا
ہاں اس میں ننگ ہے

دیوانہ ہے وہ کون، جو دن کو جلابے شمع خوشی پر رو کے سامنے کیا کوئی لائے شمع

اُس ہر دش

پروردگار کی کیا ہے، مجھے شرم آتی ہے میں مبتلا ہوں آپ کا، وہ بتلائے شمع

پروردگار مجھ کو کہتے، ہم کو جیا نہیں؟

انجان بن کے پوچھتے ہیں، چراغے سنکھو یہ چھپر، ہم سے وہ غیر کس کے سامنے

کہ دریاں کرے گا، دیکھ تو، کس کس کا، چار گ

میں زخم سے بجے بھی تو دل پر سوائے چراغ

ہے زخم اور آبلہ

دوڑے مرا گلا ترمی شمشیر کی طرف

اے بھئی تو بھاگ نکلیے، یقین ہی مجھے، اگر

اُلتی وہ

جب قابلِ بیان نہ اپنا رہا خلق

اب پوچھتے ہیں آپ کہ، ہی تجھ سے کیا خلق؟

جھگڑو

جتنا کہ تیرے، تیرے ہم نے سہا خلق

اتنا کسی سے، وصال میں ہو گا نہ عیش بھی

دور ماں نے تیرے گور میں پہنچا دیا مجھے! اب چارہ گز بتا میں کروں کیا تر علاج

کہ

عادل ہے تو تو، شک نہیں کچھ اس میں ایوڑا ڈالی ہے کس مراد پہ تو نے بنا سے چرخ

لیکن

آپ چل کر کوا حوالِ دل اُسے بیتاب کس کی دیوہشت قلم کیسی کہاں کہاں گند؟

اُس سے کیا قلم، کیسی دوات، اور کہاں کا کاغذ؟

ہونی ہے جو خلق پر بس اب ہمیں ہو جائے گی فتنہ محشر ہوا قبل از تری رفتار پر

مدتے

دشمنوں کا اور فلک کا بھی میں اب سگرہ پو خوش اگر ہوتا ہے وہ ظالم مرے آزار پر

منون

آتشِ فرقت ہے اک شعلہ جو وہ دل نہیں ہاتھ رکھنا اب مرے سینے پہ، دلیر، دیکھ کر

کا

لکھد یا لکھتے تو، لیکن پھر جو کچھ رحم آگیا رو دیا اللہ نے میرا مقدر دیکھ کر ہم

آپ سے پہلے میری سرنوشت پر بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ غالب

طبعِ رسا نے اپنی دو بالاکیم اُسے پہنچا تھا مرے کونہ اپنے سخن ہنوز

امیری

بیتاب کو کسی نے جو پوچھا تو بولے ڈ ہاں خاک پر پڑا تو ہے اک خستہ تن ہنوز

پوچھا

سخت جانی، تجھے اللہ کی مارا اور ظالم پھر گیا، زندہ مجھے دیکھ کے دلبر باؤں

چھوڑ

خدا کرے! ترے پیکانِ تیر کو تو، صنم پسند آئے دلِ بیقرار کی آغوش

ظالم

ہے مرے دوست کا بھی دشمن جاں وہ ظالم میں نے اس واسطے دشمن سے نکالا غلام

مے دل کی زرا سی پھانسی کیا ہو درود کے

اُکھاڑا ایک سی حملے میں ہو جس نے خیر کا
تھا

ہو ایوں وہیں اصحابِ رسول سے شائع
ہو ادینِ نبی اصحاب سے دنیا میں یوں شائع
میں تو اُس کے بیہودہ بکنے پہ سرد خضار
بیدہ

اُن رے گرمی تپِ عشق کہ جل کر نکلا

کہ نکلے چوک میں سے جس طرح بازار چوسر کا
نامِ ناداں یہ سمجھے کچھ ہشیاں ہو گیا

رنگ سے جب سوختہ جاں کے ترے خنجر نکلا
دل

یہ بخت کی ادا دے، یا یاد کی تاثیر؟

بھولے سے بھی داں ذکر ہمارا نہیں ہوتا
تھارا

پھر مجھ کو کچھ خبر نہیں، آگاہ ہے خدا

پی لی تھی ایک بار جو ہاں جان کر شراب
تو

نہیں آتا ہے شرارت کا گماں بھی اُن پر

دیکھنے میں تو ہے اس طرح کی بھولی صورت
طیر

شکر کی جاہ سے نہ اک خلق کو مارے ڈالو
خلق کے قتل سے کیا فائدہ؟ بس شکر کرو
بشرِ معصوم تک خیمِ گردوں کا لٹ گیا
باقی رہی نہ بوندِ صبحی کے واسطے
بچو نہیں اور وہ محوِ خیالِ رقیب تھے
میں بخود

کیا قیامت ہوئی، اگر ہو گئی اچھی صورت
طیر

ساتی نے کس قدر مٹی گلگوں پلائی رات

تھی وصل میں بھی وہ ہی جدائی تمام رات

قاتل بنا ہے تیری ہی تلوار کے لیے
قاتل لگا رکھا ہے تری تیغ

تھی ورنہ عاشقوں کو نہ کچھ سر کی احتیاج
منقطع بیتاب کو اگرچہ نہ تھی

یہ ہم جو ہے رقیب سے بھی یاد کامِ آج
ہے جو

کیا رحم کھا کے میری سفارش کچھ اُس نے کی

بنام صاحبزادہ سید محمد عباس علی خان صاحب بہادر

[صاحبزادہ سید محمد عباس علی خان بہادر ابن سید محمد عبدالعلی خان بہادر،
ابن نواب سید غلام محمد خان بہادر نواب فردوس مکن کے ہستی میا زاد مہمانی اور
نواب خلد آغیاں کے حقیقی ماموں تھے۔ تقریباً ۱۲۲۲ء (۱۸۰۵ء) میں پیدا
ہوئے۔ ۱۸۳۷ء تک دہلی میں قیام رہا۔ نہایت پاکیزہ سرشت، خوش مقال اور کائنات
ظاہری و باطنی سے پیراستہ تھے۔ مومن خاں صاحب دہلوی کے شاگردوں
میں ممتاز، اور سمجھتوں میں خوش فکری کی بدولت سرنراز تھے۔ عاشقانہ اور
معاملے کے شعروں سے کتنے نئے۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں میرزا صاحب کے شاگرد بنے
اور نیز بہت مرامت و اصلاح لیتے رہے۔ عذر سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد حاکم مد
بنائے گئے اور فروری ۱۸۸۳ء تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ محکمہ صدر میں ملتی
خط و کتابت اور کاروبار ریاست انجام پاتا تھا۔ انہیں اس زمرے کے کام
کا بڑا تجربہ حاصل ہو گیا تھا۔

بتیاب ۲۹ رجب سنہ ۱۳۰۰ھ (۶ جون سنہ ۱۸۸۳ء) کو دہلی کے
وقت فوت ہوئے۔ دیوان گلدستہ یارغ جنان کے نام سے شعبان ۱۲۸۱ھ
میں چھپ چکا ہے۔ کتاب خانے میں متعدد نقلی نسخے بھی محفوظ ہیں۔ انہیں
میں وہ نسخہ بھی ہے جس پر میرزا غالب کے فلم کی اصلاحیں ثبت ہیں۔ اتجا
یادگار: ۷۶، اخبار الصنادید: ۱۷۳، خم خانہ

(۱۳۰)

قبلہ جس شعر پر صا د ہے، وہ بہت خوب ہے، اور جس کو کاٹ دیا، وہ میوب
ہے، اور جس پر صا د نہیں، وہ بے عیب اور ہموار، اور جس کے معنی میں مجھے تامل ہے، اس
پر نظر، علامت اس کی نظر۔ باقی جا بجا نشاء و اصلاح اور حقیقت الفاظ لکھی ہے۔
تین جزد، جس میں سات ورق سادے ہیں، پہنچتے ہیں۔ اور اجزا یکمیدر ہے۔

کیونکر پڑے؟ کس واسطے کہ تم نے اُردو دیوان کے پہنچنے نہ پہنچنے کا حال جنابِ عالی سے دریافت کر کر کیا لکھا ہے، جو اس بات کا جواب لکھو گے زیادہ اس سے کیا لکھوں۔ از غالب نگاشتہ و رواں داشتہ پنجشنبہ ۲۵ مارچ ۱۸۵۸ء - ضروری جواب طلب!

(۱۱۹)

نواب صاحب، والا قدرِ عظیم الشان، سَلِّمُ اللہ تعالیٰ! بعدِ سلام مشہودِ خاطر عاطر ہو۔ سابق آپ کا خط متضمن اُردو کے استفتائی روزمرہ کا آیا تھا۔ اُس کا جواب جو مجھے معلوم تھا لکھ بھیجا۔ اب جو دوسرا خط آیا، اُس میں آپ نے اپنے اشعار بتوقع اصلاح بھیجے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں خاص خدمتِ اصلاح اشعار پر جناب نواب صاحب قبلہ کا نوکر ہوں، اور آپ حضور کے عزیزوں میں اور فرزندوں میں ہیں پس میں بے حکم حضور کے آپ کی خدمت بجا نہیں لا سکتا۔ ناچار کاغذِ اشعار مسترد بھیجتا ہوں۔ یہ امر یقین ہے کہ موجبِ لالِ اقدس نہ ہوگا۔ بندگی بیچارہ گی۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں، کہ مدعا می ضروری الاظہار اسی قدر تھا۔ والسلام۔

راقم اسد اشعار غالب ۱۴ مارچ سنہ ۱۲۶۵ھ

اپنا بزرگ اور وہ انھیں اپنا فرزند خیال کرتے تھے۔ لیکن نواب فردوس شاہ
ان سے ناخوش ہوا گئے، تو میرزا صاحب نے ان کے کلام پر اصلاح دیتے
انکار کر دیا۔ صاحبزادہ سید زین العابدین خاں بہادر نے جیو پر میں دسمبر ۱۸۹۲ء
میں انتقال کیا۔ انتخاب یادگار: ۲۱۲؛ ملخص تسلیم: ۹۶؛ خزانہ جاوید: ۲۹۹/۵

(۱۱۸)

بندہ پرور! مہربانی نامہ پہنچا۔ میں تو سمجھتا تھا، آپ مجھ کو بھول گئے۔ بارہم
یا دکیا۔ جناب نواب صاحب میرے محسن اور میرے قدردان اور میرے
امید گاہ ہیں۔ میں اگر رامپور نہ آؤں گا، تو کہاں جاؤں گا۔ یہ جو آپ کہتے
ہیں کہ تجھ کو آنے میں تردد کیا ہے، تردد کچھ نہیں، توقف ہے۔ وجہ توقف کی
یہ کہ میں نے اپنے پنشن کے باب میں چیف کمشنر بہادر کو درخواست دی تھی۔ وہاں
سے صاحب کمشنر شہر کے وہ درخواست خواہ ہوئی۔ صاحب کمشنر دہلی نے صاحب
کلکٹر شہر سے کیفیت طلب کی ہے۔ پس اگر وہ کیفیت پنشن کی ہے، تو یہاں کی کلکٹر
کا دفتر اگر میں رہا نہ رہے، ریپوٹر ڈکے دفتر، اور لفٹنٹ گورنری آگرہ، اور نواب
گورنر جنرل کلکتہ کے دفتر اس پنشن کی کیفیت سے خالی نہیں ہیں۔ اور اگر میری
مطلوب ہے، تو میرا بے جرم اور بری اور الگ ہو تا فساد سے از روی دفتر
قلعہ و اطہار مخبرین ظاہر ہے۔ بہر حال صاحب کمشنر شہر، کیفیت، صاحب کلکٹر
طلب کر کر، چیف کمشنر کے ساتھ پنجاب کو گئے ہیں۔ دیکھیے کب آویں، اور
بعد ملاحظہ کیفیت کیا حکم دیں، مگر تا صدور حکم میں یہاں سے کہیں جا نہیں
سکتا۔ ہاں، بعد ملنے حکم کے، خواہی دلخواہ ہو خواہی مخالفت مدعا، دونوں صورت
میں، رامپور آؤں گا۔ مگر حیران ہوں کہ جب تک یہاں رہوں، کھاؤں کیا،
اور جب چلنے کا قصد ہو، تو رامپور کس طرح پہنچوں! کیا خوب ہو کہ تم یہ
مدعا اپنے نام کا حضور کو، یعنی حضرت نواب صاحب کو پڑھوا کر اس
مدعا کی خاص کا جواب جو وہ فرمائیں، مجھ کو لکھ بھیجو! لیکن تم سے یہ توقع

”بخدمتِ نواب صاحبِ مشفق و مکرّم، منظرِ لطف و کرم، نواب
 زین العابدین خاں صاحب بہادر عرف کلن میاں، سلمہ اللہ
 تعالیٰ، مقبول باد“

(صاحبزادہ سید زین العابدین خاں بہادر عرف کلن میاں ولد صاحبزادہ
 سید صغریٰ علی خاں بہادر ولد نواب سید عبداللہ خاں بہادر ابن نواب سید غلام محمد
 بہادر نواب فردوس مکاں کے ہجرت اور رشتے میں حقیقی چچا زاد بھائی کے بیٹے تھے
 تقریباً ۱۲۷۸ھ میں دلی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی۔ اپنے دادا
 نواب سید عبداللہ خاں بہادر کی صدر الصدور مٹی میرٹھ کے زمانے میں ان کے
 ساتھ رہے۔ نواب فردوس مکاں کے عہد میں رامپور آئے۔ ان کے بڑے
 بھائی صاحبزادہ سید محمد رضا خاں بہادر کو نواب فردوس مکاں کی صاحبزادی
 منوب تھیں۔ سوء اتفاق سے ان کا انتقال ہو گیا۔ صاحبزادہ کلن میاں نے
 سرکاری اجازت کے بغیر ۱۲۷۹ھ میں بھارت سے عقد کر لیا اور رامپور
 سے ترک وطن کر کے بیپور چلے گئے اور وہیں توطن اختیار کر لیا اور میرٹھ
 نے لکھا ہے:

”عاید۔ صاحبزادہ محمد زین العابدین خاں عرف کلن خاں ولد صاحبزادہ
 محمد صغریٰ علی خاں اصغر۔۔۔ بیالیں برس کا سن ہے۔ تلمذ کسی سے نہیں
 بطور خود کہتے ہیں۔ یہ ان کا کلام ہے:

تھا جو اور نہ ہی ہوش کو میرے پوئی گئیے عنبرین ہوتا
 تھا نہ کھلنا جو عقدہ دلی کو کاش، ابرو کی تیرے چیں ہوتا
 ان کے دادا میرزا صاحب کے مخلص دوست تھے، اس لیے یہ میرزا صاحب کے

$$\left(\frac{116}{22} \right)$$

حضرت دلیٰ نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ بہت دن ہوئے کہ بر خور دار ثواب مرزا خاں نے مجھ کو مبارکباد لکھی تھی کہ حضور نے تیرے قرض کے ادا کرنے کی لوبیدہ دی ہے اور مقدارِ قرض پوچھی ہے۔ سو میں نے اُن کو لکھ بھیجا تھا کہ آئندہ سو روپے میں میرا قرض تمام ادا ہو جائے گا۔ اس تحریر سے یاد دہی منظور ہے۔ زیادہ تبادلہ نہ ہو۔
تم سلامت رہو ہزار ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
آرام کا طالب، غالب

صبح پچھنبہ ۱۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۸

$$\left(\frac{114}{23} \right)$$

حضرت دلیٰ نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ اور اُس میں تنخواہ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ کی ہندوی مکتوف پہنچی۔ جلد یاد آوری کا شکر بجالایا۔
حضور قرضخواہوں نے بہت عاجز کر رکھا ہے۔ بس میرا یہی کام ہے کہ یاد دلا دوں۔ آگے حضرت مالک ہیں۔ فقط

تم سلامت رہو ہزار ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
عرضداشت غالب گدیہ خواہ مرقومہ روزیکشنبہ
ادا خیر تالیخ رمضان المقدس سنہ ۱۲۸۵

(۱۱۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ توفیقِ رفت شریف درود لایا۔ ماعصر روپیہ
بابت تنخواہ اکتوبر سنہ ۱۸۶۸ از روئی ہندوئی بقوفہ خط معروضِ وصول میں آیا
خدا حضرت کو سلامت رکھے! مجھ سے اپنا بیج نکلتے کو بیچو عرض خدمت تنخواہ دیتے ہو
تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
عرضداشت اسد اللہ، معروضہ ۱۱ نومبر سنہ ۱۸۶۸

(۱۱۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل عریضہ مشغیر سید تنخواہ نومبر سنہ ۱۸۶۸ حال
ارسال کر چکا ہوں۔ آج ناچار از روئی اضطرار و افتقار پھر یہ عرضی لکھتا ہوں۔
حال میرا تباہ ہوتے ہوتے اب یہ نوبت پہنچی کہ اب کے تنخواہ میں سے لکھو
روپیہ بچے۔ یہ روپیہ کا چٹھا ماہوار کا۔ سود سہ ماہہ دینا۔ مجملہ آٹھ سو
روپیہ ہوں، تو میری آبرو بچتی ہے۔ ناچار حسین علی خاں کی شادی اور اس
کے نام کی تنخواہ سے قطع نظر کی۔ اب اس باب میں عرض کروں کیا مجال؟ کبھی نہ کہوں گے
آٹھ سو روپیہ مجھ کو اور دیکھے۔ شادی کیسی؟ میری آبرو بچ جائے تو غنیمت ہے
برخوردار نواب مرزا خاں کے خط میں یہ حال مفصل لکھا ہے۔ وہ عرض کرے گا
مختصر یہ کہ اب میری جان اور آبرو آپ کے ہاتھ ہے۔ مگر حضور، جو عطا
فرمانا ہے، جلد ارشاد ہو۔ زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
عرضداشت گرامی یک در اسد اللہ مضطر

۱۲ نومبر سنہ ۱۸۶۸

کی شادی بھی ہو جائے گی، اور اُس کے واسطے اُس کی زندگی تک تنخواہ
جداگانہ مقرر ہو جائے گی۔

باکریان کار ہا دشوار نیست! فقط

عرضداشت ہوا خواہ، اسد اللہ۔ معروضہ ۱۳ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۸
تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزت و جہاد روز افزوں!

($\frac{112}{68}$)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تقدیم مدارج تسلیم معروض ہے۔ توقع رافت عزت و دلایا۔ میں نے
ہندوئی ملفوفہ کے ذریعے سے بابت تنخواہ اگست ۱۸۶۸ سو روپیہ وصول پایا
مکہوں آپ سے تو کس سے کہوں! مدد مای ضروری الاظہار

پرو مشد حسین علی خاں کے سسرال والوں کا بڑا تقاضا ہے۔ زندگی
مشکل ہو گئی ہے۔ بطریق "شیئاً بئد" سوال مختصر یہ ہے کہ جو حضرت کے مزاج
میں آدے وہ عطا کیجے، اور حسین علی خاں کے نام جداگانہ تنخواہ مقرر
کر دیجے، لیکن یہ دونوں امر جلد صورت پکڑ جائیں۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن بچا پس ہزار
زیادہ جدا دے۔ عرضداشت دولتخواہ، اسد اللہ

معروضہ ستمبر سنہ ۱۸۶۸

($\frac{113}{69}$)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ مع سو روپیہ کی ہندوئی کے
بزدل و دلایا۔ تنخواہ ستمبر ۱۸۶۸ کا سو روپیہ میں نے پایا ہے

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزت و جہاد روز افزوں!

مشتاق مرگ ناگاہ، اسد اللہ

۱۳ اکتوبر ۱۸۶۸

(۱۱۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ آج چوتھا دن ہے کہ توقیع وقوع عذر درود لایا ہے ہندوئی ملفوفہ کی رو سے تنخواہ مئی سنہ ۱۸۶۸ کا سوروپیہ معروض وصول میں آیا ہے۔ جواب کے جلد نہ لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ میں گرمی کی شدت کے سبب سے اور احتیاس ہوا ہے کہ جو لازمہ موسم برسات ہے، بیکار محض ہو گیا ہوں مطلق کچھ لکھ نہیں سکتا؛ اور کوئی ایسا شخص کہ جس سے کچھ لکھواؤں، اس چار روز میں میرے پاس نہیں آیا۔ آج اس وقت ایک صاحب آگئے۔ اُن سے میں نے یہ عریضہ لکھوا لیا۔

پرو مشد سابق کے عریضے کے ساتھ میں نے اپنی تصویر حضور میں بھیجی ہے۔ اُس کی رسید اس نواز شنامے میں مرقوم نہ تھی۔ مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ لغافہ ڈاک میں تلف نہ ہو گیا ہو۔ اگر اُس کی رسید سے شرف اطلاع پاؤں، تو دلجمعی ہو جائے۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
۱۵ جون سنہ ۱۸۶۸ء، نجات کا طالب، غالب

(۱۱۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل منشور عطا وقت عذر صدور لایا۔ جولائی سنہ ۱۸۶۸ کا سوروپیہ بذریعہ ہندو سی وصول پایا۔

تین التماسیں سابق پیش ہوئی تھیں۔ سواب پہلے برخوردار نواب مرزا علی کی تحریر سے، اور پھر جناب مظفر حسین خاں بہادر کے خط سے اُن خواہشوں کے منظور و مقبول ہونے کی نوید پائی۔ انشاء اللہ الکریم، حسب ارشاد حضوری برس ۶۸ میں آیدرستان یعنی نومبر و دسمبر میں میرا قرض بھی ادا ہو جائے گا، اور حسین علی خاں

آخر ذی الحجہ تک نکاح ہو جائے گا۔ خدا کرے، خداوند کے ضمیر میں یہ بھی گزرے گا کہ غالب جب بہو بیاہ لائے گا، تو اس کو روٹی کہاں سے کھلائے گا! غرض اس سے یہ کہ حسین علی خاں کی تنخواہ جاری ہو جائے۔ حضرت کوئی ایسا نہیں کہ جو میرے مطالب حضور میں عرض کرتا رہے، اور مجھے بار بار لکھتے ہوئے شرم آتی ہے ۵

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

نجات کا طالب، غالب

۹ مایچ سنہ ۱۸۶۸

($\frac{108}{67}$)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے منشورِ عطوفت ظہورِ عز و ود لایا۔ سورپیہ کا کاغذ خط کے لفافے میں سے پایا۔ اپریل سنہ ۱۸۶۸ کی تنخواہ کاروپہ معروضِ وصول میں آئی۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار! (دوشنبہ ۱۱ ماہ مئی سنہ ۱۸۶۸) ۳

($\frac{109}{65}$)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے رشوقِ قدمبوس نے تنگ کیا۔ جب بیچا کہ کسی طرح جانیں سکتا، ناچار اپنا نقشہ اتر واپا، اور خدمتِ عالی میں روانہ کیا۔ جب تک کہ میں جیتا ہوں، تب تک اس صورت سے حاضر ہوں گا۔ زیادہ حد ادب سے تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

عنایت کا طالب، غالب

۲۰ مئی سنہ ۱۸۶۸

سورہ پیمہ بابت تنخواہ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ء معرض وصول میں آیا۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن بچاس ہزار!

توجہ کا طالب، غالب

۱۲ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء عیسوی

(۱۰۵/۶۱)

داد و دہش تو روز افزوں باد! بد دولت تو زمانہ مفتون باد!

ابن عید و دودھ ہزار عید و گھر برداشت تو فرخ و ہمایون باد!

نجات کا طالب، غالب

جمعہ ۲۸ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۴ ہجری

(۱۰۶/۶۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے غث و عطف طوری و رد و لایا، اور اس کی لفوفہ

بھٹوی سے جنوری سنہ ۱۸۶۸ء حال کا سورہ پیمہ معرض وصول میں آیا۔ فقط

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جہ روز افزوں!

نجات کا طالب، غالب

۱۳ فروری سنہ ۱۸۶۸ء (۱۰۷/۶۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

عرض مدارج عجز و نیاز کے بعد نوازہ شامے کے پہنچنے کا اور تنخواہ فروری

سنہ ۱۸۶۸ء کے پانے کا شکر بجالاتا ہوں۔ سبحان اللہ! کیا برکت ہے اس سو

روپیہ میں کہ سود آدمی روٹی کھاتے ہیں، اور اس فقیر کے بھی سو کام نکل جاتے ہیں۔

مرزا حسین علی خاں کی شادی رجب کے مہینے میں قرار پائی تھی عطیہ

حضور کے نہ پہنچنے کے سبب ملتوی رہی۔ آج جو ذیقعدہ کی ۱۵ء ہے، ۱۵ء

یہ اور مہینہ ذی الحجہ کا۔ اگر اسی ذیقعدہ کے مہینے میں کچھ حضرت عطا فرمائیں گے تو

حضرت کے توفیق و قیام کے مشاہدے سے آنکھوں کا روشن نہ ہوتا میری
سیاہ بختی کی دلیل ہے۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
نجات کا طالب، غالب

۱۷ دسمبر سنہ ۱۹۶۷ء

(۱۹۳/۵۹)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ آج روزِ شنبہ، یکم ماہِ رمضان المبارک سنہ ۱۴۸۷
ہے، بہ اتفاقِ حسابِ دوج و نگارِ سنِ جنتری سے

روزِ روزہ بہت روزِ ناپید است غلطیِ ابر و شدتِ سراسر است
چونکہ دھوپ تو نظر ہی نہیں آتی، ناچار دن رات آگ تاپتا ہوں، اور ہر
وقت کا پتا ہوں۔

ماہِ صیام میں سلاطین و امرا خیرات کرتے ہیں۔ اگر حسین علی خاں یتیم کی
شادی اسی عینے میں ہو جائے، اور اس بوڑھے اپاہج فقیر کو روپیہ مل جائے،
تو اس مہینے میں تیاری ہو رہے، اور شوال میں رسمِ نکاح عمل میں آئے۔ اور
چونکہ اس ماہِ مبارک میں درفین بازار، اور سالِ انگریزی کا بھی آغاز ہے، وہ
پچیس روپیہ مہینا جو زبانِ مبارک سے نکلا ہے، جنوری سنہ ۱۸۶۸ء سے
بنام حسین علی خان مذکور جاری ہو جائے، تو مجھے گویا دونوں جہان مل گئے
تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
لکھا ہوا یکم رمضان اور بھیجا ہوا دوم رمضان کا عطا کا طالب، غالب،

(۱۹۴/۶۰)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ منثورِ رافتِ عز و رود لایا۔ ہندوئی ملفوظ سے

اولاً عمر طبعی بہ دوام اقبال
ثانیاً دولت دیدارِ شہنشاہِ اُمم

(۱۰۱)
۵۷

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

آج روز جمعہ ۱۷ رجب ۱۳۸۴ اور ۱۵ نومبر ۱۸۶۷ء والا نامہ مع
ہندوئی تنخواہ اکتوبر سنہ ۱۸۶۷ء آیا۔ سو روپیے کل آئیں گے۔ ۵۵ شاگرد
پیشہ اور ۵۵ قرین متفرقہ میں جا کر لے روپے بچیں گے۔ اللہ اللہ
پیر و مرشد

رجب کا مہینا چلا۔ حسین علی خاں کی سسرال سے شادی کا تقاضا
ہے۔ ادھر سے جز سکوت جواب نہیں۔

کئی دن ہوئے کہ ۱۵ شعر کا قطعہ ارسال ہوا ہے۔ اس کی رسید
اس خط میں مندرج نہ تھی۔ خاتمے کے تین شعر دعائے یہاں لکھتا ہوں۔
دعا کا نیا طور ہے۔

ہم نہ تبلیغ کے مائل نہ غلو کے قائل
یا خدا، غالبِ عاصی کے خداوند کو
اولاً عمر طبعی بہ دوام اقبال
دو دعائیں ہیں کہ وہ دیتے ہیں نواب کو ہم
و وہ چیریں کہ طلبگار ہے جن کا عالم
ثانیاً دولت دیدارِ شہنشاہِ اُمم
نجات کا طالب غالب

(۱۰۲)
۵۸

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ کل ۱۶ دسمبر کو نومبر کی تنخواہ کی ہندوئی پہنچی
وہ بھی سعادت مند منشی سلیمند کے خط میں لفوف۔ دیر میں ہندوئی کا پہنچنا ایک طرف

اُس طرٹ کو نہیں جاتے ہیں، چہ جاتے ہیں تو کم
 رامپور، آج ہے وہ بقعہ معنور، کہ ہے
 مرجع و مجمع اشرف نژادِ آدمؑ
 رامپور، ایک پڑا باغ ہے از روی مثال
 دلکش و تازہ و شاداب و وسیع و خورم
 جس طرح باغ میں سادون کی گننائیں ہیں
 ہے اُسی طور پہ یہاں وجہ نشاں و سب کرم
 ابر دستِ کرمِ کلبِ علی خاں سے مدام
 درِ شہوار ہیں، جو گرتے ہیں قطرے پیم
 صبح دم باغ میں آجائے، جسے ہو نہ بقیں
 سبز و برگِ گل و لالہ پہ دیکھے شبنم
 حبذا باغِ ہمایونِ تقدس آثار !
 کہ جہاں چرنے کو آتے ہیں غزالانِ حرم
 مسلکِ شرع کے ہیں راہِ رود و راہِ شناس
 خضر بھی یہاں اگر آجائے، تو لے ان کے قدم
 مدح کے بعد دعا چاہیے، اور اہلِ سخن
 اس کو کرتے ہیں بہت بڑھ کے بہ اغراق رقم
 حق سے کیا مانگیے؟ ان کے لیے جب ہو موجود
 ملک و گنجینہ و خیل و سپہ و کوس و علم
 ہم نہ تبلیغ کے مائل، نہ غلو کے متائل
 دودعا تیں ہیں کہ وہ دیتے ہیں نواپ کو ہم
 یا خدا، غالبِ عاصی کے خداوند کو دے
 دو وہ چیزیں کہ طلبگار ہے جن کا عالم

(۹۹/۵۵)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ دیدہ سکندری میں حضرت کے مزاج کی ناسازی کا ذکر دیکھ کر جو مجھ پر گزری، میرا خدا جانتا ہے۔ مگر یہ بڑی بات ہے کہ اسی ذکر کے ساتھ افاقہ و رفع مرض کی بھی نوید مندرج تھی۔ توقع ہے کہ حضرت مفصل حال مرض کے پیدا ہونے کا اور فی الحال مزاج اقدس کیسا ہے، میری منتی کو حکم ہو جائے کہ حضور کی زبانی خط میں مجھے لکھ بھیجیں!

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
غالب

۱۸ اکتوبر سنہ ۱۸۶۷ء

(۱۰۰/۵۶)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ ایک قطعہ ۱۵ شعر کا بھیجتا ہوں حضور ملا حلقہ فرمائیں۔ مضامین کی طرز نشی، مدح کا انداز نیا، دعا کا اسلوب نیا۔ زیادہ عذرا ہے

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
نجات کا طالب، غالب

۵ رجب سنہ ۱۲۸۴ ہجری

ہند میں اہل تشن کی ہیں دو سلطنتیں
حیدر آباد دکن، رشک گلستانِ ارم
رامپور، اہل نظر کی ہے نظریہ وہ شہر
کہ جہاں بہشت بہشت آ کے ہوئے ہیں باہم
حیدر آباد بہشتِ دور ہے، اس ملک کے لوگ

(۹۷ / ۵۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ غرور و دلایا۔ اللہ اکبر!۔ منہ
نے غمخواری و تفقد و درویش نوازی کو اس بابے میں لکھا ہے کہ شاہان
میں سلطان سبزان اور شاہان ہند میں شاہجہاں نے ملانہ موت کی معنی سبزان
اور نوازش کی ہوگی۔ باقر علی خاں کی شادی نواب مبارک الدین خاں سے
ہاں ہوئی۔ اُنھوں نے کمانے جوڑے کے دو ہزار روپے دے دیے اور سہری
زوجہ نے پانچ سو روپے کا زیور لٹا کر پچیس سو روپے مرمت کئے۔ تین مہینوں
کا مسرہ، یعنی اکبر علی خاں، اپنے خاندان کا ہے، لیکن امیر نہیں، نوکری
پیشہ ہے۔ اب یہ ہیں کیونکر عرض کروں کہ مجھے کیا دو؟ سائل ہوں۔۔۔ ہم
نہیں کہ سائل مفقود سوال عرض کرے۔ خاں مشارف شادی خاندان
لکھنیا ہے۔ دو دہائی ہزار میں شادی اتنی ہو جائے گی لیکن یہ بھی سائل
عرض کرتا ہوں کہ میرا حق خدمت اتنا نہیں کہ اس قدر مانگ سکوں۔ چ
کچھ دو گے، اُس میں شادی کر دوں گا۔ زیادہ عیاد یہ ہے

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزت و جوار و زافروں!
نجات کا طالب، غالب۔ معروضہ ۲۴ بمادی الاول سنہ ۱۲۸۴، مطابق
۲۳ ستمبر سنہ ۱۸۶۷، فردای ورود ہایوں منشورہ

(۹۸ / ۵۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

بعد تسلیم معروض ہے۔ فرمان والا مع ہندوئی تنخواہ ستمبر سنہ ۱۸۶۷
عز و دلایا۔ مسطورہ پیشہ معروض و عدول میں آیا۔ زیادہ عیاد یہ ہے
تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزت و جوار و زافروں!

ترجمہ کا طالب، غالب

۱۰ اکتوبر سنہ ۱۸۶۷

۱۹ اگست سنہ ۱۸۶۷ء

(۹۶/۵۲)

آن کیست کہ جسم ملک راجان باشد؟ آن کیست کہ مہسر سلیمان باشد؟
 آن کیست کہ انجمنش لعنہ مان باشد؟ کس نیست، مگر کلب علی خان باشد
 حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ عز و رود لایا۔ اُس میں یہ حکم
 مندرج پایا کہ حسین علی خاں کی شادی کے باب میں خلاصہ مکتونِ خاطر
 عرض کروں۔ حکم بجا لاتا ہوں، اور عرض کرتا ہوں، مجھلا یہ کہ میں در دولت
 کا گدای خاک نشیں، اور وہ آپ کا غلام۔ تفصیل یہ کہ میرے پاس نقد
 حبس، اسباب، املاک اور میرے گھر میں نہ پورہ زرینہ و سہینہ کا نام و نشان
 نہیں۔ ہت آدھا رفرن کوئی دیتا نہیں۔ آپ روپیہ عنایت فرمائیں
 تا یہ کام سرانجام پائے، اور پورے فقیر کی برادری میں شرم رہ جائے۔
 دوسری بات یہ کہ سو روپیے آپ کی سرکار سے بطریق خیرات اور
 مہینا انگریز سرکار سے عوض جاگیر پاتا ہوں۔ عالم الغیب جانتا ہے کہ
 اس میں میرا بڑی مشکل سے گزارا ہوتا ہے۔ ہو کو کہاں سے کھلاؤں گا؟
 حسین علی خاں کی کچھ تنخواہ مقرر ہو جائے۔ لیکن توفیق تنخواہ اُس کے نام
 جاری نہ ہو، بلکہ اُس کی زوجہ حسن جہاں بیگم بنت اکبر علی خاں، جسے نام
 وہ تنخواہ مقرر ہو، اور اُس کی مہری رسید سے ملا کر لے۔ زیر مصرف شادی
 کی مقدار اور تنخواہ کی مقدار، جو خداوند کی مہبت اور اس کنگال اپاہج کی
 قیمت۔ زیادہ حد ادب ہے

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

نجات کا طالب، غالب، ۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ء

(۹۳/۲۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ بموجب تحریر مرزا رحیم الدین بہادر جیہا کے
فاصل شطرنج باز کو خرچ دے کر روانہ کیا۔

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزت و جاہ روز افزوں!

اسد اللہ بید شنگاہ - ۲۲ جولائی سنہ ۱۸۶۷ء

(۹۴/۵۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تقدیم مدارج تسلیم نواز شنائے کے درود کا شکر اور جولائی
مہینے کے سورہ پے کے وصول کا سپاس بجا لاتا ہوں۔

تم سلامت رہو قیامت تک!

دولت و عزت و جاہ روز افزوں! فقط

نجات کا طالب، غالب

۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۷ء

(۹۵/۵۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ آپ کے غلام زر خرید، یعنی حسین علی خاں
کی منگنی ہو گئی، اور اپنے کنبے میں ہوئی، یعنی نواب احمد بخش خاں مرحوم
کے حقیقی بھائی کی پوتی سے، اور رجب کا مہینہ قرار پایا۔ اب میرے
بڑھاپے اور میوہی پھلسی کی شرم آپ کے ہاتھ ہے۔

نکھوں آپ سے تو کس سے کہوں؟ مدعا ہی ضروری الاطہا

تم سلامت رہو ہیرا ہیرا برس! ہر برس کے ہوں دن چاس نہرا

نجات کا طالب، غالب

حضرت کے رنج و اندوہ کا تصور اور مارے ڈالتا ہے۔ دوسری محرم کو علی بخش خاں خانساں مارے، تیسری کو یہ واقعہ ہو شر آپس آیا۔ یہ تو آپ کا فرزندِ دلبند تھا۔ جو اس کا غم ہو، وہ بجا ہے۔ پر فقیر جانتا ہے کہ علی بخش خاں کے مرنے کا بھی حضرت کو بڑا رنج ہوا ہو گا۔ ایسے کارگزارِ دیانتدار ہوشمند مزاج داں کہاں پیدا ہوتے ہیں؟ بہر حال ”رضینا برضاء اللہ“ حضرت کے سامنے صبر و ثبات و تسلیم و رضا میں کلام کرنا اور پس کو حکمت پڑھانی اور خضر کو راہ بتانی ہے

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
غالب ۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۷

(۹۱/۴۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ درودِ توقیع و قیام سے فیض پایا۔ سو روپیہ مئی سنہ ۱۸۶۷ کی تنخواہ کا معروض وصول میں آیا۔ فقط
تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
اسد اللہ بید سنگھ

۱۱ جون سنہ ۱۸۶۷

(۹۲/۴۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے کہ توقیع و قیام عَزَّ و رُود لایا۔ اُس کی ملفوفہ ہندوئی سے تنخواہ جون سنہ ۱۸۶۷ کا سو روپیہ میں نے پایا۔ فقط
تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
ہوا خواہ اسد اللہ

۱۵ جولائی سنہ ۱۸۶۷

نمائشگاہی درخوہر شانِ خویش
بر آراستہ آدابِ عالی جناب
بہ بین، چون طرب را نہایت نماید
بود سال آن بخشش بجمیاب
خدا یا! پسند خداوندگار
کہ از طبع غالب رود بیچ و تاب
”بخشش بجمیاب“ کے بارہ سو پچاسی ہوتے ہیں ”طرب“ کی نہایت
بامی موحده ہے۔ حب وہ نہری، تو دو عدد گھٹے، اور ۱۲۸۳ روگئے، فی الحال
اگر حضرت کی مرغی ہو، تو دبدبہ سکندری میں یہ تاریخ چھاپنی جائے
تم سلامت رہو ہزار ہر بس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
داد کا طالب، غالب

۱۴ ماہ اپریل سنہ ۱۸۶۷ عیسوی

(۸۹/۴۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ توفیق و قیام عجز و رود لایا۔ اپریل سنہ ۱۸۶۷ کی
تنخواہ کا سورویہ معرین وصول میں آیا۔ زیادہ عدا د
تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزت و جہ روز افزوں!

نجات کا طالب، غالب

(۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۷)

(۹۰/۴۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد ادا می مدارج تسلیم سوختا ہوں کہ کیا لکھوں۔ ہے، ہے! میں
کیوں جتیار ہا، جو صاحبزادہ محمد حسن خان کے مرنے کی خبر سنوں، اور
خداوند نعمت کو تعزیت کے کلمات لکھوں؟ میں نیم جاں نہ مردوں، اور
وہ نوجوان مر جائے۔

سر و چین سروری افتاد ز پا ہای!

(۸۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ ہندو مٹی ملفوفہ نواز شامہ کے ذریعے سے سو روپیے مارج کی تنخواہ کے وصول ہوئے۔

ایک رباعی بھیجتا ہوں، اور یہ چاہتا ہوں کہ بدبہ سکندری کے آغاز میں اس کے چھاپنے کا التزام رہے۔

آن کیست کہ جسم ملک راجان باشد؛ آن کیست کہ ہمیر سلیمان باشد؛
آن کیست کہ انجمنش بفرمان باشد؛ کس نیت، مگر کلب علی خاں باشد

تم سلامت رہو ہزار برس!

ہر برس کے ہوں دن بچاس ہزار

نجات کا طالب، غالب

۱۶ اپریل سنہ ۱۸۶۷

(۸۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ نمائش گاہ سرسور رامپور کا ذکر اخبار میں دیکھتا ہوں، اور خون جگر کھاتا ہوں کہ بائے میں وہاں نہیں! بالا خانے پر رہتا ہوں، اتر نہیں سکتا۔ مانا کہ آدمیوں نے گود میں لے کر اتارا اور پاکی میں بٹھا دیا۔ کہا رہ چلے۔ راہ میں نہ مرا، اور رامپور پہنچ گیا۔ کہا روں نے جا کر بنیظیر میں میری پاکی رکھ دی۔ پاکی قفس اور میں طاثر اسیر وہ بھی بے پروا ہوں۔ نہ چل سکوں، نہ پھر سکوں۔ جو کچھ اوپر لکھ آیا ہوں، یہ بے طریقِ فرض محال ہے؛ ورنہ ان امور کے وقوع کی کہاں مجال ہے؟ بار تین بیت کا قطعہ تاریخ بھیجتا ہوں۔ اگر پسند آئے، تو میں خوشنود مئی مزاج مبارک سے اطلاع پاؤں۔

(۸۵/۴۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ توقعِ عطا و عفو و درود لایا (سور و پیہ تنخواہ) فروری سنہ ۱۸۶۷ء حال کا معروض وصول میں آیا۔

اس درویش کا حال اب قابلِ گزارش نہیں۔ امراضِ قدیم بڑھ گئے دورانِ سر اور ریشہ اور صنعتِ بصر تین بیماریاں نئی پیدا ہوئی ہیں۔ قلم نہیں بنا سکتا، لڑکوں سے بڑا لیتا ہوں۔ برسوں کی بات نہیں رہی ہفتوں کی یا مہینوں کی زندگی رہ گئی ہے

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روز افزوں! زیادہ حد ادب۔

سجائے کا طالب غالب

۱۳ مارچ سنہ ۱۸۶۷ء

(۸۶/۴۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل صبح کو دو گھنٹہ کی دن چڑھے نوروز ہے۔ آج یہ قطعہ ہاتھ بخام کر لکھ کر حضور کی نذر بھیجتا ہوں

نوروز و عید از دو جانب اسال خوبست ز رومی ضح و نیکست بقال امید کہ این سه عید، نذر نواب آرد دوایم عمر و عز و اقبال تم سلامت رہو قیامت تک!

دولت و عز و جاہ، روز افزوں!

سجائے کا طالب غالب

چار شنبہ ۲۰ مارچ سنہ ۱۸۶۷ء

مزاج اقدس کیا ہے، اور جب تک یہ نہ جانوں تو آرام کیونکر آئے؟ یہاں سے رامپور تک برابر تار برقی بھی نہیں، جو خبر منگواؤں۔ آج ۱۴ فروری کی ہے۔ یہ خط بھیجتا ہوں۔ اگر جواب آئے، تو ۹ دن میں۔ مجھ کو اتنے دن صبر کیونکر آئے گا؟ اگلی، آج یا کل کوئی نواز شنامہ خداوند کا آجائے! میری زیادہ حد ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

خیر کا ط لب، غالب

۱۴ فروری ۱۸۶۷

(۸۴/۸۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل صبح کو میں نے خط ڈاک میں بھیجا دیا۔ دو امروں کے تردد کے رفع کی التماس تھی۔ ایک یہ کہ پھر کلکتے کو تشریف لے جائیے گا یا نہیں؛ دوسرے یہ کہ مزاج اقدس کیسا ہے۔ حسن اتفاق یہ کہ کل ہی دوپہر کو اخبار میں دیکھا کہ حضور نے بوجہ نامہ نامی آسب و ہوا سی کلکتہ شمول کو نسل سے انکار کیا۔ بارے اس سے خاطر جمع ہوئی، رہی مزاج مبارک کی حقیقت، اُس سے بھی فی الجملہ طمانیت ہو گئی۔ یعنی عنایت نامے میں خیر خواہ کے خلاف مدعا کوئی بات مندرج نہ تھی۔ اسی عرضی میں یہ بھی عرض کر دیتا ہوں کہ سو روپیے بابت تنخواہ جنوری سنہ ۱۸۶۷ حال میں نے پائے اور شکر درویش پروری بجالایا ہے

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزت و جاہ روز افزون! نقط

عنایت کا طالب، غالب

۱۵ فروری ۱۸۶۷

رقماری ریل یقینی ہے۔ مگر وہاں کنی آب و ہوا کا موافق آنا، اور جناب لٹرد صاحب بہادر سے ملاقات کا ہونا، اور اجلاس کو نسل کا وقوع میں آنا، یہ ہنوز تک حضرت رقم نہ فرمائیں گے، دعا گو کے خیال میں کیوں کر آئیں گے؟ ناچا حیرات ہم پہنچا کر اس عرضداشت کے جواب میں ان حالات کے انکشاف کا اسید وار ہوں۔^۲ فقط

پیر و مرشد، حضرت کے تصدق سے قرض ادا ہو گیا۔ تنخواہ نے قسط سے اور میں نے رنج سے رہائی پائی۔ ہم بدل و ہم بزبان ثنا خوانِ جود و نوال و دعا گو می دوام دولت و اقبال ہوں۔ آدھا قرض عطیہ سابق میں، اور آدھا قرض عطیہ حال میں ادا ہو گیا۔ کہ نہیں سکتا، اور بن کھے بنتی نہیں اگر دونوں لڑکوں کا پچاس روپے مہینہ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء یعنی ماہِ حال و سالِ حال سے جاری ہو جائے گا، اور ماہِ ماہ فقیر کے روزینے کے ساتھ پہنچا کرے گا، تو آپ کا نمک خوار کچھ بھی قرضدار نہوگا۔ زیادہ حد ادب۔ تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

فیض کا طالب، غالب

معروضہ ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء

(۸۳/۳۹)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ بہت دن تک متردد رہا کہ حضور کلکتے ہیں یا رامپور۔ چنانچہ ایک عرضداشت اسی تردد میں بھیجی تھی ہے۔ ہنوز جواب کے آنے کی مدت منقضی نہیں ہوئی۔ خیر، اُس کے جواب پر کیا موقوف ہے؟ یہ تو جان لیا کہ حضرت رونق افزا می رامپور ہیں، مگر یہ کیونکر جانوں کہ اب بہنجستگی و فرخندگی میں رونق افزا رہیں گے، یا پھر کلکتے تشریف لے جائیں گے؟ خیر اس بجلی کی سہل سمجھ لیا کہ چکچھ ہوگا، معلوم ہو جائے گا، مگر یہ کیونکر جانوں کہ

بہادر شہر کو علم۔ بارے بروقت ملاقات، تعظیم معمولی اور مصافحہ کر کے لاٹرڈ صاحب نے کھڑے کھڑے جیغ، سڑیج میری ٹوپی پر باندھا، اور فرمایا کہ "یہ ہم نے آپ کے واسطے رکھا تھا" بالائی سردار ید میرمنشی نے گلے میں ڈال دی۔ یہ پارچے بات مرحمت ہوئے۔

دو شالا، کنو اب کا تھان، بنارس کا تھان، سہری پوٹے، بنارس
سیلا، الوان کی چادر کنارہ کلا بتون، کتا دیز کا تھان، الوان کی چادر
بے کنارہ،

میں اس عیلتے کو آپ کی بخشش معنوی سمجھتا ہوں، اور دوسری بخشش
یعنی اس خط کے جواب کے جلد حاصل ہونے کا متوقع ہوں۔ زیادہ جلد
تم سلامت رہو سہوار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

عزیزداشت کے جواب کا طالب غالب

روزیہ شنبہ ۱۸ دسمبر سنہ ۱۸۶۶

(۸۱/۳۵)

حضرت دہلی نعمت آیت رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ نواز شنامہ مع ہندوئی صدر بڑیہ غرور
لایا۔ دسمبر ۱۸۶۶ کی تنخواہ کاروبار معروض وصول میں آیا۔

اللہ! یہ فرط عنایت، یہ ظہور کرمست کہ حضرت ڈاک میں
سوار ہونے کو ہیں اور میرے نام خط کا حکم ہو، اور وہ خط دستخط سے مزین
ہو، دسمبر کی تنخواہ دسمبر ہی میں جاری ہو، اور جنوری کی تیسری تاریخ میرے
پاس پہنچ جائے! ظہور آثار ربوبیت بوجہ احسن و اکمل۔

(۸۲/۳۸)

حضرت دہلی نعمت آیت رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ حضرت کارونق افزاے کلکتہ ہونا از رو شیار

(۸۰)

حضرت دلیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت !

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ ایک عرضداشت بھیج چکا ہوں۔ اُس کا جواب نہیں پایا۔ امید دار ہوں کہ اس عرضداشت کے جواب سے محروم نہ ہوں۔
کل دن کو دس بجے سنا کہ عالی جناب نواب مہدی علی خاں بہادر سواری ریل آئے، اور اعلیٰ کے محلے میں ٹھہرے ہیں۔ کھانا کھا کر فوراً سوا
ہوا۔ وہاں جا کے سنا کہ نواب صاحب ریل کے اسٹیشن پر گئے ہیں۔ گھنٹا بھر بیٹھا رہا کہ حضرت آئے۔ آگے غازی آباد کے اسٹیشن پر سے سواری ہوتی
تھی۔ اب دلی محمد سوداگر کی کوٹھی کے پاس سے، جو بگیم کے باغ کے عقب
ہے، نیا اسٹیشن قرار پایا ہے۔ سو صاحبزادہ صاحب نے آپ کے حضور
میں اطلاع کی ہے۔ دیکھیے حضرت غازی آباد سے سوار ہوتے ہیں یا شہر میں
و اسطے خدا کے! مجھ کو اپنے روزِ درود و وقتِ درود سے اطلاع نہیں
اور اس عرضی کا جواب ایسا جلد عنایت ہو کہ فقیر بے سرو سامان اپنا سامان
درست کر رکھے۔

حضرت کی توجہ باطنی، جو ہمیشہ میری مصالحِ حال اور افزائشِ عز و وقار
کی کفیل ہے، بعد ادا سے شکر اُسی اُس کا سپاس بجا لاتا ہوں۔
پیش از غدر گورنمنٹ کے دربار میں پارسے، اور جغیہ، سر پیچ،
مالامی مرزا بدین رئیس جواہر کی محبہ کو ملتی تھیں۔ بعدِ غدر اگرچہ نہیں اور دربار
بجال رہا، لیکن خلعت موقوف ہو گیا۔ نواب لفٹننٹ گورنر بہادر پنجاب کا
کل ۱۲ پر چار بجے دربار ہوتا۔ حکم سب دربارداروں کو پہنچ گیا تھا۔ میں نواب
مہدی علی خاں صاحب کو رخصت کر کے گھر آیا۔ دو گھنٹے کے بعد دربار میں
گیا۔ خیال یہی کہ ملاقات ہوگی، ایک رباعی کا غزِ ندرت پر لکھی ہوئی نذر
کردن کا، کلماتِ عنایت سن کر چلا آؤں گا۔ نہ مجھے کچھ احتمال، نہ صاحبِ کشتہ

عدو را بگیرد بگش زد و دمی را بجو سال اجلاس از بخت فرخ
چو گویند کز کشتن دمی چه خواهی بگو: حذف اعداؤ دمی اینست یا سخا

”دایت“ لغت پارسی ہے، مراد بختی و زہی، اور قتل کا مشارالیه
لفظ ”دیمی“ ہے، جس کے ۱۶ عہد ہیں، اور ”دیمی“ کا مشارالیه ”عدو“ ہے
”بخت فرخ“ کے ۱۸۸۲ جب اس میں سے ۱۶ کم کیے، تو ۱۸۶۶ رہے۔
زیادہ حد ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
(۱۸ نومبر سنہ ۱۸۶۶)

(۴۹/۳۵)

حضرت ولیؑ نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معدن ہے۔ توفیق دق مع ہندوئی تنخواہ نومبر سنہ ۱۸۶۶
عیوی عترو دد لایا۔ سو رڈ پیہ معرض وصول میں آیا۔
قطعہ تاریخ کے باب میں التماس یہ ہے کہ اب قوت ناطقہ پر نصرت
اور معنی آفرینی کا زور مطلق باقی نہیں۔ مگر ازراہ فرط ارادت و محبت تناد
دعا کے واسطے تقریب ڈھونڈھتا ہوں۔ جب موقع پاتا ہوں کچھ عرض
کرتا ہوں۔ حخرجہ لطیف ہاتھ آگیا۔ اُسی پر مدعا کی بنا رکھی۔

پیر و مرشد، اگر غازی آباد سے حضور ریل پر سوار ہوں، تو فقیر کو
تاریخ درد و غازی آباد سے آگئی ہو جائے، تاکہ میں وہاں حاضر ہو کر
قد مہوسی کی سعادت حاصل کروں۔ زیادہ حد ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

عزیز نگار اسد اللہ

۸ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ عیوی

مجھے بحث نہیں۔ یا ہمہ صنعت، مافوقہ یا وہی کہ آخر میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ ان دونوں باتوں کو میں نے مانا، لیکن نہ فرہنگ لکھنے والوں کی رائے کے بموجب، بلکہ اپنے خداداد کے حکم کے مطابق۔ یہ کلمہ بموجب غتاب نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس کو گناہ سمجھا جائے تو آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں گناہ معاف کیجئے، اور نوید عفو سے مجھ کو تقویت دیجئے۔

تم سپلا منٹ رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

عفو کا طالب غالب

(۶۸/۳۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ حضور کے لشکر نصرت اثر کا بیسہ سالاری ٹی ٹو اب معالی القاب، جناب ممدی علی خاں بہادر اکبر آباد پنچا، اور خیام فلک احتشام کا وہاں نصب ہونا، اور رامپور سے اکبر آباد تک گھوڑوں کی ڈاک کا بیٹھنا اور حضرت کا سنبھل تک سبیل ڈاک تشریف لے جانا، اور وہاں مزاج اقدس کا ناساز ہونا اور دار السلطنت کو معاودت فرمانا، یوگانیوگامسموع ہوا۔ غرض اس عرضداشت کی تحریر سے یہ ہے کہ حصول جواب سے آبرو اور خیریت و عافیت مزاج مبارک سے عزا و اطلاع پاؤں۔ فقط

اخبار میں مسطور اور شہر میں مشہور ہے کہ حضرت اجلاس کونسل کے واسطے حسب الحکم گورنمنٹ کلکتہ کو تشریف لے جائیں گے۔ نکاح خوار دماگوٹی و مدح گستری میں یہاں طلب رہتا ہے۔ اس تقریب کا ایک قطعہ تاریخ نہ ۱۸۶۶ عیسوی رقم کیا ہے۔ عرض کرتا ہوں۔ اگر پس آئے، تو اجازت ملجائے کہ اس کو کسی اخبار میں چھپا دوں۔ فقط

قطعہ

چونو اب، اندہر اجلاس کونسل یہ کلکتہ اندر رامپور آور دروخ

میاں اسنو، جامع فرہنگ جہانگیری، شیخ رشید، راقم فرہنگ شیدی
عظمیٰ عجم میں سے نہیں۔ ہندوان کا مولد، ماخذ ان کا اشتعار قدما ہادی
ان کا ان کا قیاس ٹیک چند اور سیالکوٹی مل ان کے پیر و سبحان اللہ
ہندی بھی اور ہندو بھی۔ نور علی نور!

فقیر اشتعار قدما کا معنی ان لوگوں کے کلام کا عاشق۔ مگر جو لغات
ان کے کلام میں ہیں، ان کے معنی تو اہل ہند نے اپنے قیاس سے نکالے
ہیں۔ میں ان کے قیاس پر کیونکر تکیہ کروں؟ اب جو پیر و مرشد نے لکھا کہ
”ارتنگ وارث رنگ“ متحد المعنی اور ”آشیان ساختن و چین“ گھونسل
بنانے کے معنی پر ہے، تو میں نے بے تکلف مان لیا، لیکن نہ ان صاحبوں
کے قیاس کے بموجب، بلکہ اپنے خداوند نعمت (کے) حکم کے مطابق
تم سلامت رہو ہزار برس! دولت و عز و جاہ روز افزوں!

انصاف کا طالب غالب۔ ۱۷ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ء

(۶۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معدن ہے۔ آج سہ شنبہ، ۱۶ ماہ اکتوبر کی، دن کو بارہ بجے
کھانا کھا کر بیٹھا تھا کہ توفیق و فیق آیا۔ پڑھتے ہی کانپ اٹھا، اور عالم
نظر میں تیرہ و تار ہو گیا۔ اگر حضور کے ارشادات کو بحث تعبیر کیا ہو تو مجھے
جناب الہی اور حضرت رسالت پناہی کی قسم! اگرچہ فاسق و فاجر ہوں
مگر وحدانیت خدا اور ثبوت خاتم الانبیاء کا بدل معتقد اور زبان معترف
ہوں۔ خدا و رسول کی قسم جھوٹی نہ کھاؤں گا۔ اشکار بحث سے مراد یہ تھی کہ
شعرا ہند کے کلام میں جو غلطیاں نظر آتی ہیں، یا ہندی فرہنگ لکھنے
والوں کے بیان میں جو نادری، اور یا ہم جو ان کی عقول میں اختلاف
ہیں، ان میں کلام نہیں کرتا۔ اپنی تحقیق کو مانے ہوئے ہوں، اور وہ سے

$$\left(\frac{20}{71} \right)$$

حضرت ولی نعمت آقا سید مرتضیٰ علی

بعد تسلیم معروض ہے۔ منشی بکر مرستہ نے یہ نوادہ لکھا ہے کہ یہ
یابست تنخواہ ماہ ستمبر سنہ ۱۸۷۶ معہ منس و معمولات میں آیا۔ لکھا کہ یہ
اُردو پینچے۔ خدا کرے پسند آئیں : افسوس کہ یہ خود راجہ صاحب نے
حال سامعہ اقدس پر عرض نہ کیا ! مندرجہ ملک دیوانی میں دیکھ جائیں
عطا کر سکتے ہیں۔ میں آپ سے صرف راجت مانگا ہوں اور اس سے
اس میں ہے کہ قرض بانی ماندہ ادا ہو جائے اور ساتھ میں سے
حاجت نہ پڑے فداست

تم سلامت رہو خیانت کا! دوستوں! یہودیوں کی ہوس۔
اسد اللہ بید سنگھ بشتیم اکیڑ برسندہ

$$\left(\frac{L^2}{M^2} \right)$$

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت
بجایہ ستم و جرمیست

اس عنایت نامے میں ایک فقرہ نظر پڑا کہ میں سے میں تائب نہیں ہوں۔
 اذ ان مشفق واسطہ تلمذ یودء است۔ ذہیل کو عزت دینی اور توکل
 بے رونق کی خریداری کرنی ہے۔ میں تو غرٹ گواہ اسناد اور پناہ
 اور اپنا آقا جانتا ہوں۔

بد و فطرت سے میری لہجہ کو زبانِ فارسی سے ایک رُک و مفا
چاہتا تھا کہ فرہنگوں سے بڑھ کر کوئی ناخذِ مجہ کوئےِ ریاسے مراد برآئی، اور
اکابرِ پارس میں سے ایک بزرگ یہاں وارد ہوا، اور اکبر آباد میں فقیر
کے مکان پر دو برس رہا، اور میں نے اُس سے حقائق و دقائقِ زبانِ
پارسی کے معلوم کیے۔ اب مجھے اس امرِ خاص میں اغریِ مطمئنہ حاصل ہے۔
مگر دعویٰ اجتہاد نہیں ہے، بحث کا طریق یاد نہیں۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
ترجم کا طالب، غالب

سہ شنبہ ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۶

[میرزا صاحب نے تقریظ شرح بدر چاچی کی اصلاح کے سلسلے میں چہار
شنبہ ۱۹ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ء کو ایک عریضہ ردانہ کیا تھا۔ مثل میں اس کا صرف
لفافہ موجود ہے۔ اس کی لپیٹ پر پیرنٹی صاحب لکھتے ہیں: ”اصل خط
در حضور پُر نور، کہ بمقدمہ تقریظ شرح بدر چاچی بود“ مانڈ۔ ۳۳ ستمبر
سنہ ۱۸۶۶ء]

(۲۴/۳۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ اردو دیوان کا انتخاب بھیج چکا ہوں یقین
ہے کہ حضرت کی نظر انور سے گزر گیا ہو۔ آج فارسی دیوان کا انتخاب بطریق
پارسل اس عرصی کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ اور بھائی ضیاء الدین خاں بہادر
نے جو اوراق میرے پاس بھیجے ہیں، وہ بھی اسی پارسل میں رکھ دیے
ہیں۔ حضرت اس غریب کا مجموعہ نظم و نثر عزیز میں لٹ گیا۔ بعدِ عذر جو کچھ
کہا ہے، وہ یہی ہے جو پہنچتا ہے۔

اس درویش نے صرف غزلوں اور رباعیوں کا انتخاب بھیجا ہے۔
قصائد و قطعات و مشنویات کا انتخاب ابھی نہیں بھیجا۔ اگر حکم ہو، تو وہ بھی
بھیجوں۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
عنایت کا طالب، غالب

۲۴ ستمبر سنہ ۱۸۶۶

اُردو کا دیوان ایک شخص کو دیا ہے۔ فارسی دیوان کا شیرازہ کھول کر
چند شخصوں کے حوالے کیا ہے۔ بعد اتمام تحریر نذر کیا جائے گا۔
بھائی ضیاء الدین خاں کا مجموعہ نثر و نظم فارسی دُرد، سراسر دیکھا
ہوا میرا، جو اُن کے کتاب خانے میں تھا، غدر میں لٹ گیا۔ بعد غدر ذوقِ شعر
باطل اور دل افسردہ ہو گیا۔ دو تین غزلیں، فارسی، ہندی، چچ لکھی ہیں،
اُن کا انتخاب بھی پہنچے گا۔

تم سلامت رہو ہزارِ ریس! ہر ریس کے ہوں دن پچاس ہزار!

اسد اللہ بیستگاہ

دوشنبہ ۱۰ ستمبر سنہ ۱۸۶۶

($\frac{۴۳}{۲۹}$)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معدن ہے۔ خاطرِ اقدس میں نہ گزرے کہ غالب تعمیل
احکام میں کابل ہے۔ بصارت میں فتور، ہمت میں رعشہ، حواس مختل، ناچا
کاتب کی تلاش کی۔ شہر سراسر دیران ہے، کاتب کہاں! یارے ایک
دوست نے کاتب کا نشان دیا۔ اُردو کا دیوان، اشعار پر صاد کر کے،
اُس کو حوالے کیا۔ کل دہا جزا می منقولہ آئے۔ آج بطریقِ پارسل مع اس
عرضی کے ارسال کیے۔

خط کاتب کا مجھ کو پسند نہیں آیا۔ حضرت کو کیونکر پسند آئے گا! اغلاط
اتنے تھے کہ مجھ کو تحریر کے برابر محنت پڑی۔

فارسی کے کلیات کا شیرازہ کھول کر، اجزا اُس کے احباب پر
تقسیم کر دیے ہیں، جا بجا اشعار پر صاد کر دیے ہیں۔ وہ بھی میرے
انتخاب کے مطابق نقل ہو رہے ہیں۔ بعد اتمام وہ بھی پیشکش کروں گا
زبا دہ حداد ب۔ ۵

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۶ عفو و رحم کا طالب، غالب

(۷۱/۲۷)

حضرت دلی نعمت آیہ رحمت مدظلہ العالی!

بعد تسلیم معروض ہے۔ توقع وقوع مع دیا چہ شرح اشارہ بدر چاچی
عز و رود لایا۔ کیا عرصہ کروں کہ کیا عالم نظر آیا! واقعی افتتاح کلام بطرز میرزا
طاہر وحید اور پھر نگارش مطالب بشیوہ میرزا جلالی طباطبائی ہے۔
لیکن دونوں صورتوں میں دیا چہ اعجاز خسروی کا رنگ جلوہ گر ہے۔
پس ناقد بصیر کے نزدیک یہ نگارش، طاہر وحید اور جلالی کی عبارت
سے بہتر ہے۔ یہ عرضداشت جلد بھیجتا ہوں، تاکہ حضرت پرہنجنا اس دیا چہ
یا تقریب کا ظاہر ہو جائے۔

برسات ایسی ہوئی ہے کہ میں یاد آؤں، تریپن برس سے یہاں رہتا
ہوں، عرش آرا مگاہ اکبر شاہ کے عہد میں ایک بار ایسی برسات بھی تھی، یا
امسال نظر آئی ہے۔ اوراق مرسلہ حضور میں جاے میں پیٹ کر سبیل
پارسل ارسال کروں گا، یا پرسوں دو شنبے کو، یا سہ شنبے کو ۵

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
نجات کا طالب، غالب
روزہ شنبہ یکم ستمبر سنہ ۱۸۶۶

(۷۲/۲۸)

حضرت دلی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ منشور مکرمت طور عز و رود لایا۔ سورہ یہ
بابت تنخواہ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۶ معروض وصول میں آیا۔
نثر نثرہ نثار کے اوراق ۳ ستمبر، ماہ حال، کو ارسال ہوئے ہیں،
نظر انور سے گزرے ہوں گے۔ فقط

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جہاں روز افزوں!
نجات کا طالب، غالب فقط

(۷۰)
(۲۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروضی ہے۔ پہلے اپنا حال عرض کر لوں، تب کچھ اور مدد
لکھوں۔ غم نے لکھنؤ کی بڑھاپے کے سبب و مضمحل کر دیا ہے حضرت کے قدیم
کی قسم! نہ حواس درست، نہ راہی صحیح۔ برسوں سے مکرر بات میں مبتلا
رہتے اب طاقت تحمل کی نہ رہی۔ خدا جانے، کیا ہوتا ہے، کیا سمجھتا ہوں
کیا کرنا چاہیے، کیا کرتا ہوں۔

کل آخر روز میر منشی حضور کا خط آیا۔ جون کی تنخواہ کی رسید کے
نہ پہنچنے کی اطلاع پائی۔ تہبیدی و قرض کے بیچ میں خستہ و آزرده بیٹھا تھا۔
اُسی وقت عرضی لکھی۔ اگرچہ ڈاک کا وقت نہ تھا، مگر بھیج دی۔ آج آخر روز
توقع مع جولائی کی تنخواہ کی ہندو دی کے پہنچا۔ ہندو دی مختار کار کو
دی، اور یہ عرضی لکھنے بیٹھا۔ دیکھ کر لفافہ کر رکھتا ہوں۔ کل صبح دم ڈاک
میں بھیج دیں گا۔

اگر عرضی سابق میں کوئی بالت گستاخی و دیوانگی و بدحواسی کی ہو، تو فقیر کی خطا
ہو۔ میر منشی صاحب کے اگر مخالف طبع کوئی لفظ ہو تو وہ بھی درگزر کریں۔
جون کی تنخواہ کی رسید کا لفافہ ڈاک میں گم ہو گیا ہو گا۔ اگر میں بھی
بھول گیا ہوں، تو بعید نہیں، بلکہ اغلب ہے کہ غالب کو سہو ہوا ہو۔ ملازمت
در دولت پر ظاہر ہو کہ جون کی تنخواہ جولائی میں، اور جولائی کی آگست میں
میں نے پائی۔ آئندہ ہر انگریزی مہینے کی دوسری تیسری کو روانگی ہندو
کا متوقع ہوں۔ زیادہ عہد ادب سے

۳۱ جولائی سنہ ۱۸۶۶ء کو روانہ کی تھیں، جو آج تک دارالانشا میں محفوظ ہیں۔ مکاتیب کے پہلے ایڈیشن میں مستقل خط کی طرح اُس قلعے کی نقل چھاپی گئی تھی۔ بعد ازاں اس شمول کو ایجا خیال کر کے نکال دیا گیا۔

(۶۹/۲۵)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ آج شنبہ ۱۰ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۶ء کی ہے فقیر حتم براہ تھا کہ اب ڈاک کا ہر کارہ آتا ہے، اور ہنڈومی طغوفہ نواز شامہ لاتا ہے۔ ناگاہ اس وقت ڈاک کا آدمی ایک خط پر خوردار منشی سلچند کالایا۔ اُس میں مستدرج تھا کہ تو نے جون سنہ حال کی تنخواہ کی رسید کیوں نہ بھیجی۔ اور بعد اس کے یہ لکھا تھا کہ جولائی کی تنخواہ کی چٹھیاں ہوتی جاتی ہیں۔ اب دو ایک دن میں تیری تنخواہ بھی بھیجی جائے گی۔ متخیر کہ یارب، میں حسب معمول تنخواہ جون کی رسید ارسال کر چکا ہوں۔ اب دوبارہ رسید کیوں مانگی جاتی ہے؟ پھر یہ تو گویا پیام مرگ تھا کہ جولائی کی تنخواہ اب روانہ ہوگی۔ یارب! ۱۰ کو وعدہ، ۱۳، ۱۴ کو چلے گی، بیسویں تک مجھے پہنچے گی، اور میرا حال یہ کہ انگریز تنخواہ لکھیں اور کچھ قرض کی قسط میں جاتی ہے۔ حضور کے عطیے پر میرا اور شاگرد پیشہ کا اور حسین علی کا گزرا ہے۔ عالم الغیب جانتا ہے، جس طرح گزرتی ہے۔ چار سو ساڑھے چار سو کا قرض باقی ہے۔ اب کوئی قرض بھی نہیں تھا خلاصہ دو عرضیں ہیں: ایک تو یہ کہ میں جون کی تنخواہ کی رسید بھیج چکا ہوں۔ اگر ڈاک میں تلف ہو گئی ہو، تو اور لکھ بھیجوں، دوسری یہ کہ اس جینے کی یعنی جولائی کی، تو تنخواہ خیر۔ ۲ ماہ اگست تک پہنچ جائے گی۔ آئندہ کو حکم ہو جائے کہ ہر جینے کی پہلی دوسری کو فقیر کی تنخواہ کہ وہ محض صیغہ خبرات ہے، بھیجی جائے۔

پڑھ کر حضرت بھی خط اٹھائیں گے۔

وہ عین طرح سے جے چاہے، اُس طرح اپنے

کسی کا کچھ نہیں پر در دگار پر ایسا

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے تیرے جان بارس

عرشۂ اسد اللہ ترقی ذرا

معدنۂ دہم جون سنہ ۱۸۶۶ء

(۶۸/۲۳)

حضرت و ذیالقدرت آیہ رحمت سلامت

بجورِ تسلیم معروض ہے۔ توفیق و قہم عزد و دلا بارس کے پندار نے
نے میری حضور کی کارتبہ بڑھایا۔ فلک نہیں ہا ہستا کہ میرا کوہِ فیضانِ طہان
اہل کمال ہو۔ حضرت کو خالق اکبر نے وہ قوت اور طاقت عطا کی ہے کہ
آپ علی الرغمِ فلک کام کر سکتے ہیں۔

قسمت بڑی تھی، پر طبعیت بڑی نہیں

ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں ہے

فلک نے مجھ پر پڑے پڑے اُس بھاد غم و فکر کے ڈالے، اور میری طبیعت
بول نہ سکا۔ میں نے بجناسیو باری سے یہ تمام قصور و کمزوری کہا، سراسی قہر
بول نہ سکا۔ زیادہ حاداب۔

تم سلامت رہو قیامت تک! دولہا و عزد و جان بارس

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے تیرے جان بارس

عرشۂ اشرف اسراہیل بر سرِ منگشاہ ۲۸ جون سنہ ۱۸۶۶ء

[میرزا صاحب نے آغا احمد علی احمد، صاحبِ مودیرِ جوان، کے جواب
میں ایک قطعہ لکھ کر مطلعِ اکمل، المطالع دہلی میں ایک رخصتیایا ہوا، اور
دس چھپی ہوئی کاپیاں نو اب نند آشتیاں کو دینے میں بند کر کے

آبِ مقلع کی صورت بدل کر حضور کی نذر کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ حضرت کے پسند آئے! زیادہ حدِ ادب سے

تم سلامت رہو ہزار برس!
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
عرصہ داشت اسدا اللہ بیدستگاہ

۹ جون سنہ ۶۶

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
کیوں گردِ دینِ مدام سے گھبرانہ جائے دل؟
یارِ بے زمانہ مجھ کو بیٹا تا ہے کس لیے؟
حد چاہیے نہ را میں عفویت کے واسطے
کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے؟
رکتے ہر دم قدم مرئی آنکھوں سے کیوں دیرین؟
کہتے ہو مجھ کو منع قدموں سے کس لیے

خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں
لوحِ جاں پہ حرفِ مکر نہیں ہوں میں
آفر گناہگار ہوں، کافر نہیں ہوں میں
عل و نسرہ و زرد گوہر نہیں ہوں میں
رُستے میں ہر وہ ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

قطعه

در پر امیرِ کلبِ علیجاں کے ہوں مقیم
بوڑھا ہوا ہوں قابلِ خدمت نہیں اسدا

شایستہ گدا ئی، ہر در نہیں ہوں میں
خیراتِ خواہِ محض ہوں تو کر نہیں ہوں میں

(۶۶/۶۳)

حضرت ولی نعمت امیرِ رحمۃ سلامت!

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ کل ایک عرصہ داشت مع ایک غزل کے
ڈاک میں بھیجی گئی۔ تمام کو منشورِ عطوفت مع ہندوئی متخواہی سنہ ۱۸۶۶ء
ورد د لایا۔ سو روپیہ معروض وصول میں آیا۔ آج صبح دم وقتِ تحریر اس غزل
کے حضرت فردوسِ مکاں کا دیوان پیش نظر تھا۔ اس میں یہ شعر نظر پڑا۔
اُس کے مضمون حکیمانہ و عارفانہ سنہ بڑا مراد آیا۔ یقین ہے کہ اُس کو

نہود ثانی و ہمتای تو در دہر، ہسانا!
 د انم، از حال و کالم خبری داشتہ باشی
 سر نوشتت ازالی، گرچہ ندارد خط خوانا!
 دشمنم پر رخ و نوبیتی و نسوزی اعتبارش
 بہ مدہ صاعقہ ریزا، بہ محب فیض رسانا!
 چاقشین تو کمند نام ترا ز ندہ بگیتی
 باد فردوس برین جای تو، فردوس مکانا!
 غالب، از غم چہ فروشی؟ بتوزیاست خوشی
 با کریم، ہمہ دان بسیج گو، بیج مدانا!
 (۶۵/۲۱)

حضرت ولی نعمت، آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ منثور مکرمات ظہور مع ہندوی عز و ود لایا
 سورہ پیتخواہ اپریل سنہ ۱۸۶۶ کا مترجم وصول میں آیا۔ زیادہ عداد بہ۔
 تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس سکھ ہول دن پچاس ہزار!

منابت کا طالب، غالب

۱۳ مئی سنہ ۱۸۶۶ عیسوی

(۶۶/۲۲)

حضرت ولی نعمت، آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ جب بادشاہ دہلی سنہ ۱۸۵۷ء کو نوکر رکھا، اور
 خطاب دیا، اور خدمت تاریخ نگاری سلاطین تیوریہ کو تفویض کی تو
 میں نے ایک غزل طرز تازہ پر لکھی۔ مقطع اس کا یہ ہے
 غالب، وظیفہ خواہ ہو، ووشاہ کو دغا!
 وودن سکے ہو کتے تنھے، نوکر نہیں ہیں

(۶۴)

حضرت ولی نعمت امیہ رحمت سلامت!

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ اپنا حال اس سے زیادہ کیا لکھوں کہ آگے
 ناتوان تھا، اور اب نیمجان ہوں۔ برخوردارِ نواب مرزا خاں اپنے مشاہدے
 کے مطابق جو میری حقیقتِ عرض کرے، وہ مسموع و مقبول ہو۔

حضور اس مطلع کے لفظ و معنی کی حدت و جدت کی داد چاہتا ہوں
 سچ و قیام زندہ نیم، کز پرامی خویش آن وقت لای ناقیہ ام اردو پای خوش
 ایک غزل نئی طرز کی، نئی بحر میں عرض کرتا ہوں۔ یہ جشنِ حال کی
 نذر ہے۔ خدا کرے، مقبول ہو! زیادہ حداد ب

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
 نجات کا طالب، غالب

۲۹ مارچ سنہ ۱۸۶۶

بھرج ہرنج مشمن سالم
 فعلائن فعلائن فعلائن

ای خداوندِ خردمند جهان داد و دانا!
 دمی، بہ نیرد ہی خرد، ہم ہمہ کردار تو انا!
 امی پر رفتار و بیدار، بزیبائی و خوبی!
 سرِ پڑھا سستہ آسا، مہ ناکا سستہ نا!
 بہ ادا پایہ فرایا، بنظر عقدہ کشایا!
 بکرم ابر عطا یا، بغضب برق سنا!
 بہ نگہ خستہ نوازا، بمخن بد نہ طرازا!
 بہ قلم عالمیہ سایا، بہ نفس عطسہ فشا!
 شہ نشان، کلب علیخان کہ توئی یوسف ثانی

(۹۲/۱۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیع وقیع مع سو روپیہ کی ہنڈوی کے
عز و رودلایا۔ جنوری سنہ ۱۸۶۶ کی تنخواہ کا روپیہ معرین وصول میں آیا آپ
کے غلام نو خریدانے اپنی تنخواہ کا حال پوچھا۔ میں نے حضور کا خط اس سے
دکھا دیا۔ نا اسیدانہ چپ ہو رہا۔ اب اس درویش دلریش کا حال سنیے۔ سامعہ
مدت سے کھو بیٹھا۔ اب آنکھوں کو بھی رو بیٹھا۔ دور سے صرف قد و قامت آدمی
کا دیکھا جاتا ہے۔ چہرہ اچھی طرح نظر نہیں آتا ہے۔ فقدان طاقت، سقوط اشتہار،
بصر، ضعف بخت، میرا حال بعینہ میرے اس شعر کے موافق ہے ۵
درکشاکشِ ضعیف، نگسدر روانِ زتن اینکہ من نمی میرم، ہم زنا تو اینہا ست
زیادہ حد ادب ۵

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
نجات کا طالب، غالب
۱۵ فروری سنہ ۱۸۶۶

(۹۳/۱۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیع وقیع کے ورد نے میری آپ و بڑھائی
اُس میں سے میں نے سو روپیہ کی ہنڈوی پائی۔ زیر دستر بڑھنڈوی معرین
وصول میں آیا۔ فروری سنہ ۱۸۶۶ کی تنخواہ کا روپیہ میں نے پایا۔
زیادہ حد ادب ۵

تم سلامت رہو قیامت تک!
دولت و عز و جاہ روز افزوں! فقط
معروضہ ۱۵ مارچ سنہ ۱۸۶۶ عنایت کا طالب، غالب

از رامپور زندہ بدلتی رسیدہ است
 "مارا بدین گیلاہ ضعیف این گمان نبود"

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روز افزون!

نجات کا طالب، غالب

۴۲ شنبہ ۲۲ شعبان ۱۰ جنوری سال

جشن حضورؐ

(۹۱/۱۶)

حضرت دلی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ والا کے مشاہدے نے مجھ کو میری جیانت پر یقین عنایت کیا۔ اس سفر کا حال کیا عرض کروں؟ دلی سے رامپور تک، ذوق قدمبوس میں جو اتانہ گیا۔ اختلافات آب و ہوا و تفرقہ اوقات غذا کو ہرگز نہ مانا، اور رنج راہ کو ہرگز خیال میں نہ لایا۔ وقت معاودت اندوہ فراق نے وہ فشار دیا، کہ جو ہر روح گداز پا کر ہر بن موسے ٹپک گیا۔ اگر آپ کے اقبال کی تائید نہوتی، تو دلی تک میرا زندہ پہنچنا محال تھا۔ جاڑا، مینہ، قبض و انقباض، فقدانِ چوع، فاقہ ہامی متواتر، منزلیاں نامانوس، ہاپوڑ تک آفتاب کا نظرنہ آنا، شب و روز نہ ہوا ہی زہریلا جانگزا رہنا، بارے ہاپوڑ سے چل کر نیر اعظم کی محبورت و گھائی دہی۔ دھوپ کھاتا ہوا دلی پہنچا۔ ایک ہفتہ کو فتنہ و رنجور رہا۔ اب دلیا پیر و ناتوان ہوں، جیسا کہ (اس سفر سے پہلے تھا۔ خدا وہ دن کرے کہ پھر اس در پر پہنچوں!۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

نجات کا طالب، غالب

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

دوام بقای حضور کا طالب فقیر غالب

چار شنبہ ۸ نومبر سنہ ۱۸۶۵ء

(۶۰/۱۶)

حضرت ولی نعمت امیہ رحمۃ اللہ علیہ سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ مراد آباد ہینچنا، بعد پانکی کے اتر آنے کے قبل
کاٹوٹ جانا، گاڑی اسباب، یہاں تک کہ رخت خواب کا مع آدمیوں کے
اسی زہریر کے میدان میں رہنا، بغیر جاڑے کے کچھ نہ کھانا، خیر جان پر
گزری، وہ جانیں، میں مراد آباد کی سراپاں ایک چھوٹی سی حویلی میں بٹھرا
بھوکا، پیاسا، مکمل اوڑھ کر پڑ رہا۔ یہ شعر اپنا پڑھ پڑھ کر صبح کی
گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے
تب اماں مجھ میں دی بر دیالی نے مجھے

صبح کو خستہ ورنجور اٹھا۔ صاحبزادہ ممتاز علی خاں بہادر کے بھیجے ہوئے دو فرشتے
آئے۔ اٹھا کر سعید الدین خاں صاحب کے ہاں لے گئے۔ صاحبزادہ صاحب
نے وہ تعظیم و تکریم اور سعید الدین خاں صاحب نے وہ تکریم و تعظیم کی کہ
میری ارزمن سے زیادہ تھی۔ ناگاہ مولوی محمد حسن خاں بہادر صدر الصلوٰۃ
آئے، اور مجھے اپنے گھر لے گئے۔ پانچ دن وہاں رہا۔ بھائی نواب مصطفیٰ خاں
بہادر وہیں مجھ سے آکر ملے۔ دوسرے دن وہ رگھرای دارالسرور رامپور گئے۔
اور میں جادہ نور دستم آباد ورتی ہوا۔ دو شنبہ ۲۰ شعبان ۱۲۸۲ھ ۸ جنوری ۱۸۶۶ء
درغملکہ پرہیچا حضور کے اقبال کی تائید تھی، ورنہ میں اور جیتا دلی ہینچتا!

۵

مغلوب غلبہ غم دل، غالبِ خرب
”کاندغش ز ضعف تو ان گفت، جان نبو“

الفاظ ڈھونڈے جانے ہیں، معنی پیدا کیے جاتے ہیں۔ اب میں نیم مردہ،
 دل پڑ مردہ، خاطر افسردہ، جس باب میں لفظ ومعنی فراہم کیا جا ہوں وہ سرسرا
 بلع کے خلاف جس بات کا تصور ناگوار ہو، اُس کے تذکرے سے جی کیوں نہ بقیار
 ہو؟ یہ میری قیمت کی خوبی ہے کہ ہنوز ثمنیت اور مدح کا حق ادا نہ ہوا
 تھا کہ مرثیہ لکھنا پڑا۔ اگر ایک بات میرے خیال میں نہ آتی ہوتی، تو مجھے
 دہنگی و شوار تھی۔ یعنی حضور کو ابتدائی جلوس میں وہ برج پہنچا کہ اُس سے
 زیادہ تصور میں نہیں آتا۔ پس وہ سادہ نشینی کی ہدایت اور غلبہ کی نہایت
 یہ چاہتی ہے کہ اب مدۃ العمر، ابدًا مؤبدًا، حضرت کو کوئی غم نہ ہو۔ ہمیشہ
 ہمارا درجہ جہانستان و شاد و شاد ماں رہیں۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
 آپ کے قدموں کا طالب، غالب - ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۵

دریغا! کہ ماند تھی نصیر دولت ز خاتونِ نامی، سکندر ز مانی
 چو ستارِ روضہ، بود سالِ نقوش پس اہم دی با و جنت مکانی!

(۵۹/۱۵)

حضرت ولی نعمت امیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم مروض ہے۔ ہر چند آیدار خانے کے ساتھ ہونے سے پانی
 کی طرف سے خاطر جمع ہے، کہ حضور جو پانی ہمیشہ پیتے تھے، وہی پیتے ہوں گے،
 مگر ہرج سفر اور اختلاف ہوا کا خیال ہے۔ توقع رکھتا ہوں کہ نوید صحت
 اعتدال مزاج اقدس سے عزا طلاع پاؤں۔ بعد اگرچہ بہت نہیں لیکن
 بلع پر گراں ہے۔ چشم شوق و درد و موکب عالی کی نگراں ہے۔ بقولِ شاعر
 بتغیر لفظ سے جو تم پھر آؤ، تو حضرت، پھر میں ہمارے دل۔ زیادہ
 حیدر ادب۔

معبود نہیں ہیں : مفرح پو علی سینا، شیر مردار پند خیمہ کا دُر زبانِ مہر سی ما، نظم
غیر منشی جس میں طیور کے گوشت اور ادو بہ مفرح و مفرح میں ترست و پرودت
میں معتدل! گا گاد سکھین و گلاب پی لبا کیے۔ غذا میں گوشت طیور، کتہ،
بیضہ نیم برشت اکثر، لیکن یہ خیال رہے کہ بیضہ مرغ و نیم قیور ایک جگہ ہیں مال
نفرلیئے، بکری کے گوشت کے ساتھ بیضہ مرغ بائز اور لذیذ اور خوب۔ پودینے
کا عرق، چھوٹی الائچی کا عرق ہمیشہ دوائی تھے ہیں موجود رہے، نظریات۔
استمال میں مبالغہ، بعد غذا مباشرت سے پرہیز۔ شوربای پچہ کو سفد، لذیذ
خاص پر موجود رہے۔ بحسب رغبت طبیعت خوش جان فرماتے، سب سے
تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جہاد۔ روز افزوں!

(۵۷/۱۳)

حضرت! ان نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ شرف افزا، طوفت نامہ عز و در و دلا، گرت
۱۸۶۵ کی تنخواہ کا سو روپیہ از روئی ہندوئی لغو قد معروض وصول میں آیا
زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جہاد۔ روز افزوں!

سجنت کا طالب، غالب

دوشنبہ ۱۱ ستمبر سنہ ۱۸۶۵

(۵۸/۱۳)

حضرت! ان نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ چاہنا ہوں کہ کچھ لکھوں، مگر نہیں جانتا کہ کیا
لکھوں۔ لازم تھا کہ تعزیت نامہ نربان فارسی و عبارت بلغ لکھوں۔ آپ کے
قدموں کی قسم! دل نے قبول نہ کیا۔ آرا میں گفتار، نظم و نثر، واسطے تنہیت کے
ہے کہ دل کثرت نشاط سے گل کی طرح کھل رہا ہے، طبیعت راء دہتی ہے!

ان دنوں میں متفرقات کے قرضدار اسہ گرم تقاضا، بلکہ آمادہ شور و غوغا تھے۔ دو سو روپیہ کی ہندو سی صراحی آب حیات ہو گئی، دام مرگ سے نجات ہو گئی۔ لطف یہ کہ آج بروز دو شنبہ ۲۱ اگست کو نو بجے اول روز ایک قصیدے کا لغغہ بھیجا گیا۔ اسی دن بارہ پر تین بجے یہ کرشمہ کوا مت دکھایا گیا۔ قصیدے کے لغغے میں ایک عرضداشت ہے۔ اس سے قصیدے کی حقیقت اور خود اس نظم سے طرز نگارش کی جدت ظاہر ہو جائے گی۔ حضرت کے انبساط خاطر کے واسطے یہ ایجاد ہے مجھے ہر طرح کی نظم و نثر سے آپ کی خوشی اور خوشنودی مراد ہے۔ انجام قصیدہ میں جو قرض کے گھلے پائے جائیں اس مجموع میں سے اہل بازار منہائی کئے جائیں، کوٹھی والے ساہوکار چل خلیفہ گئے جائیں ۵

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
ترقی عمر و دولت خداوند کا طالب، غالب
لگاتار دو شنبہ ۲۱، اور رواں داشتہ
سہ شنبہ ۲۲ اگست سنہ ۱۸۶۵

(۵۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمۃ سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے میں طیب نہیں، مگر تجربہ کار ہوں۔ ستر برس کا آدمی ہوشیار ہوں۔ اور سے یہ کہا نہیں جاتا۔ حضرت پر بغیر ظاہر کئے رہا نہیں جاتا۔ خدا جانے، اور طیب کیا سمجھے ہوں گے کہ کیا تھا۔ میرے نزدیک بہ اشتراکِ معدہ و قلب یہ مرض طاری ہوا تھا۔ اب آپ کو حفظِ صحت کے واسطے گاہ گاہ نارجل در یانی و جدوار کا استعمال ضرور ہے۔ اور معجونِ طلائی عنبری تقویتِ قلب میں مجوزہ حکیم بر علی خان مغفور ہے: ورقِ طلا، عنبر شہب عرقِ کیوڑہ، قند، کثرتِ اجزا اس ترکیبِ خاص میں ناپسند۔ کثیر الاجزا اور

بود پلارک افزایا پیش در کعت
 چگونیم از منط شکر طفر سپکرا
 همه مقابل مقبل، به ناوک اندازی
 بیا، به بین که در اردوی این امیر کبیر
 چون قدر آن که جلو دار حمزه بود اینک
 سرور که فخر بر اقبال خود کند کند
 میسر بر درش از هستی ز مرد نشاو
 شنیده که خداوند با ختر چون بود
 گریشت آن که "چه تقدیر کرده ام می گفت
 کئون بعجز" چه تفصیر کرده ام گوید
 رموز حمزه فردی، خوش نشین غالب
 ز دست رونق گیتی به دانش آرائی
 قصیده تو، ولی، کاسه گدائی تست
 غنیم میباش که از گنج خانه تو آب
 بوقت گدیه نگاراد عارست دست آور
 چراغ دوده سردر، علی محمد خان
 ز روی کلب علیخان همیشه روشن بادا

(۵۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم عرض یہ ہے فقیر تکیہ دار، روزینہ خوار، غالب خاکسار حیران
 ہے کہ شکر بجالاے آپ کی عنایت کا، یاد کرے آپ کی کرامت اور ولایت
 کا۔ آپ بے شبہ و رقیق مسند علم و یقین ہیں! تکلف بر طرفنا، امیر المسلمین
 ہیں۔ یہ نہ فقط از روی ارادت ہے، بلکہ یہاں مشاہدہ خرقہ عادت ہے

به پیش چرخ مستعبد، چه بوشیار و چه مست؟
 ز روی ریش ترا شد همی به بهیوشی
 خصوصتی بمن افتاده زایل دنیا را
 بجایش عشق منم سر برهنه تپشی
 بهیب فتنه به الجوشش گز می ماند
 شد دست لاغری من کلیم غیبی من
 منم که فکر من اندر زمین شعر و سخن ق
 چه افتاده؟ که یارب، کنون چو از نایاب
 چنان بخوردن غم عاویم که چون عادی
 نهاده بمنفان نام من ملک قاسم
 رسیده بخل بفر من از عمر میراث ق
 دروغ گفته ام، آن فکر نیز نبیل است
 چو حمزه را بجهان، بعد مرگ مهر نگار
 نماید در نظر دزد و کهنه اسلوبی
 دل است حمزه و لب در فونگری عمرست
 شد آن که بود کلام طلسم گوهر بار
 چو حمزه، کش بعقابین در کشید فلک
 نقاست قرص و منم حمزه در بهر منند
 چو ساحران همه را شغل آتش افشانی
 ز زیر مهره نشد زهر حمزه به، آن به
 مگر بفضل وی آیم برون ز بند بلا
 امیر کلب علیخان بهادر، آن که بود
 درش نوازش طبیل سکندری ارد

که این بعبیده، همچون عمر، ز طراری
 ز فرق تاج ربا بد همی بهشیا ری
 که موم خبیثه بود در فزون مکاری
 که موی سر بر سر کرده است ستاری
 که بود هر لکدش را جرات کاری
 که باشم و تو ام از حاضران نه انگاری
 همین گزشت ز اشقر به نیز ز قناری
 بجاک و خون تپدم تن همی به ناچاری
 نبوده هیچگی سیریم ز پُر خواری
 ز خون دیده بود بسکه جامه گلزاری
 که هیچکند در دهن در سخن مرایاری
 که گم شود ز عمر در دم گز قناری
 ز تیغ و تاج و نگین روی داد بزاری
 جز آن که باز کشاید دکان عطاری
 بجا کسی که ز دل بودش مدد گاری
 بهاره مهر ز آب گهر دران جاری
 به دایم دایم، نفس میکشم بد شواری
 چهل خلیفه، تقاضایان بازار می
 چو از دها، همه را ذوق آدم ادباری
 که نوشداروی نو شیردان هیچکس گاری
 چنانکه حمزه، به نیروی پیر فرغاری
 عدیل حمزه در اسپندی و سالاری
 خهی بلند می آید آره جهان داری

حمرہ" اس کا نام ہے۔ دو سو کئی برس اس کی تالیف کو پوسے۔ اب تک مشہور ہے، اور ہمیشہ مشہور رہے گا۔

آپ کے اس نکیہ دار، روزینہ خوار فقیر نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے، مشتمل اس التزام پر کہ تثنیب کی آیات اور مدح کے اشعار میں حمرہ و اولاد حمرہ و زمر و شاہ وغیرہ یا ان کے معاملات و حالات کا ذکر درمیان آئے۔ سودہ قصیدہ آج اس خط کے ساتھ ارسال کرتا ہوں۔ امید ہے کہ حضرت اس کو پڑھ کر محفوظ ہوں۔ خدا آپ کو قیامت تک سلامت رکھے! مگر جب تک امیر حمرہ کا قصہ مشہور رہے گا، یہ قصیدہ بھی شہرت پزیر رہے گا۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
نجات کا طالب، غالب، ۲۱ ماہ اگست ۱۸۶۵ء

یا وہاب!

چونچتیارک و خنجرک، بمر دم آزاری
کہ کو ہمار، چونارنج نر بیفتاری
دماغ اہل نظر قاف اوست پنداری
دلیر و حجت و ہنرمند تر بعیاری
چرا، بلہو، ہی آتش از ہوا باری
کنز حکیدہ قدرت ترا پرستاری
نہ ایرحم کہ عبث تن دہم بدین خواری
ترا پرستم ازین رو کہ ماہ رخساری
ہمیں بنام کہ معنی نداشت پنداری
کہ ریزد از لب زنگی در آدمی خواری
عمود خسرو ہند است در گرا باری

زہی دو چشم تو در صحن سیہ کاری
زہی زور بدیع الزمان کشتی گیر
زہی خیال تو آدم ربا، چونندک دیو
ز غمرہ تو چگویم؟ کہ آن بود ز عمر
اگر تو غیتی از ساحسراں، انتریا
بدین جال کہ داری عجب مدار، اگر
بہر ردی تو گردیدم آفتاب پرست
سپس بندہ ہب تو رنج کہ بودہ ماہ پرست
توئی بمعنی اصلی دود نور الدھر
چکہ ز لعل تو خون دلم بدانگو نہ
فغان ز بارجم دہر، کان بنجیدن

بڑے عذاب سے کائے ہیں پانچ چار برس
شفا ہو آپ کو، غالب کو بندِ غم سے نجات
خدا کرے کہ یہ ایسا ہو سازگار برس!

(۵۳)

حضرت ولیٰ نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ کل برخور دار نواب مرزا خاں داغ کی تحریر سے
معلوم ہوا کہ حضرت کا مزاج اقدس ناسانہ ہو گیا تھا، اب خدا کے فضل و کرم
سے افاقہ ہے۔ نواب مرزا نے مجھ پر ستم کیا، کہ پہلے سے یہ حال نہ رقم
کیا۔ چودہ عجب کرتا، اب بھی درِ شب و روز ہے۔ مگر یہ خیال کہ حضور کو
خیال گزرے گا کہ غالب رسم عیادت بجا نہ لایا، سخت جگر سوز ہے۔ اب
اس خط کے جواب میں نویدِ عافیت کا امیدوار، اور یہ سوچ کر کہ آج کے
آٹھویں دن جواب آئے گا، بیقرار ہوں۔

ایک عبارت کا ایک جزو بطریق خط ایک انصاف دشمن کو لکھ کر چھپوا
دیا ہے۔ پارسل اس کا نواب مرزا کو ارسال کیا ہے۔ پانچ رسالے وہ
میری طرف سے نذر گزرا نہیں گئے۔ حضرت قبولِ نذر کو میرا عز و
شرف جانیں گے۔

تم سلامت رہو ہزار برس! دولت و عز و جاہ روز افزوں!
دعا گو، غالب۔ ۱۳ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۵

(۵۴)

حضرت ولیٰ نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ داستانِ حمزہ قصہٴ موضوعی ہے۔ شاہ عباس
ثانی کے عہد میں ایران کے صاحبِ طبعوں نے اس کو تالیف کیا ہے۔
ہندوستان میں امیر حمزہ کی داستان اس کو کہتے ہیں، اور ایران میں رموز

(۵۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض آں کہ غشوہ عطفوت عز وود لایا۔ تنخواہ جولائی سنہ ۱۸۶۵ء
 حال کا ماسہ روپیہ ازرومی ہنڈوئی ملفوفہ منعرض وصول میں آیا۔ فقط
 اگرچہ یہاں مینہ اس قدر برسا ہے کہ جس کے پانی سے زمیندار حاصل
 فصل بیع سے ہاتھ دھولیں، مگر چونکہ بفرمان ازلی میرے رزق کی برات
 آپ پر ہے، اور آپ کے ملک میں بارش خوب ہوئی ہے، ابر رحمت کے
 شکرے میں ایک قطعہ ملفوف اس عرضی کے بھیجتا ہوں، بنظر اصلاح نظم و
 اصلاح حال ملاحظہ ہو۔ زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

نجات کا طالب، غالب

جمعہ ۱۱ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۵ء

۱ مقام شکر ہے، اے ساکنان خطہ بھاگ

رہا ہے زور سے ابر ستارہ بار برس

۲ کہاں ہے ساتی موش؟ کہاں ہے ابر طائر

بیار، لامٹی گلنارگوں، بیار، برس

۳ خدانے تجھ کو عطا کی ہے گوہر افشانی

در حضور پر، اے ابر، بار بار برس

۴ ہر ایک قطرے کے ساتھ آئے جو ملک و کھ

”امیر کلب علی خاں جی ہیں ہزار برس“

۵ فقط ہزار برس پر کچھ انحصار نہیں

کئی ہزار برس، بلکہ بے شمار برس

۶ جناب قبلہ حاجات، اس بلاکش نے

(۵۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !
بعد تسلیم معروض ہے منشور عطاقت کے ورود نے معزز فرمایا۔
جون سنہ ۱۸۶۵ء کی تنخواہ کا سو روپیہ اندرونی ہندوئی معرطن وصول
میں آیا۔ زیادہ حد اذ ب ۵۔

تم سلامت رہو قیامت تک ! دولت و عز و جاہ روز افزوں !
عنایت کا طالب، غالب

معرضہ دہم جولائی سنہ ۱۸۶۵

(۵۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

بعد تسلیم معروض ہے میری عرضداشت کا جواب آچکا ہے،
بلکہ ہندوئی کی رسید بھیجا چکا ہے۔ یہاں خلق کو مینہ درکار ہے اور
ہوا شرارہ بار ہے۔ دھوپ کی تیزی سے آدمی کے تیور، اور پہاڑ کے
پتھر جلے جاتے ہیں۔ پانی جگر گزار، ہوا جانستاں، امراض مختلفہ کا
ہجوم جہاں تھاں۔ جزا عضای انسان کے، کہ وہ پسینے میں تر ہیں،
طراوت و رطوبت کا کہیں پتا نہیں۔ یا ٹو جلتی ہے۔ یا مطلق ہوا نہیں
ان سطور کی تحریر سے مدعا یہ ہے کہ مجھے ہر وقت یہی خیال رہتا ہے کہ
حضرت کا مزاج کیسا ہے۔ اس خط کا جواب جس قدر جلد عطا ہوگا، دعاگو
پراحسان آپ کا ہوگا۔ زیادہ حد اذ ب ۵۔

تم سلامت رہو ہزار برس ! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
آپ کی سلامت ذات اور اپنی نجات کا طالب، غالب

۲۳ جولائی سنہ ۱۸۶۵

(۴۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

بعد تسلیم معروض ہے۔ روز پچشنبہ ۱۵ جون کو ایک عرصہ نہداشت روانہ کر چکا ہوں۔ یقین ہے کہ وہ آج پہنچے گی۔ کل ۱۷ جون کو فرح بخش و روح افزا توار شامہ پہنچا۔ قصیدے کا پہنچنا اور اس کا مقبول و منظور ہونا دریافت کر کے اپنی بخت قسمت پر میں نازاں ہوا۔ اب عرض یہ ہے کہ حسب الحکم حضور کے یہ قصیدہ میرے دیوان فارسی میں، جو کتاب خانے میں موجود ہے، درج کیلجا اور سلام حضرت فردوس مکاں کا اُن کے دیوان اردو میں لکھ دیا جائے۔

حضرت کی خدمت میں نہ آؤں گا، تو اور کہاں جاؤں گا؟ وہ آگ پر رہی ہے کہ طور کے پر چل رہے ہیں۔ بعد آگ کے پانی پر سے گا۔ سفر خصوصاً بوڑھے رنجور آدمی کو وہ نوس صورت میں متعذر۔ آفتاب میزان میں آیا، اور ہنگامہ آتش و آب رفع ہوا، اور میں نے احرام بیت المعمور راہپور باندھا،

إِنشَاء اللہ العلی العظیم۔

پیر و مرشد، ازراہ خیر خواہی ایک امر عرض کرتا ہوں۔ محمد علی خاں ابن وزیر محمد خاں رئیس ٹنک، نے بعد مسد نشینی گورنمنٹ کو "سین الدولہ" اور دو جزو "ملک و جنگ" لکھ کر دیے، اور وہاں سے وہ اُن کو عطا ہوئے۔ حضور کے اجداد ا مجاہد نے سلاطین بابر یہ کا خطاب نہ قبول کیا۔ مگر حضرت کے جد امجد کو احمد شاہ درانی نے مخاطب بہ "مخلص الدولہ" فرمایا۔ حضرت اگر مناسب جانیں، تو اس خطاب کو مع دو جزو "شمس الملک و بہرام جنگ" جناب ملکہ معظمہ سے بذریعہ گورنمنٹ اپنے واسطے لیں؟

تم مسد مرشد ہو قیامت تک! دولت دہرہ و جاہ روز افزوں!

نرفزا دولت کاملہ، مناسب یکشنبہ ۱۸ جون سنہ ۱۲۶۵ھ

مہربان ہوتا ہے، وہاں حاکم عادل رحیم بھیجتا ہے، کہ وہ بقوتِ عادلہ کفر و بدعت کی جڑ اکھاڑ ڈالے، اور بصفیتِ رحم رعایا کو پالے۔ مصداق اس کا ذاتِ قدسی صفاتِ جنابِ عالی ہے، کہ قمار خانے کی بنامٹا ڈالی ہے۔ نہ قانونِ سیاست اگلے کا محصول معاف کر دیا ہے، روپیہ عثیت پر نثار کیا ہے۔ نہ آئینِ ریاست! ۱۷

رباعی

نواب کہ شد ز شوکتِ اقباش بخشیدنِ باج غلہ از اقباش
فارغ شد ہر کسی و روداد فراغ ہم فارغ ہم فراغ باشد
پیر و مرشد، حضرت فردوسِ مکاں کا دستور تھا کہ جب میں قصیدہ بھیجتا، اُس کی رسید میں خطِ تحسین و آفرین کا، شرم آتی ہے کہتے ہوئے مگر کہ بغیر بنتی نہیں، مالا صہ کی ہنڈ دی اُس خط میں ملفوف عطا ہوا کرتی تھی۔ دو قصیدے مدحیہ میرے دیوانِ فارسی میں مرقوم، اور وہ دیوانِ حضرت کے کتاب خانے میں موجود ہے، خطوں کی تصدیق از روی دفتر ہو سکتی ہے یہ رسم بڑی نہیں ہے۔ اگر جاری رہے، تو بہتر ہے۔ زیادہ حدِ ادب۔

التفات کا طالب، غالب، پینچشنبہ ۱۹ محرم سنہ ۱۲۸۱

(۲۸)

حضرت ولی نعمتِ آئیہ رحمتِ سلامت!

بعدِ تسلیمِ معروض ہے۔ نامہ مع سواروپے کی ہنڈوی کے عزورڈ لایا۔ مئی سنہ ۱۸۶۵ کا مشاہرہ معروض وصول میں آیا۔ زیادہ حدِ ادب۔
تم سلامت رہو ہزار ہر برس کے ہوں دن بچاس ہزار
التفات کا طالب، غالب

۱۵ جون سنہ ۱۸۶۵ عیسوی

تم سلامت رہو ہزار برس ! ہر برس کے ہوں دن سچا ہزار

عنایت کا طالب، غالب

۶ مئی سنہ ۱۸۶۵ عیسوی

(رباعی)

سرتاسر دہرِ عشرتستان تو یاد ! صد رنگ گلِ طرب بدامان تو یاد !
عیدِ است و بہارِ غریبی یاد ! جانِ من و صد چوہن، بفرمان تو یاد !
عنایت کا طالب، غالب شنبہ صبح روزِ عیدِ ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۱ ہجری نبوی

(۲۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

بعدِ تسلیم معروض ہے تنہیت نامہ ارسال کر چکا ہوں، جواب پا چکا
ہوں۔ قصیدے کا لغافہ ارسال کیا ہے۔ یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا۔
حضرت فردوس مکانِ پہرِ آستان کا معمول تھا کہ محرم سے دو تین مہینے
پہلے سلام پانچ سات لکھتے تھے، اور فردا فردا میرے پاس بھیجا کرتے تھے۔
جب وہ فراہم ہو چکے، تو محرم سے دو چار دن پہلے میں اصلاح دیکر بھیج دیا
کرتا تھا۔ اب کے برس ایک ہی سلام بھیجنے پائے بس۔ آج وہ سلام
اس مراد سے حضور میں بھیجتا ہوں کہ حضور کے حکم سے حضرت کے
دیوان میں شامل ہو جائے۔ زیادہ حدِ ادب سے

تم سلامت رہو ہزار برس ! دولتِ غر و جاہ روز افزوں !

عنایت کا طالب، غالب

شنبہ یکم محرم الحرام سنہ ۱۲۸۲

(۲۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ حق تعالیٰ، جَلَّ جَلَالُہُ، وُعَمَّ کُوَاکُہُ، جسِ گردِ پر

رہنے تھے۔ کتابیں جمع کرنے اور انھیں پڑھنے کا بھی بے حد شوق تھا۔
 اُس عہد میں جس قدر نایاب اور نادر کتابیں مہیا کی گئی ہیں، وہ اپنی اہمیت
 اور قیمت کے لحاظ سے مستقل کتاب خانے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ فارسی
 ادبیات سے زیادہ دلچسپی تھی۔ جب کوئی نئی فارسی کتاب خرید
 فرماتے، اُس کے سرورق پر اپنے قلم سے تاریخ آمد وغیرہ لکھتے۔ اردو
 فارسی، دونوں زبانوں میں شعر کہتے، اور نواب تخلص فرماتے تھے۔
 فارسی کلام سرزا محمد تقی خاں پتھر، مؤلف تاریخ التواریخ، کی نظر سے
 گزر رہا تھا۔ اردو کلام امیر مینائی لکھنوی دیکھا کرتے تھے۔ ایک فارسی
 نثر مرزا غالب کو بھی صلاح کے واسطے بھیجی تھی، مرزا صاحب ان کی طرز
 نگارش کے بچہ مداح تھے۔ تصنیفات میں چار اردو کے دیوان، دیوان
 فارسی، تاریخ شاہان سلف، انتخاب بوستان خیال اور متعدد
 نثریں ہیں۔ اخبار مینی کا بھی شوق تھا۔ دہلیہ سکندر سی، چورامپور کا
 پہلا اخبار ہے، انھیں کے ایما سے ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۲۸۶ء ہجری
 (۱۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ء) سے ہفتہ وار شائع ہونا شروع ہوا۔
 آپ نے ۲۲ سال ۷ ماہ کی حکومت کے بعد ۵۳ سال ۶ ماہ ۷ روز کی
 عمر میں پڑھ کے دن ۳ بجے کے وقت ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۰۴ م
 (۲۳ مارچ سنہ ۱۸۸۷ء) کو انتقال کیا۔ امیر مینائی نے ”خواجگاہ
 حامی اسلام امیر المؤمنین“ سے تاریخ وفات نکالی ہے۔

(۴۵)

حضرت ولی نعمت آئہ رحمت سلامت

بدرِ قلم معروض باد۔ نواز شریف نامہ مع ہندوئی صدر ذیہ عز و دایا

اپریل سنہ ۱۹۶۵ء کی تنخواہ کا روپیہ معبر من وصول فرما۔
 زیادہ حد ادب سے

”بمختور نواب صاحب والا مناقب عالی شان، قلم فیض و عمان
احسان، امیر المسلمین نواب کلب علی خاں بہادر دام اقبالہ مقبول باد

[نواب سید محمد کلب علی خاں بہادر خلید آشتیاں، نواب فردوس مکاں کے
فرزند اکبر تھے۔ آپ جناب عالیہ فیروز النساء بیگم صاحبہ، لقب بہ نواب بہو بیگم، دخترید
عبد العلی خاں بہادر، خلیف نواب سید غلام محمد خاں بہادر کے بطن سے ۲۰
ذی الحجہ سنہ ۱۲۵۰ھ (۱۹ اپریل سنہ ۱۸۳۵ء) کو اتوار کے دن صبح کے وقت
متولد ہوئے۔ سنہ ۱۸۶۲ء میں گورنر جنرل کی منظوری سے ولیعہد ریاست اور
۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ (۲۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ء) کو جمعے کے دن ۳۰ سال کی
عمر میں مسند نشین ہوئے۔ ۱۵ محرم سنہ ۱۲۸۲ھ (۱۰ جون سنہ ۱۸۶۵ء) کو مسٹر
جان انگلس، ایجنٹ ریاست و کمشنر روہیلکند نے رامپور آکر، غائبانہ بیگم متینا
ادا کی۔ ماہ رجب سنہ ۸۲ھ (دسمبر سنہ ۱۸۶۵ء) میں ملکہ مغفہ کی جانب سے خلعت
آیا، اور اسی مہینے میں جشن جلوس منایا گیا۔ آپ بڑے حاتم دل، پابند شرع،
بامروت اور خلیق تھے۔ باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتے، اور غیر شرعی آمدنی سے
خرانے کی دولت کو پاک رکھتے تھے، خود صاحب علم تھے، فارسی، غلبہ
غیاث الدین عزت، صاحب غیاث اللغات، سے حاصل کی، اور علوم حکیمہ
مولوی فضل حق خیر آبادی اور مولوی عبدالحق خیر آبادی سے پڑھے۔ ان کا
دربار اہل کمال سے بھرا رہتا تھا۔ مشرقی علوم و صنائع کا شاید ہی کوئی ایسا
ماہر ہو جو ان کے خوان جو دو کرم کی زلہ ربانی نہ کرتا ہو۔ ان میں علما شعرا،
ادباء، خطاط، صحافت، طبخ، اور دیگر تمام ہنروں کے ماہرین شامل تھے،
علمی مباحثوں کا بہت شوق تھا۔ روزانہ دربار میں کسی نہ کسی علمی یا ادبی
مسئلے پر اہل دربار طبع آزمائی کیا کرتے تھے۔ آپ خود برابر کا حصہ لیتے،
اور اس طرح اپنے معلومات کے دائرے کو وسیع سے وسیع تر بناتے

ثانی باد! چارشنبه ۲۳ شوال سنه ۱۲۸۱ هـ و ۲۲ مارچ سنه ۱۸۶۵ -
(مهر غالب ۱۲۷۸)



پس کس را چنین طالعی بهر جلوس اتفاق افتاده باشد، که حضرت ولی نعمت را برای غسلِ صحت دست بهم داده است. خرد تا گفتار مرا شنود، چشک زد و به پیاره سرود که "ای در درختانی، انجم آفتاب، چون کودکان در بال افشانی، کرکهای شب تاب، نگران! از حلقه، اختر شماران بدر آس، و بدستان حکمای روحانی رمزی از حکمت ایمانی بشنو، تا بدانی که بدین امیرمند سریر، سلطان نظیر، عمر جاودانی و دوام لذت های روحانی بخشیده اند." گفتیم: "تا برمان نباشد" کالبه سخن را جان نباشد. مرا بے خیر مپنداراد اگر محبتی داری، بیار." گفت: "برمانی ازین ارجمند تر و محبتی ازین خرد پسند تر چه خواهد بود که چون آفریدگان را در آن جان عمر دو باره دهند، دیگر بیم مرگ بر خیزد، و به بانگ صور از خواب فنا جُستگان در آن گیتی جاوید پایند. مگر صحت خداوند ازین رنجوری هولناک آید آن نماید که پنداری عمر دو باره یافت؟ پس اقتصای دو باره زیستن تنیر چرا پذیرد؟ و چون هستی یافتگان آن جان در آن همان جاودان زنده باشند، آنکه درین گیتی حیات ثانی پذیرفته باشد، هم درین گیتی همیشه زندگانی چون نکند؟ این عمر عزیز که بخدا بیگان داده اند، عمر خضر و الیاس نباشد که یکی را بشردن ریگ صحرا، و دیگری را به پیودن آب دریا گزرد. انشاء الله العظیم، جناب عالی، تا همانست، پرویز بزم، نعمتی زرم دشمن گداز، دوست نواز، بلب در سخن اختر فشان، و کبف در کرم گوهر فشان خواهند زیست.

قطعه تالیح غسل صحت، و قصیده تمنیت که پیش ازین فرستاده ام، نظم است شاعرانه، و این نگارش نثر است مازفانه، قانون حکمت و نثر لیت را جامع، هم از روی نقل حق، و هم از روی عقل راست بقای خداوند بمر تازه جاودانی، و نشاط بی اندازه پیشکار این حیات

آگهی، وہ دن جلد ہو کہ جو میں سُنوں کہ حضرت نے غسلِ صحت فرمایا!

تم سلامت رہو قیامت تک!

دولت و عزّ و جاہ روز افزوں!

نجات کا طالب، غالب

۱۱ مارچ سنہ ۱۸۶۵ء

(۴۴)

بحضرتِ فلکِ رفعت، نوابِ معلی القاب، انجم گروہ، آفتاب شکوہ
بچشمِش و بختِش بنویان را تو انگر کن و ناتوان را توانا ساز، در عرو
جاہ باتا جدارانِ مہر و در ملک و سپاہ با شہر یارانِ انباز، کہ بھر ز انگلی
حلقہ در گوش انگنندہ دانش گستران، و بمر دانگی غاشیہ بود و ش نمنندہ دلاوران
ہر چہ از نیایش و ستایش بتقدیم ہی رسد، حرد باز دی مہبت است تا بیلان
نیرد در سخن دلیری تواند کرد۔

ہمانا از راز سپہر و ستارہ سخن ہی رود و خجستگی و فرخندگی تا چند گفتہ می شود
این نافِ ہفتہ کہ راستان در باستان این را "بہرام روز" میگفتند و اکنون
"سہ شنبہ" نام دارد، روزِ نسبتِ فیروز، دیرہ درین سالِ قرخ قال کہ
دوہین روز است از فروردین، در روزِ نسبتِ او یکم از مارچ، در روزِ نسبتِ
دوم از شوال۔ باری، نخست بر آن سرورِ شاہ نشان کہ امروز ہشتین
اندام آبرومی گرما بہ افزود، مبارک، و سپس بر غالبِ سخندان کہ عافیت
جوی و دعاگوی این درگاہ ست، ہایون!

ہمانا درین روزِ نگار، خسرو ستارگان کہ مہرِ منیرش دانی، در برہ، و از
سوی فرازِ نخستین سیارگان کہ زحشِ خوانی، در ترازد، سعید اکبر بہ قوس و
سعید اصغر بہ تور، آن دو نیز بہ بیت الشرف خوشنود و شاد، داین دوا ختر
یکاشانہ ہای خویشین آباد۔ گمان ندارم کہ از خسروانِ پارس و سلاطینِ عرب

ارسال کا حکم ڈاک سے میں نے نہیں پایا۔ ۲۲ دسمبر کو ہرکارہ آیا۔ نواز ش
نامہ شرف افزا لایا۔ دلی اب شہر نہیں، چھاؤنی ہے، کنپا ہے۔ نہ قلعہ
نہ شہر کے امرا، نہ اطرافِ شہر کے رڈ سا۔ بہر حال تین چار دن میں ہر ایک جگہ
سے منگو اکڑ، رنگین و سینگین دپے گرہ یا کم گرہ خود چن کر، پانچ میٹر قطعات چوڑے
چینی ایک ٹھلیا میں رکھ کر، آٹے سے منہ بند کیا، پھر کپڑا لپیٹا، ڈوری سے
خوب مضبوط باندھ کر، دو جگہ اپنی مہر کی اور وہ ٹھلیا کھار کو سوپنی سے
تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزت و جاہ روز افزوں!
روز دو شنبہ ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۲ء، وقت صبح حوالہ کھار سرکار۔ [مہر:
غالب - ۱۲۷۸]

(۴۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ نواز شامے کے ورد سے عزت اور ادراک
صحت و عافیت مزاج اقدس سے مسرت حاصل ہوئی۔ پرچہ ہندوی اس
توقع میں ملفوف پایا۔ سو روپیہ بابت تنخواہ دسمبر سنہ ۱۸۶۲ء معروض
وصول میں آیا۔ زبادہ حد ادب
تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزت و جاہ روز افزوں!
حضور کی سلامتی کا طالب، غالب
۱۲ جنوری سنہ ۱۸۶۵ء عیوی

(۴۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ فقیر مکرمتاً ظہور کے ورد مسعود نے میری
عزت بڑھائی، اور اس میں تنخواہ فروری سنہ ۱۸۶۵ء کی ہندوی پائی۔ زیر
مندرجہ ہندوی معرض وصول میں آیا۔ سو روپیہ حضرت کا تصدق پایا

(۳۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

بعد تسلیم معروض ہے۔ کس زبان سے کہوں، اور کس قلم سے لکھوں
 کہ یہ ہفتہ عشرہ کس تردد و تشویش سے بسر ہوا ہے! ہر روز شام تک جانب
 درنگراں رہتا کہ ڈاک کا ہرکارہ آئے، اور حضرت کا نواز شامہ لائے
 بارے، خدا کی مہربانی ہوئی، از سر نو میری زندگی گانی ہوئی کہ کل چار گھڑی
 رات گئے ڈاک لکے ہرکارہ نے وہ عطا فت نامہ عالی دیا، جس کو پڑھ کر
 روح تازہ رگ و پے میں دوڑ گئی۔ نیند کس کی، سونا کس کا! روشنی کے
 سانسے بیٹھا اور اشعار تہنیت لکھنے لگا۔ سات شعر مع مادہ حصول صحت
 جب لکھ لیے، تب سو یا۔ اب اس وقت وہ مسودہ صاف کر کے ارسال کرتا ہوں
 تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
 خیر و عافیت کا طالب، غالب

۲۷ نومبر سنہ ۱۸۶۴

(۴۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

بعد تسلیم معروض ہے۔ نواز شامہ عزیز و دلایا۔ از روی ہند دی
 سو روپیہ بابت تنخواہ ماہ نومبر سنہ ۱۸۶۴ معرض وصول میں آیا۔ زیادہ حد آد
 تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
 مختاری سلامتی کا طالب، غالب

۱۳ رجب و دسمبر سنہ ۱۸۶۴

(۴۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

بعد تسلیم معروض ہے۔ حضرت کے قدموں کی قسم! چوب چینی کے

(۳۷)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ ابتدا می یکم نومبر سے ااتک، عرض نہیں کر سکتا کہ لیل و نهار مجھ پر کیسے گزرے ہیں۔ راہ دُور، میں رنجور، معذرا بمقدور۔ اگر دلی سے راپور تک شکر م کی ڈاک جاتی ہوتی، تو میں یہاں ایک دم نہ ٹھرتا اور خدمت میں حاضر ہوتا۔ تاہم برقی بھی نہیں، جو صحت و عافیت کی خبر حلد حاصل ہو۔ ناچار از راہ اضطرار ۸ ماہِ حال، یعنی نومبر کو عریضہ روانہ کیا۔ خدا کی عنایت اور مرشدِ کامل، یعنی حضرت کی ہدایت نے اُس خط کے جواب آنے کی مدت سے پہلے مجھے گردابِ اضطراب سے نکالا۔ کل ۱۲ نومبر کو نوارِ شنامہ آگیا۔ گویا میری جان بچ گئی، بلکہ ایک اور نئی جان میرے بدن میں آگئی۔ اب استدعا یہ ہے کہ حالِ ناسازمئی مزاج اقدس مفصل معلوم ہو۔ زیادہ حِدادب ۳

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار! عافیت کا طالب، [مہر: غالب ۱۲۷۸]

یکشنبہ ۱۳ نومبر سنہ ۱۸۶۴

(۳۸)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ مع ہندو می شرف و رد دلایا۔ سور و پیہ بابت اکتوبر سنہ ۱۸۶۴ معرض وصول میں آیا۔ زیادہ حِدادب۔ تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روزِ اُخروں! عافیت کا طالب، غالب

۱۳ نومبر سنہ ۱۸۶۴

۵

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن بچاں ہزار!
 نجات کا طالب، غالب
 جمعہ نہم ستمبر سنہ ۱۸۶۴

(۳۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!
 بعد تسلیم معروض ہے۔ صدور والا نامہ سے میں نے عزت پائی۔ بعد
 ہندوی سوریہ بابت تنخواہ ستمبر سنہ ۱۸۶۴ وصول ہوئے۔ زیادہ جد
 ادب۔
 ترجمہ کا مستحق اور تفقد کا طالب، غالب
 (۳۶) دو شنبہ دہم اکتوبر ۱۸۶۴ عیسوی

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!
 بعد تسلیم و نیاز معروض ہے۔ جب سے حضرت کی ناسازشی مزاج
 مبارک کا حال خارج سے مسموع ہوا ہے، عالم الغیب گواہ ہے کہ مجھ پر
 اور میری بی بی پر اور میرے فرزند حسین علی خاں پر کیا گزر رہی ہے۔
 ایک دن رات میرے گھر میں روٹی نہیں پکی، ہم سب نے فاقہ کیا۔ بارے
 وہ خبر وحشت اثر غلط نکلی، جو اس ٹھکانے ہوئے۔ بالکل اطمینان جب ہوگا
 کہ آپ کے غسلِ صحت کی نوید سنوں گا، اور قطعہ تاریخ غسلِ صحت لکھ کر
 بھجوں گا۔ فی الحال اتنا چاہتا ہوں کہ اس خط کا جواب پاؤں۔ اور حقیقت
 مرض سے آگہی حاصل ہو۔ زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن بچاں ہزار!
 بھاری سلامتی کا طالب، غالب
 ۸ نومبر سنہ ۱۸۶۴

برسات کا اندیشہ مانع آیا۔ نقل سرنامے اور خط کی بھیجتا ہوں! ۵
تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روز افزوں!
حضور کی خوشنودی کا طالب، غالب
صبح سہ شنبہ ۴ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۳

(۳۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم کے معروض ہے۔ نواز شنامہ اور اس کے ساتھ دو ہنگیاں
دوسو آدمیوں کی پہنچیں! شکر نعمتہامی تو چند انکہ نعمتہامی تو! زیادہ
حیدرآباد۔

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روز افزوں!
نجات کا طالب، غالب
سہ شنبہ پنجم جولائی سنہ ۶۴

(۳۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ منثور عطاوت مع قطعہ ہندوی شریف و رود
لایا۔ سو روپیہ بابت تنخواہ جولائی سنہ ۱۸۶۴ کی معرین وصول میں آیا فقط
تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
ترجمہ کا طالب، غالب
۱۱ اگست سنہ ۱۸۶۴

(۳۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ نواز شنامہ مع ہندوی عز و رود لایا۔ سو روپیہ
بابت تنخواہ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۴ معروض وصول میں آیا۔ زیادہ حیدرآباد

دوشنبہ ۱۱ نومبر سنہ ۱۸۶۱ء

(۲۷)

حضرت ولیؑ نعمت آیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ کل ایک شعر طوریؑ مغفورہ کا اور ایک شعر
غالب مرحوم کا ایک ورق پر لکھ کر، صبح کو ڈاک میں بھجوا دیا۔ شام کو توفیقِ بیع
ہرگز نہ ڈاک نے لا دیا۔ اگست سنہ ۱۸۶۱ء کی پرورش کی ہنڈوی پہنچی، اور
روپیہ وصول ہو گئے۔

فقیر کا شیوہ صدق و سداد کا ہے۔ چند روز سے تفقّد و التفاتِ قدیم
میں، خدا نخواستہ باشد، کچھ کمی پاتا ہوں۔ اگر غلط ہے میرا گمان، تو لبشرِ
اطلاع مشرف فرما بیٹے، اور اگر میرا دل دیوانہ بیچ سمجھا ہے، تو متوقع ہوں
کہ عتاب کے سبب سے آگہی پاؤں۔ زیادہ عذاب ہے
تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
معروضہ صبح دوشنبہ ۱۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۲ء [مہر: غالب ۱۲۷۸]
یہ عرضداشتِ جدا ہے، البتہ اس کے جواب کا امیدوار ہوں، اور
رسید معمولی جدا ہے۔

(۲۸)

حضرت ولیؑ نعمت آیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ نواز شہناہ صبح، روپیہ کی ہنڈوی کے
پہنچا۔ اگست سنہ ۱۸۶۱ء کے مہینے کی پرورش کا روپیہ وصول ہوا۔
تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
[مہر: غالب ۱۲۷۸] دوشنبہ ۱۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۲ء

(۲۹)

حضرت ولیؑ نعمت آیہ رحمت سلامت!

یہ ایسے ہیں اور ایسے ہیں، غرض اس سے یہ تھی کہ محرم میں جہاں دس پانچ مرثیہ خواں اور مقرر ہوتے ہیں، میرن بھی مقرر ہو جائیں۔ آخر جا بجا تھا نیدار کو تو ال، تحصیلدار نوکر ہیں۔ میرسر فراز حسین ہوشیار اور کار گزار آدمی ہیں۔ کسی علاقے پر یہ بھی مقرر ہو جائیں۔ یہ دونوں امریا ان دونوں میں سے ایک ہو جاتا، بہتر تھا، نوا بہتر۔ درحقیقت سپارش نہ تھی، صرف معرفت ہونا تھا۔ سپارش کرنا، تو کیا ہیں آپ کو نہ لکھ سکتا تھا؟ میری طرف سے خاطر خاطر جمع ہوئے۔
 زسینہ تا بطیم سالہا نسیا بد راہ ہر آن نفس کہ رضای تو اندر آن نبود!
 داد کا طالب، غالب۔ دو شنبہ ۲۲ جولائی سنہ ۱۸۶۱

(۲۶)

ولی نعمت آیت رحمت سلامت!

بعد تسلیم کے عرض کرتا ہوں، اور طلوع ستارہ اقبال کی مبارک باد دیتا ہوں، یقین ہے کہ اس سفر فیض اثر میں "ریل گاڑی" کی سواری کی بھی سیر دیکھ لی ہوگی۔ یہ اس مہینت و شکوہ و شوکت سے علاوہ ایک تماشا دنیا دیکھا۔ حق تعالیٰ حضرت کو سلامت باکرامت رکھے!

دعا گو ایک مہینا بھر سے بیمار ہے۔ ابتدا وہی قولنج دوری۔ بسبب استعمال ادویہ حارہ کہ اس مرض میں اس سے گریز نہیں، تپ نے آگھیرا۔ کئی بار بھگتیں۔ اب دوبار بار بھگتی ہیں؛ لیکن طاقت بالکل سلب ہو گئی ہے، اور ضعف و ماغ نے قریب ہلاکت پہنچا دیا ہے۔ بالفعل آب سبب کا استعمال ہے۔

طریقہ دعا گوئی و شناختی الکی رعایت سے نوبت بسبیل تنوی، کہ جس میں حصول عطیہ سلطانی کی ہجری و عیسوی تاریخ ہے، بہر حال لکھ لی ہیں۔ کل درود عنایت نامہ سے معزز ہو کر آج وہ اشعار نذر کرتا ہوں۔
 زیادہ حد ادب سے تم سلامت رہو قیامت تک، شفقت کا طالب، غالب

(۲۴)

ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم تورے اور خلعت کے عطیے کا آداب بجالاتا ہوں۔ خدا آپ کے سلامت رکھے، اور اپنی اولاد کی اولاد کی شادیاں کرنی اور ان شادیوں میں تورے اور خلعت کی تقسیم نصیب ہو۔

یہ تحریر نہیں، مکالمہ ہے۔ گستاخی معاف کر داکے اور آپ سے اجازت لے کے بطریق انبساط عرض کرتا ہوں کہ یہ سوا سو روپیے، جو تورہ و خلعت کے نام سے مرحمت ہوئے ہیں، میں کال کا مارا اگر یہ سب روپیہ کھا جاؤں گا، اور اس میں لباس نہ بناؤں گا، تو میرا خلعت حضور پر باقی رہے گا یا نہیں؟ یہ تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار واد کا طالب غالب۔ ووشینہ بحساب تعزیرہ داراں پانچویں، اور از رد می

دوج ۶ محرم الحرام سنہ ۱۲۷۸

(۲۵)

ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروف من ہے۔ آٹھ ساٹھ برس سے مصدر خدمت اور شریک دولت ہوں۔ لازم کر لیا ہے کہ بیودہ گزارش نہ کروں اور کبھی کسی کی سپارش نہ کروں۔ بھائی حسن علی خاں کے بیٹوں کے باب میں جو علی بخش خاں صاحب کو لکھا، اس کو میں سپارش نہ سمجھا تھا۔ مخبر بنا، اور آپ کے اہل کاروں کو اس بات کی خبر دی کہ جس کا تدارک صاحبان ملک و حاکمان عہد پر لازم ہے سو مقتضای نصفت و عدالت وہ مقدمہ فیصل ہو گیا۔ میر سرفراز حسین اور میرن صاحب کو واللہ بسند، اگر میں نے بھیجا ہوا نوکری کی جستجو کو نکلے تھے۔ میر سرفراز حسین نوکری پیشہ، اور میرن مرثیہ خواں اور یہاں کے مرثیہ خوانوں میں ممتاز۔ خانساں صاحب کو جو میں نے پکھا کہ

امید کہ لب تشنگی من نہ پسندی زان رشتہ کہ بر صفحہ فتائی زمانہ
 امید کہ پیری و بر من نکستی قہر پذیرم اگر معذرت قرط مشاعل
 امید کہ آن شیوہ نوری کہ نگویم کز درد و دلم فارغ داز من شد غافل
 ای بامی تو در روشنی از مهر فردن ترا ای روی تو در حسن و دچند از بیکانی
 تا مہر بیک سال کنند دائرہ را دور تا ماہ بیک ماہ کنند قطع منازل
 یاشی بسپر شرف آن ماہ کہ باشد در نور یہ خورشید جہا نتاب مقابل

(۲۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

شکر بندہ پروری بجا لا کر عرض کرتا ہوں کہ کل ۱۲ جولائی کو نواز شامہ
 مع سورد پیہ کی ہنڈوی کے پہنچا، اور روپیہ معرض وصول میں آیا متوقع
 ہوں کہ یہ عطیہ چوتھی پانچویں انگریزی کو جیسا کہ ہمیشہ پہنچتا تھا، پہنچا کرے۔ دسویں
 بارہویں نہ ملوا کرے۔ تم سلامت رہو قیامت تک
 خوشنودی کا طالب، غالب

صبح جمعہ ۲۳ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۶

مطابق ۱۳ جولائی سنہ ۱۸۶۰ء

(۲۳)

ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامے کے درود سے میں شہرت
 پائی۔ سورد پیہ کی ہنڈوی بابت مصارف مابح سنہ ۱۸۶۱ء کے پہنچی۔ زیر مندرجہ
 معرض وصول میں آیا۔ خاطر اقدس قرین جمعیت رہے۔ کلیات فارسی کے
 پہنچنے سے اور اس نذر کے مقبول ہونے سے مجھ کو بہت خوشی حاصل ہوئی ہے
 تم سلامت رہو قیامت تک! عنایت کا طالب، غالب

صبح یکشنبہ ۱۷ اپریل سنہ ۱۸۶۱ء

من نالم ازان دوست که در عالم الفتا
 او خسرو و خویان بود و بنده گدایش
 گر خواجه بهانست و اگر دوست بهانست
 خود هر چه سرودم همه با اوست کزین پیش
 یارب! چه شایسته که نگیزد خیر از من
 ای یوسف ثانی که در همه عالم
 گر نام تو در بحر گنجید ز بیان نیست
 تا نزد تو چون آیم و دور از تو چه سازم
 ای کاش بگوئی تو چنین روی مودی
 چیست که گاهی کنی روی بدین سوی
 گر جان دهم از غصه تو دانی که به گیتی
 خواهی که مرا بگری از دور، بفرمای
 از صنعت استاد ازل دان که نه هر سوی
 غالب سخن نام من آمد ازل آورد
 در فن سخن دم من از عرفی و طالب
 من گنج و گردون به گل اندوده ورم را
 خود در خور ویرانه بود گنج گران مند
 باروت، فزون نفس گرم چه داند؟
 آن را که صریح قللم هوش رباید
 توفیع بر بلی تو فرخنده! که من نیز
 حاشا که ستانم رقم متاعی و مفتی
 بفرست خرد مند کسان را بکومت
 هر سال ازان شهر بمن دایه رواند

شایان بودش گویم اگر خسرو عادل
 او قلزم و همان بود و من خیر ساحل
 ما نیم و یقینی که بوحشت شده کامل
 امید گم بود بهر وادی و منزل
 بر بسته برویم در راه سال رسائل
 مشتاق جمال تو، چه دیوانه، چه عاقل
 شد نام نظیر تو و همنام تو داخل
 مانند ز تو و شواهد رسیدن به مشکل
 زنیان که فرورفته مرایای درین گل
 از حسی که هرگز ندیدی دایه یسائل
 حرفی غلط از صفه هستی شده زائل
 تا نزد تو آرند یکی طائر بسمل
 چون قبله نما، سوی تو ام ساخته مائل
 دانی که درین شیوه نیم عامی و جاہل
 این آیه خاصست که بر من شده نازل
 می بین در گنج ارچه کشودن شده شکل
 غم نیست اگر آبادی دلی شده زائل
 اعجاز زد دلی بود و سحر ز بابل
 دیگر نبرد ذوق ز آواز عنادل
 بستم بفره مندی خویش از کرم دل
 حاشا که پریم عمل شخه و عامل
 در حبیب گدا ریز قلبی ز بداخل
 که بهر همین گشته در اقطار تو مثال

اب فرمائیے میرے واسطے کیا احتمال گزرتا ہے۔ یا اس کئی ہے، لیکن واقعہ یہ ہوا ہے کہ سب سے پہلے میرا نام اور پورے پنشن کی داگراشت کا حکم۔ غرض یہ کہ میرے نام کے ساتھ ایک انگریزی تحریر ہے کہ جس کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کا حکم منظوری اس تحریر پر متفرع ہے۔ حکام کے علیہ ہیں اور دکلا اور اہل شہر میں یہ مشہور ہے کہ وہ تحریر ولایت سے آئی ہے۔ بہر حال دو امر ہنوز مبہم ہیں: ایک اس انگریزی تحریر کا حال، اور دوسرے میرے بھائی کے پنشن کی حقیقت۔ سو یہ دونوں امر چند روز میں معلوم ہونے چاہئیں گے، اور جو معلوم ہوگا، وہ عرض کیا جائے گا۔ غالب۔ ۲۲ اپریل ۱۸۶۰ء

(۲۱)

حضور،

سنہ ۱۸۵۸ء میں، یہ قصیدہ کہ گویا نامہ علوم ہے، میں نے حضور میں بھیجا تھا اور بریلی کا ملک ملنے کی تنہیت دی تھی۔ بعد اُس کے حضرت، کو دانستہ کوہ کی محال، یعنی کاشی پور ملا۔ گویا یہ میز پر غلط ہو گئی۔ البتہ شہ انجام کار جو میں نے قصیدے میں قصد کیا تھا، وہی ہوا۔ اب ارشاد ہو کہ میں لسان الغیب ہوں یا نہیں؟ فقط

چون عیت مرا شربت آبی ز تو حاصل	دائِم کہ تو دریائی
در بادِ بے برگ و غریبان، ز چہ سوزد؟	آن شمع فردزان کہ بود
زان خسروِ خوبان چہ قدر چشم و قابو؟	صدحیف، کہ شد نقشِ ہر مہمہ بطل!
افسانہ غم گر بسر ایم، نبو و عیب	بادوست کہ پیوستہ ہی، بدغم از دل
میگویم و ہمدم ز دم طعنے کہ "تن زن	چون می ندر و داد، ز فریاد چہ حاصل؟
از طعنے شدم خستہ دل و از رو تیمار	دل گفت کہ "ہاں شیوہ عشاق فروں"
تا کس نبرد ظن کہ بشاہد بودم روی	حاشا، کہ حکایت کنم از لیلی و عمل!
شاہد بود آن دوست کہ اندر غزل اورا	خواند شمعکارہ و خوشنوارہ و قاتل

آدابِ نیاز بجالا کر عرض کرتا ہوں کہ سو روپیہ کی ہنڈوی بابت
مصارف ماہ نومبر ۱۸۵۹ اپنی اور روپیہ وصول میں آیا اور صرف ہو گیا
اور میں بدستور بھوکا اور تنگ رہا۔ تم سے نہ کہوں تو کس سے کہوں؟ اس
مشاہرہ مقررہ سے علاوہ دوسروں پر اگر مجھ کو اور بیچ دیجئے گا، تو جلا
لیجئے گا، لیکن اس شرط سے کہ اس عطیہ مقررہ میں محسوب نہ ہو، اور بہت
جلد مرحمت ہو۔ زیادہ حدِ آداب۔ عرضداشت غالب۔ معروضہ صبح پنجشنبہ
ہشتم دسمبر سنہ ۱۸۵۹ ہجری و دعایت نامہ مرقومہ ماہِ حال۔

(۱۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

آدابِ نیاز بجالاتا ہوں، اور مزاجِ اقدس کی خبر پوچھتا ہوں، اور
بکمالِ ناچاری، بصد گونہ شرمساری، عرض کرتا ہوں کہ آج سہ شنبہ
ماہِ فروری کی ہے جو لوگ کہ میرے ساتھ ہیں، گوشت براؤا رہیں، اور جو وظیفہ
خوار دلی میں ہیں، وہ چشمِ براہ ہوں گے۔ زیادہ حدِ آداب؟
خوشنودی کا طالب، غالب

صبح سہ شنبہ، فروری سنہ ۱۸۶۰

(۲۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

تقدیمِ مراسمِ تسلیم مقدمہ اس گزارش کا ہے کہ عالمِ دہلی: ایک
عالمِ شہادت، ایک عالمِ غیب جس طرح عالمِ شہادت میں آپ میری دستگیری
کر رہے ہیں، عالمِ غیب میں آپ کا اقبال مجھ کو مدد پہنچا رہا ہے تفصیل اس اجمال
کی یہ کہ وہ نقشا پسنداروں کا، جو یہاں سے صدر کو گیا تھا، وہ اب صدر
سے بعد صدرِ حکم آ گیا۔ حکم بہ نسبت ہر واحد کے مختلف ہے تعلیل بہت
ہے۔ سو روپیہ بیٹنے والے کو پچھتر بھی ہیں اور پچیس بھی ہیں، اور دس بھی ہیں

یا گناہگار، مقبول ہوں، یا مردود۔ مانا کہ کوئی خیر خواہی تمہیں کی، چہ شے
انعام کا مستحق ہوں؛ لیکن کوئی بوقاعی بھی سرزد نہیں ہوئی، جو دستِ خود
قدیم کو برہم مارے۔ بہر حال اس تشویش میں ہوں۔ راہِ یارہ مسدود
اور دُکھ موجود۔ عرفی^۲ خوب کہتا ہے

مرا زمانہ طناز دستِ بستہ و تیغ زند بفرقم دگو چکہ "بان" مہرِ میجا
فقط - مرقومہ صبح یکشنبہ، نومبر سنہ ۱۸۵۹ء

(۱۷)

حضرت دلی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد بجالانے آدابِ نیاز کے عریض کرنا ہوں۔ فتنہ و فتنہ چھپنا۔
نوابِ عالی جناب کی ملازمت کا حال بسبیلِ اجمال مندرج ہوتا ہے از دلی
اخبار بہ تفصیل دریافت کر چکا ہوں۔ ہندوستان میں کسی رئیس کے واسطے
یہ بات کا ہے کہ ہوئی ہے! مسندِ تکیہ کسی کو کب ملا ہے! یہ کمالِ غریب نشان۔
استحکام بنائی ریاست کا نشان ہے۔ لطف یہ ہے کہ اب صاحبانِ کورٹ
ڈرکٹر^۲ حامل نہیں رہے۔ گورنر جنرل بمادرِ نائبِ سلطنت ہیں۔ اس
صورت میں جو کچھ انھوں سے ہے، وہ عطیہِ حضرتِ نلکِ رفعت مکہ معشر کا
ہے۔ ایسے شاہنشاہ کی سرکار سے وسادہ سروری کا عطا ہونا بہت ہی
نوازش اور سزاوارِ صد گونہ نازش ہے۔ یہ چار بالیش امارت اور کاشی پور کا
ضمیمہ ملک موردِ ثنی ہونا، پہلے آپ کو سرورِ لیہد بہادر کو اور پھر آپ کے
ادلاء و اخوان و انصار کو اور سب۔۔۔ بعد غالب برد غاگوی گوشہ
نشین کو مبارک ہو! زیادہ حدِ ادب

مرقومہ صبح یکشنبہ، ۲۷ نومبر، ۱۸۵۹ء

(۱۸)

حضرت دلی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

غرم ولایت کا حال معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ آپ کو ہر جگہ مظفر و منصور
و کا میاب رکھے! خدمت گزار ہوں، اور دعا و ثنا میرا کام ہے۔ بڑھاپے
نے کھودیا۔ جز نفسے چند مجھ میں کچھ باقی نہیں۔ زیادہ حدادب۔
عرضداشت غالب۔ معروضہ یکم اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ء

(۱۵)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!
بعد تقدیم تسلیم گزارش کرتا ہوں۔ پرسوں ایک نیاز نامہ بھیجا ہے۔
یقین ہے کہ پہنچے گا اور اس کا جواب جلد عنایت ہوگا۔ کل نواز شنامہ
جس میں سو روپیہ کی ہنڈ دی بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ء تھی، شرف
درود لایا۔ نہ مندرجہ ہنڈ دی معرض وصول میں آیا۔ خاطر اقدس جمع ہے۔
(شنبہ ۵ نومبر سنہ ۱۸۵۹ء)

(۱۶)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!
بعد بجالانے آداب نیاز کے عرض کرتا ہوں۔ یہ میرا درود دل ہے۔
نامہ تہنیت میں اس کا اندراج مناسب نہیں جانا۔ میں انگریزی سرکار
میں علاقہ ریاست دودمانی کا رہتا ہوں۔ معاش اگرچہ قلیل ہے، مگر
عزت زیادہ پاتا ہوں۔ گورنمنٹ کے دربار میں داسنی صفت میں دسواں
لمبر اور سات پارچے اور جعبہ، سر بیچ، مالای مروارید، خلعت مقرر ہے
لاٹو ہارونگ صاحب کے عہد تک پابا۔ لاٹو دلوئی یہاں آئے نہیں۔
اب یہ نواب علی القاب آتے ہیں۔ زمانے کا رنگ اور۔ کوئی حاکم،
کوئی سکرٹریز میرا آشنا نہیں۔ بڑے میرے مربی قدردان، جناب اڈمنسٹریٹر
صاحب وہ بھی چیف سکرٹریز ہے، لفٹنٹ گورنر ہو گئے۔ وہ سکرٹریز ہتے
تو مجھے کچھ غم نہ تھا۔ اب تک میں اپنے کو یہ بھی نہیں سمجھا کہ بے گناہ ہوں

بھیجے جائیں گے۔ پھر وہاں سے حکم منظوری پنجاب ہوتا ہوا یہاں آئے گا، اور یہاں مجھ کو روپیہ مل جائے گا۔ آج روپیہ ملا، کل میں نے آپ سے سواری اور بار برداری مانگی۔ آج سواری اور بار برداری پہنچی، اور کل میں نے رامپور کی راہ لی۔ بلکہ اسی نیاز نامے میں کچھ حُسن طلب بھی تھا۔ افسوس کہ ایسا خط ضروری نہ پہنچے!

دوسرا خط جناب عالیہ مغفورہ کی تعزیت میں تھا، اُس کا بھی ذکر اس عنایت نامے میں نہ تھا۔ ناچار پہلے خط کا مضمون اس ورق میں مکرر لکھ دیا، اور دوسرے خط کے صرف ذکر پر اکتفا کیا۔ حق تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، اور صبر و ثبات و دولت و اقبال و عمر و جاہ و جلال! رقی دوام عنایت کرے! دو غزلیں منجملہ بارہ غزلیں کے بعد اصلاح ارسال کر چکا ہوں۔ خدا کرے، پہنچ گئی ہوں! پرسوں ایک قطعہ جناب سلیم صاحب و قبلہ کی تاریخ وفات کا بھیجا ہے۔ یقین ہے کہ پہنچے گا۔ از راہ احتیاط وہ قطعہ اس ورق میں پھر لکھتا ہوں، اور نیز از راہ احتیاط یہ خط بیرنگ روانہ کرتا ہوں۔ زیادہ حد ادب، عریضہ اسد اللہ خاں، معروضہ دو شنبہ چار دہم رمضان سنہ ۱۲۷۵ء مطابق ہر دہم اپریل سنہ ۱۸۵۹ء قطعہ

جناب عالیہ از بخشش حق
سخن پرداز غالب سالِ حلت
بفردوس برین چون کرد آرام
"خلود غلد" گفت از روی الہام
(۱۲۷۵ م)

(۱۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت! نوازش نامے کے درود مسعود کی اطلاع دیتا ہوں، اور ہینڈ دی کے پہنچنے کا شکر بجا لاتا ہوں۔ ستمبر سنہ ۱۸۵۹ء کے مہینے کے سو روپیے پہنچے۔ ناظر اقدس جمع رہے۔

حق تعالیٰ ذاتِ ستودہ صفاتِ گودائما اور ابد جاہ و حلال و دولت و اقبال کے ساتھ سلامت با امان رکھے !

عریضہ نگار، اسد اللہ المتخلص بہ غالب

مرقومہ یکشنبہ ۲۱ شعبان ۱۲۷۴ مارچ سالِ حال

(۱۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

ایک خطِ مشکل اپنے حال پر اور ایک خطِ جنابِ بیگم صاحبہ و قبیلہ مغفورہ کی تعزیت میں روانہ کر چکا ہوں۔ اب ایک قطعہ تارِ پنج بھیجتا ہوں۔ اگرچہ ایک کا تعبیہ ہے، لیکن تعبیہ کتنا خوب اور بے تکلف ہے ! عرضداشتِ اسد اللہ۔ معروضہ ۱۳ رمضان ۱۲۷۴ اپریل سالِ حال ۳۔

جنابِ اعلیٰ از بخششِ حق بہ فردوس برین چون کرد آسام
سخن پرداز غالبِ سالِ حلیت ”خُلُو دُخْلُو“ گفت از رویِ لہام
(۴۱۲۵)

(۱۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

بعد تسلیم کے عرض کرتا ہوں۔ آج دو شنبے کا دن ۱۷ رمضان المبارک کی اور ۱۸ اپریل کی صبح کے وقت ڈاک کا ہر کارہ آیا، اور غفر عطا فرمایا۔ میں نے سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا۔ تعجب ہے کہ میرے دو خطوں کی رسید اس عنایت نامے میں مرقوم نہیں آیا نہ پہنچے، یا پہنچے اور نہ پڑھے گئے، کچھ معلوم نہیں۔

پہلے خط میں یہ عرض کیا ہے کہ مجموعہ پنڈاروں کی مثل مرتب ہے اور ہنوز صدرِ رگزدانہ نہیں ہوئی۔ نواب گورنر جنرل لارڈ کیننگ بہادر نے کھلتے سے میرے پنشن کے کو اخذ کیا، کیے، اور وہ کاغذِ فہرست میں سے الگ ہو کر لنڈٹ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں ارسال ہوئے وہاں سے کھاتے کو

میرے حاضر ہونے کو جوار شاد ہوتا ہے، جس و باں نہ آؤں گا، نہ ادا
 کہاں جاؤں گا؟ پنن کے معمول کا زمانہ فریب آیا ہے، اس کو مقررہ
 چھوڑ کر کیونکر چلا آؤں؟ سنا ہوا ہے، اور اتنے ہی آہستہ کہ جنوری
 آغاز سال ۹۵ عیسوی میں یہ قلعہ انجام پاس۔ جس کو روپیہ ملتا ہے
 اس کو روپیہ، جس کو جواب ملتا ہے اس کو جواب مل جاتا ہے۔
 حضور نے یہ کیا تحریر فرمایا ہے کہ ان بارہ غزلوں کی مسالحت میں
 کلام خوش مطلوب ہے، اگلی غزلوں کی طرح غزلوں، اگلی غزلوں کی
 اصلاح پسند نہ آئی، اور ان اشعار میں کلام خوش نہ تھا، جس کا عنوان
 غزلوں میں بھی وہ کلام ہے کہ شاید دوروں کے دوران میں وہ ایک
 شعر بھی نہ نکلے گا۔ میں بہت درایتی فہم و استعداد کے کبھی مسالحت میں
 قصور نہیں کرتا۔ زیادہ حد ادب۔ عریضاً سب غالب۔ معہ دشت بہشت

۲۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۵ و ۳ دسمبر ۱۳۵۵

(۱۱)

حضرت ولی نعمت آید رحمت سایہ رحمت !

میں اس دولتِ ابدیت کا اندازہ رائے مؤقت خیر خواہ ہوں۔ امر دلی
 انگیز اندوہ آؤں ہیں آرایش گفتار گوارا نہیں کر سکتا۔ خواب دہراؤں نے
 دلی آکر پہلے نویدِ نیرم آرائی سنائی۔ چاہتا تھا کہ اس کی غیب لکھوں،
 کل اس نے از روی خط آید را سپور حضرت جنابِ عالیہ کے انتقال کی
 خبر سنائی۔ کیا کہوں، کیا غم و اندوہ کا ہجوم ہوا! حضرت کے شہنشاہ ہونے
 کا تصور کر کر اور زیادہ مغموم ہوا۔ بیدار نہیں ہوں کہ ایسے مقام میں
 بطریق انشا پرداز می عبارت آئی کروں، تا دان نہیں ہوں کہ آپ
 جیسے دانا دل دیرہ و رکوتلقین صبر و غلبہ کی کردار سے
 از دست گدای بی توانا دیدم جز آن کہ بصورتِ دل دعائی بگذر

جناب عالی، طرّفہ معاملہ ہے۔ خدا کا شکر ہے اور اپنی قسمت کا گلہ ہے۔
خدا کا شکر یہ کہ باوجود تعلق قلعہ کسی طرح کے جرم کا ہونے پر سے احتمال
بھی نہیں، قسمت کا گلہ یہ کہ عطایٰ پنشن قدیم کا حکام کو نہیں ملے گا۔ یہ نمبر
سنہ ۱۸۵۸ اُنیسواں مہینہ ہے۔ گویا بن کھائے جینا ہے۔ کہتے ہیں کہ جنوری شروع
سال میں ہندوؤں کو روپیہ ملے گا۔ دیکھیے کیا نیا گل کھلے گا! پہلی نو میر کو
یہاں اشتہار عام ہو گیا ہے، کہ اب قلم و ہندوستان میں عملِ ملکہ معظمہ
عالی مقام ہو گیا ہے۔ میں پہلے سے مذاحوں میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں، اور
وزرا می ملکہ دار اور بان کے دوسار قی فکٹ پا چکا ہوں۔ اگر اس اجمال کو
بہ تفصیل معلوم کیا چاہیے، تو اسی کتاب موسوم بہ دستنبو میں دیکھا جائیے۔
خوشنودی کا طالب، غالب۔ نگاشتہ روز یکشنبہ ہفتم نومبر سنہ ۱۸۵۸ء

(۹)

خداوندِ نعمت سلامت!

جو آپ بن مانگے دیں، اُس کے لینے میں مجھے انکار نہیں، اور جب
مجھ کو حاجت آپڑے، تو آپ سے مانگنے میں عار نہیں۔
بارِ گرانِ غم سے لپٹ ہو گیا ہوں۔ آگے تنگ دست تھا، اب تہی
دست ہو گیا ہوں۔ جلد میری خبر لیجئے، اور کچھ بھیجوا دیجئے۔ عنایت کا طالب، غالب
چار شنبہ یازدہم ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۵ ہجری و ۱۷ نومبر سنہ ۱۸۵۸ء

(۱۰)

حضرت ولیّ نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد آداب بجالانے کے عرض کرتا ہوں کہ فشورِ رافت لکھا ہوا
۲۵ نومبر کا جمعے کے دن تیرہری دسمبر کو اس دعا گوئی دولت کے پاس پہنچا۔
ڈھائی سو روپیے کی ہندو سی معتمد کے حوالے کی گئی۔ آج یا کل روپیہ

آج آج سے لگا۔ غاطر عاطر اقدس جمع رہے۔

داندادیہ بردن آمدن نتوانم۔ بہ نگاشتن این نامہ رحمت اوقات ملازمان
از آن رُور واداشته ام کہ اگر نفرستادن نامہ محض از روی احتیاط است،
ہویدا گردود کہ در عنایت تفریط و در رعایت افراط است۔ چشم دارم کہ بمشاہدہ
سواد نواز شناسنامہ فروغ نظر اندوزم۔ شغل شعر و سخن ہر آئینہ نقین دارم کہ درین
چنین فتنہ و آشوب دل بدان کار چگونه گراید؟ دولت پائیدہ و نصرت طرب
فزائیدہ باد! از اسد اللہ غالب نگاشتہ دروان داشتہ پنجشنبہ ۱۲ جنوری ۱۳۵۷
لہ

دیران خاص، بر عنوان نامہ ہامی پشین، نشان کلبہ این درویش دلریش
عقب مسجد جامع نبشتہ اند، من از ہنر ہشت سال در محلہ بلی ماران می
مانم۔ سپس نشان این محلہ نگاشتہ شود۔ فقط

(۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!
منشور عطاوت کے دیکھنے سے زندگی کی صورت نظر آئی محض اور
غزلوں کے پہنچنے کی اطلاع پائی۔
یہ بھی ایک بخشش کا بہانہ پیدا کرنا ہے، ورنہ حضور کے کلام کو اصلاح
کی احتیاج کیا ہے؟ میری کیا سخنوری اور سخن سرائی ہے! آپ کی قدرائی
بلکہ قدر افزائی ہے۔ تکلف ہے، اگر کہوں کہ تاقیامت رہو۔ بے تکلف
و عایہ ہے کہ خدا کرے ایک سو بیس برس تک سلامت رہو!
اس قرینے سے کہ بسبب کم فرصتی کے اُن کا ملاحظہ نہ کرنا مرقوم ہوا،
رہنختے کے دیوان اور اس کتاب کا پہنچنا معلوم ہوا۔ دیوان کے دیکھنے نہ
دیکھنے میں آپ کو اختیار ہے۔ مگر یہ چار جزو کا رسالہ جواب بھیجا ہے، اس کا
دیکھنا ضرور درکار ہے۔ فارسی قدیم اور سحر سخن معنی اور صنعت الفاظ،
باین ہمہ ہر امر کی احتیاط اور ہر بات کا لحاظ۔

اپریل سنہ ۱۸۵۱ء کلکٹری دہلی یافتہ ام، وازمئی خود آشکارا است کہ حالِ حسیّت
 پیوندِ تعلّق! بہادر شاہ 'جُڑ' آن نبود کہ از ہفت ہشت سال بخیر تاریخ
 سلاطین تیموریہ وازدوسہ سال بہ اصلاحِ اشعارِ شہریار می پرداختم۔ درین
 ہنگامہ خود را یکبار کشیدم و بدین اندیشہ کہ مباد، اگر یک قلم ترک آئینش کنم،
 خانہ من بتاراج رود و جان در معرض تلف افتد، بیاطن بیگانہ و بظاہر آشنا
 ماندم۔ ہر گاہ شہر بردست سپاہِ انگریز فتح شد، ہمہ جاگیرداران و پنداران
 از شہر بدر رفتند، چنانکہ تا امروز آوارہ دشت و کوہ اند، من از جانہ جنبیدم و
 ہم چنان گوشہ گیر ماندم۔ درین بند و بست کہ خاصہ از ہر سیاستِ مجربان است
 و تحقیقاتِ جرم از روی دفتر قلعہ و اطوارِ مخبران می کنند، ہیچ گونه آلاشِ دامن
 من پیدا نیامد و دار و گیر و باز پرس رودہ و ادو۔ بوذون من در شہر از حکام تہان
 نیست۔ اما چون پرستی در میان نیست، لاجرم محفوظ مانده ام۔ می بایست
 کہ خود سلسلہ جنبان گشتی و با حکام پیوستی، درین بارہ سخن آنست کہ درین
 فرماندہان بایہج کس سابقہ معرفتی ندارم، و مملاً ہنوز موقع و محلّ آن نحوہ نگرم
 کہ نامہ نویسم و خواہش ملاقات بیاں آورم رستی اینکہ درین فتنہ و آشوب
 خدمتی بجا نیاورده ام۔ لیکن مقامِ شکر است کہ بتقدیم نہ رسیدن خدمت از
 راہ بیدستگاہی است، و ذریعہ اخلاص و خلوص ہمان بگینا ہی است۔
 حالِ خود را، اگر چہ پرسش از جانبِ آن دالامناقب نبود، گفتیم، و
 خونِ میخورم کہ صحت و عافیت ذاتِ ہمایون اقدس کہ پاسب، جاودان
 سلامت باد! چگونہ دریابم۔ ہمدین گنج کہ مسکنِ منست، شنیدہ ام کہ والاشان
 زین العابدین خان بہادر بشہر آیدہ اند۔ نیاز مندئی من ہامرومی نواب عبداللہ خان
 بہادر و مہرورئی من با اصغر علی خان مرحوم و محبت و قلبت من با نواب عبدالکریم
 خان بہادر مغفور کجا دیدہ اند و آن مدارج کی در نظر دارند کہ ایشان را در ضمیر
 میگزشت کہ گدائی گوشہ نشین را یا بدیدہ؟ من خود پائی کہ رفتار داشتہ باشم نام

ہی باریک کاغذ پر لکھ کر اس افسانہ کو دیکھ گاہ اور اس کو تاکید کیجے گا کہ اس کو بھیج دے۔ یہاں کے ساہوکار نے میری خاطر یہ اس لکھے کو اپنی (۲) پیچ میں روانہ کیا ہے۔ غالب پنجم ذی الحجہ (۳)

(۵)

بوالاخذ مستندہ نجات درجت، جناب نواب صاحب الامتائب عایشہ قلم فیض و محیط احسان، عز کفرہ و دَامَ مُلکُہ، آدابِ نیاز بجای آورد، و نیاز مندیہ معروضہ می دارد۔ در زمانِ چہرہ دستی کو رنگانِ سپاہِ روسیہ سرشتِ یام از ہم گشت۔ ناچار بفرستادنِ نامہ بر، رساندنِ نامہ و پیامِ صورتِ لبستِ حسین و زگار کہ فرمانِ داورانِ دادگر روانی و سلسلہ آمد شد نامہ رسائی یافت، نامہ در پیام روان داشتہ شد، و نارسیدنِ پاسخِ آن راجحانِ پنداشتہ شد، کہ مگر آن نیایشنامہ ز سیدہ باشد، یا قریط احتیاط مانعِ تحریرِ جواب گردیدہ باشد۔ ہر آئینہ بدولتِ چنان گزشت کہ درین بارید انسان سخن سرا می توان گشت کہ سرگزشتِ من از دولتی نعمتِ ہمان و سجائی در میان نہاند۔

حالی را می جان آرای باد کہ دیر میہ نمکخوار سرکارہ انگریزم و از سر آغاز سالِ یکزاد و بہشتِ صد و شش کہ دران گاہ شمارِ سنینِ عمر من از دہ نگزشتہ بود، بعوضِ جاگیرِ عمِ حقیقی بسوی خود، نھرا بشد میگاہ خان بہادر (۴) کہ با جمعیتِ رسالہ چار صد سوارِ معیتِ جرنیل لاؤڈ لیک بہادر در فتحِ ہندوستان کو شششہای نمایان کردہ، و پر گزہ سونک سونک، بقیہ میں حیاتِ جاگیر یافتہ، و ہمدانِ عہدِ بزرگ ناگاہ از چہان رفتہ بود، بفرمانِ جرنیل لاؤڈ لیک بہادر و منظومِ گورمنٹ، مُشتِ زرری شالی جاگیرِ عمِ سببی من، نواب احمد بخش خان بہادر، در وجہِ معاشِ من منجملہ ذرِ استراخی سرکاری کہ بذمتہ نواب احمد بخش خان بہادر، و کیفر کردار یافت، و جاگیرِ سرکار باز یافت شد، چون جانشینِ احمد بخش خان کیفر کردار یافت، و سبدنِ آن وجہِ مقرری از خزائنہ کلکتری (۱) دہلی صورت پذیرفت، چنانکہ تا انجام

پشت پر تحریر ہے: ”عرضی از دست مبارک چاک شد و بند غزلیات
مرسلہ در حضور ماند: ۹ شعبان سنہ ۱۲۷۳ھ“

(۵)

جناب عالی، کچھ کم مینا ہوا کہ میں نے حضور کی غزلوں کو دیکھ کر خدمت
میں روانہ کیا ہے، اور اُس کے پہنچنے سے اطلاع نہیں پائی۔ اب ڈاک میں خط
”لغت بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ اس واسطے میں مترد ہوں، اور مدعا اس تحریر سے
یہ ہے کہ اگر وہ لغت نہ پہنچا ہو، تو میں اُس مسودے کو پھر صاف کر کر روانہ کر دوں۔
زیادہ حدیادب۔ از غالب۔ نگاشتہ صبح پنجشنبہ ۲۷ شعبان سنہ ۱۲۷۳ ہجری (۲)“

(۶)

جناب عالی، آداب بجا لاتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ اجورہ دار ہنچا۔ مگر
”لٹا ہوا، اور بھیکا ہوا، اور بھاگتا ہوا۔ گوجروں نے اُسے کوٹ لیا۔ روپیہ نکلتا،
سب لے لیا۔ خط اُس دار و گیر میں گر پڑا، بھیک گیا۔ لغت مجھ تک نہ پہنچا، خط
مع ہنڈوی کے ہنچا۔ خط میں سے القاب بہ تکلف پڑھا، اور یہ جملہ ”سفیتہ مبلغ
دو صد و پچاہ روپیہ“ پڑھا گیا، اور باقی خیر و عافیت ”مکرر آئمہ“ اس کے
بعد جو کچھ لکھا تھا، اُس میں سے ”مولوی“ یہ لفظ، اور بعد ایک لفظ کے
”خانصاحب“ یہ پڑھا گیا، اور کچھ نہیں۔ مجھ کو (۳) غم یہ ہے کہ غزلہا می اصلاح
اور دیوان اُردو کی رسید میں نے نہ پائی۔ (۵) فقط

ہنڈوی کا بعینہ وہ حال جو میرے خط کا تھا، کچھ پڑھا جائے، کچھ نہ پڑھا
جائے۔ آپ کا نام اور ڈھائی سو روپیہ پڑھا گیا۔ چونکہ مہاجن مجھ کو جانتا تھا،
اُس نے اُس بھیکے ہوئے کاغذ کو اپنی چٹھی میں لپیٹ کر اُس مہاجن کے
پاس بھیجا ہے۔ جب وہ صحیح کر کر بھیجے گا، تب وہ مجھ کو روپیہ دیگا۔ اُس کے صحیح
کرنے میں کیا تاثر ہے؟ میں نے صرف بطریق اطلاع لکھا ہے۔ اور غزلوں کی اور
دیوان کی رسید اور جو اس خط میں ”مکرر آئمہ“ کے بعد مطالب مندرج تھے وہ پھر ایسے

افتتاح بشیرینی نیازداشت۔ کریمان بندہ را بہ شکم ہی پرورند؛ ولی نعمت را بندہ بَشکر پروردن آئین است۔ شکر این شکر بعدہ ایمان شیرین فردگزاشتم؛ این نامہ ہر آنکہ رسیدن عطیہ حالی گردد، بدین زودی ہنگام شتم۔ اشعار خود ہنگام خویش خواہد رسید و این سررشتہ ہمہ گاہ از ہم نخواہد گسست۔ زیادہ عدا داب۔
نیر دولت و اقبال سرخشمہ فروغ بی زوال باد!

غالب

پنجشنبہ ۱۲ فروری ۱۸۵۷

(۴)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

آداب بجالاتا ہوں۔ غزلوں کے مسودات کو عفات کر کر^(۱) حضور میں بھیجتا ہوں۔ مسودات اپنے پاس رہنے دیے ہیں اس نظر سے کہ اگر اجباتا ڈاک میں لغافہ تلف ہو جائے، تو میں پھر اس^(۲) کو عفات کر کر بھیج دوں؛ ورنہ موقع حکمت و اصلاح مجھے کیا یاد رہے گا۔^(۳) فقط
میں نہیں چاہتا کہ آپ کا اسم سامی اور نام امی نخلص رہے۔ ناظم، عالی، انور، شوکت، نسیان، ان میں سے جو پسند آئے، وہ رہنے دیجئے مگر یہ نہیں کہ خواہی نخواہی آپ ایسا ہی کریں۔ اگر ہی نخلص منظور رہے، تو بہت مبارک۔ زیادہ عدا داب
تم سلامت رہو قیامت تک

عنایت کا طالب، غالب۔ روز یکشنبہ ۱۵ فروری سنہ ۱۸۵۷^(۴)

[میرزا صاحب نے ۸ مارچ ۱۸۵۷ء کو ایک عربینہ ارسال کیا تھا، جو ۱۱ ماہ مذکور کو رامپور پہنچا۔ مثل میں اس کا صرف لغافہ شامل ہے، اور اس کی پشت پر تحریر ہے: "عرضی حسب الہکم چاک نمودہ شبر۔ ۱۶ رجب ۱۲۷۴ھ"

میرزا صاحب نے یکم اپریل سنہ ۱۸۵۷ء کو ایک اور عربینہ ارسال کیا تھا، جو ۳۰ اپریل کو رامپور پہنچا۔ مثل میں اس کا بھی صرف لغافہ شامل ہے اور اس کی

دهم در تن فی دم آتشین را
 برفتار ناز اندر آرم قلم را
 سخن کوتاه آن به که اند نظم خردی
 فرستم ولیکن خرد چون پسندد
 گرفتم که رنگین خسیالم به گیتی
 گرفتم که بحسب روانم معنی
 گرفتم که روشن روانم بدانش
 درین پرده خواهم که از مورسین
 نبشتم که خدمت گزارت غالب
 بشب بستم این نقش و دریند انم
 بقا، بهر دادر، زدا دار خواهم

فردزنده شمع با یوان فرستم
 تدردی بصحن گلستان فرستم
 بدیوان آن صدر گیاهان فرستم
 که برگ گیاهی به بستان فرستم
 شقائق به بنگاه لغمان فرستم
 گهر جانب ابر نیسان فرستم
 چراغی به مهر درخشان فرستم
 سلامی بسوی سلیمان فرستم
 پیء دعوتی خویش برهان فرستم
 که حرزدعا با اداوان فرستم
 به آیین خروش از درشان فرستم

(۳)

بحضور موزطور، حضرت نواب معلى القاب، جادوان کامیاب، ولی
 نعمت، آیه رحمت، دایم اقباله، سپاس بجای آورد و پوزش همی گسترده
 آن بارگاه سپهر کارگاه را قبله حاجات میداند، و بهنجار سرگزشت حکایتی بعرض
 میرساند. سه شنبه ۲۷ جنوری نامه مؤلفان و بفضل اذ لنا (۲) بمن رسید. چهارشنبه
 ۲۸ جنوری عرضداشت روان داشتم. چون دو هفته گزشت و سر رشته ڈاک
 درین بند و بست جدید استوار نشاند، گفتیم در مکرز سیده باشد. دومی که چهارشنبه
 یازدهم فروری ۱۸۵۷ بود، چاشتگاه تصدیق (۳) بقصد اظهار فرمان پری فرستاد.
 شامگاه سه پنجگ یام منشو عطف آورد. بر مرکب دیده سو و خرد و حبان
 نثار کردم. تا نور داز هم کشووم، و ورق از فهرست گنجینه اسرار، یعنی اوراق
 اشعار گزیده و سفته (۵)، دو صد و پنجاه رویه در آن نور و یافتیم. و فقر شعر سبیل اعتبار
 من شد، و زیر آن سفته بعضی وصول آمده که در بنده پروری بهانه میجوید و در نه این

درش را بود پایہ در خیال
 کلیم، اراء عصا در مغنم فرستد
 وجودش بود فخر اجرام و ارکان
 ز وجودش بود و عدہ بازیردستان
 ز دولتش، شیمی به جنت رسانم
 ہم از شرقی اشراق دی، آفتابی
 ہم از روی نیکوی وی، ماهتابی
 اگر گزید تیرش از سینه من
 و گر سر ازین راه دزد و جبین را
 مرثیت از خزانست به خواہ اورا
 ہم از آتش دوزخ آرم تو زش
 و گر تابهاران بسجی نہ میرد
 سپہ چون کشد، گر نہ از ناتوانی
 درین انزو، از نفس های گیرا
 بتو قی قیض حق، آن عین معنی
 گزشت اندر اندیشہ کز خامہ رشی
 بدل گفتم، البستہ کار بست مشکل
 سگالش چنین رفت در کار سازی
 فرستادم، اما شباید جوانی
 ندانم کہ شور و خشان گدا را
 بدل گفتم، آری، فرستاده باشم
 دگر جادہ رہ نمایان نہ گردد
 بدان تار دانی، و ہم کار خود را

نگد سولقی از دود پنهان فرستم
 من این ارمغان بہر دربان فرستم
 تحیت باجرام و ارکان فرستم
 بشارت بہ بر حبس و لیان فرستم
 ز کولش، نسیمی بر ضوان فرستم
 باختر شہاسان یونان فرستم
 بہ شب زنده داران کغان فرستم
 دل از سینم ہمراہ پیکان فرستم
 چو گولش درین رہ پچوگان فرستم
 سہ فصل دگر ہم بدینسان فرستم
 ہم از دہریر سن زمستان فرستم
 در آمدی بہشتش بزندان فرستم
 تو انم کہ خود را بہیدان فرستم
 بہ آیات، آیات قرآن فرستم
 کہ آباد بروی فراوان فرستم
 بدان قلمزم فیض و احسان فرستم
 بناید کہ این نامہ آسان فرستم
 کہ فرخ بود، چون بفرمان فرستم
 کہ تا ہرچہ فرمان رسد، آن فرستم
 چہان باز تا گوش سلطان فرستم
 گر از راہ چاک گریبان فرستم
 ہم از جیب چاک بدامان فرستم
 زخونا بہ موجی لہر زگان فرستم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”بکھنور نواب صاحب والا مناقبِ عالی شان، قلزمِ فیض و عمارِ
سان، جناب نواب محمد یوسف علی خان بہادر، دامِ اقبالہ مقبول باد“

[نواب سید یوسف علی خان بہادر، فردوسِ مکن، طاب ثراہ، نواب سید
محمد سعید خان بہادر، ابنِ نواب سید غلام محمد خان بہادر، ابنِ نواب

سید فیض اللہ خان بہادر، ابنِ نواب سید علی محمد خان بہادر، رانی ریاستِ بہار
کے فرزند اکبر تھے۔ آپ جنابِ عالیہ فتح النساء بیگم صاحبہ، بنتِ محمد نور خان بریلوی،
ہمیشہ زادہ نواب سید فیض اللہ خان بہادر، کے بطن سے دو شنبہ ۵ ربیع الثانی

۱۲۳۱ ہجری (۵ مارچ ۱۸۱۵ء) کو متولد ہوئے، اور دو شنبہ ۱۳ رجب ۱۲۳۱ ہجری
۱۲۳۱ (۱۵ اپریل ۱۸۱۵ء) کو مسندِ حکمرانی پر قدم رکھا۔ جلوس کے دو سال دو ماہ بعد ۴ مئی ۱۲۳۱
۱۲۳۱ (۱۵ مئی ۱۸۱۵ء) کو مشہور واقعہ عذر درو نہا ہوا۔ آپ نے اس فتنے کے

فرد کرنے میں حکومتِ ہند کی اعانت کر کے، بسلسلہ اعترافِ خدمات میں ہزار روپے کا
خلعت، ایک لاکھ بیس ہزار روپے سالانہ آمدنی کا عید علاقہ، اور ”فرزندِ دلیر“
دولتِ انگلشیہ کا خطاب حاصل کیا، سلامی گیا، بہ ضربِ توپ کے بجائے تیرہ ضرب

مقرر کی گئی، اور مراسلت میں القاب و آدابِ نواب صاحبِ مشفق بسیار
مہربان کرم فرمایا، مخلصانِ سلامت، بعد از شوقِ ملاقاتِ مسرتِ آیات
مشہودِ خاطر الطافِ ذخائرِ مہربانہ دے طے پایا۔ آپ نے خود اس عیلمے کی

مکملہ
مثنیٰ

پیش ہوئے تھے، بقیہ میں سے ۲ صاحبزادہ سید زین العابدین خاں بہادر کے نام، ۲ صاحبزادہ سید عباس علی خاں بہادر بنیاب کے نام، فشی سلچند میرمنشی کے نام، اعلیٰ علی احمد راہپوری کے نام، اور مولوی محمد حسین خاں، مدیر دبیرہ سکندری، کے نام ہے۔

نواب فردوس مکاں کے نام کے خطوط میں، ۲ فارسی زبان کے اور بقیہ ۹ اردو کے ہیں۔ اور چونکہ مجموعے میں ایک فارسی قصیدہ مستقل نمبر کے تحت درج ہوا ہے، ہذا بریں ان کے نام کے خطوں کی تعداد ۴۴ اور کل مکتوبات کا شمار ۱۳۰ ہو گیا ہے۔

گم شدہ خطوط کی تعداد

نواب فردوس مکاں اور نواب غلام شیاں کے فرامین کے مسودوں نیز مرزا صاحب کے زیر نظر مکاتیب میں تقریباً ۳۵۰ ایسے خطوں کے حوالے ملتے ہیں جو شلوں میں موجود نہیں ہیں۔ یہ سب خط بھی محفوظ ہوتے، تو مکاتیب غالب کی تعداد ۴۶۲ ہوتی، جو اور بڑھ جاتی، اگر ان کی اصل ٹھہر سے خط کتابت بھی دستیاب ہو سکتی۔ لیکن در دست دیگر نیست سفید و سیاہ ما



شائع کیا ہے۔ یہ ۲۳ خطوط پر مشتمل ہے، جن میں سے ۲۲ قدر بلگرامی کے نام، اور ایک شیخ لطیف احمد بلگرامی کے نام ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام خطوط مولوی علی اصغر صاحب بلگرامی نے مولانا حسرت موہانی کے ماہانہ رسالے ”اردو معلیٰ“، علی گڑھ، کے دسمبر سنہ ۱۹۰۷ء کے پرچے میں شائع کیے تھے۔ سرخوش نے اس پرچے کے حوالے بغیر خطوط نقل کر دیے ہیں۔

اس غمیمے کے آغاز میں دو خط اور شامل کیے گئے ہیں، جو شیخ صاحب کو شفیق مکرم آغا محمد باقر، بلیر، حضرت آزاد دہلوی، سے دستیاب ہوئے تھے۔

میرزا صاحب کے خطوط کا آخری مجموعہ، مکاتیب غالب

مذکورہ بالا مجموعوں کی اشاعت سے ساٹھ پینسٹھ برس بعد یاسیت عالیہ راجپور کی طرف سے میرزا صاحب کے ان خطوط کا مجموعہ مکاتیب غالب کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے، جو موصوف نے نواب فردوس مکاں، نواب خلدیشیاں یا دابستگان دربار کو مکھے تھے۔

سرکار راجپور سے میرزا صاحب کی مراسلت بارہ سال تک جاری رہی۔ اس عرصے میں اہل راجپور سے بھی ان کے خالص تعلقات قائم ہو گئے تھے اور متعدد اصحاب سے خط کتابت بھی رہتی تھی۔ لیکن سو بہ اتفاق سے ان کی مراسلت کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔ اس مجسمے میں صرف وہ خط مرتب کیے گئے ہیں، جو دارالانشا میں محفوظ تھے۔

مکاتیب کی تعداد

مجموعہ ہذا کے مکاتیب کی تعداد ۱۲۹ ہے ان میں سے ۳۴ خط نواب فردوس مکاں کے اور ۹۵ نواب خلدیشیاں کے حضور ہیں

کچھ مواد عطا فرمایا، جو مہتمم طباعت نے حصہ دوم کے نام سے آخر میں شامل کر دیا۔ خود عبدالاحد مرحوم کے الفاظ میں: ”اس حصے میں غامکہ وہ رقتات ہیں جن میں انھوں نے دبیر صاحب نے، لوگوں کو اصلاح دی ہیں، یا شاعری کے متعلق کوئی ہدایت کی ہے، یا کوئی نکتہ بتایا ہے، اور بعض کتابوں کے دیباچے اور ریویو بھی ہیں۔“

چونکہ مجروح نے بھی تقریباً اسی قسم کے خطوط مرتب کرنے کا وعدہ کیا تھا، اس لیے کچھ بعید نہیں ہے کہ مجروح کا ذخیرہ خواجہ صاحب کو مل گیا ہو، اور مہتمم مطبع نے اس حقیقت کا اظہار یکے بغیر کتاب چھاپ دی ہو۔

نسخہ ہجبتائی کا حصہ دوم ۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں، سفروں کا ایک مختصر تقریبی فوٹہ ہے۔ اس کے بعد سراج المعرف اور حدائق الانظار کے دیباچے ہیں۔ بعد ازاں شاہ ظفر کی ایک کتاب اور سرور کی گلزار سرور کی تقریظیں ہیں۔ ان کے بعد دیوان ذکا، میرزا کلبا حسین خاں نادر بنارس کی ایک کتاب، نیز رسالہ تذکیر و نیش مصنفہ عذیر بلگرامی کے دیباچے ہیں۔ یہ تمام دیباچے اور تقریظیں صفحات ۱-۱۳ پر درج ہیں۔ ان کے بعد اسی صفحے سے اصلاحی خطوط شروع ہوتے ہیں، جن میں ۳۲ خطوط تفقہ کے نام، ۱۱ سطر پیارے لال کے نام، ۵ ذکا کے نام، ۵ سیاح کے نام، ۲۱ شاہزادہ بشیر الدین کے نام، ۱ ہشیار کے نام، ۱ مولوی کرامت علی کے نام، امجدیہ کے نام، ۱۰ منشی ہیر سنگھ کے نام، ۱۰ اور ۲ مجروح کے نام ہیں

ضمیمہ اردو مصلیٰ

سنہ ۱۲۲۹ء میں شیخ مبارک علی صاحب، تاجر کتب لاہور نے اردو مصلیٰ کے حصہ اول و دوم کے نسخہ خوش کا مرتب کیا ہوا ایک ضمیمہ

ان میں ۱۰ نواب میر غلام بابا خاں بہادر کے نام، ۲۰ سیاح کے نام، ۱۰ ڈاکا کے نام، ۹۹ تفتہ کے نام، ۳ شاہزادہ بشیر الدین صاحب بہادر کے نام، ۵ سید بدر الدین المعروف پو فقیر کے نام، ۱۴ سرور مارہروی کے نام، ۲ میر سرفراز حسین کے نام، ۳۰۰ مہر ورج کے نام، ۲ شاہ عالم صاحب کے نام، ۲ صاحب عالم نام کے نام، ۱۰ نسخ کے نام، اعزیز کے نام، ۱۱ قاضی عبد بھیل جنون بدلیوی کے نام، ۲ رتنا مراد آبادی کے نام، ۲ شاگر کے نام، ۱ مولوی عزیز الدین کے نام مفتی سید عباس کے نام، ۲۳ حکیم غلام نجف خاں کے نام، ۱ نجم الدین حیدر خاں کے نام، ۵ وفا کے نام، ۷ مولوی احمد حسن قنوجی کے نام، ۱۱ حکیم سید احمد حسن مودودی کے نام، ۱۰ تفضل حسین خاں کے نام، ۱۸ قہر کے نام، ۲ منشی بنی بخش کے نام، ۱ منشی عبد اللطیف ابن منشی بنی بخش کے نام، ۱۴ انجیر کے نام، ۱ نیر کے نام، ۱۰ مرزا شہاب الدین احمد خاں کے نام، ۱۹ شفق کے نام، ۳ میران صاحب کے نام، ۲ سالک کے نام، ۲ رضوان کے نام، ۲ کاتل کے نام، ۲ حسین مرزا کے نام، ۱۲ یوسف مرزا کے نام، ۳۳ منشی شیخو نراین کے نام، ۲ بابو ہر گو بند سہائی کے نام، ۷ نواب امین الدین احمد خاں بہادر کے نام، ۵۷ علانی کے نام، ۱۰ فرخ مرزا کے نام، ۷ میکش کے نام، ۱ حکیم غلام مرتضیٰ خاں کے نام، ۱ حکیم غلام رضا خاں کے نام، ۳ ماسٹر پیارے لال کے نام، ۲ جوتہر کے نام افشی پیر سنگھ کے نام، ۱۰ اور ۲ مشتاق کے نام ہیں۔

اردو علی حصہ دوم

غالباً میرزا صاحب کے یکا یک انتقال کے بعد نے ہستہین اشاعت اردو علی کو حصہ دوم کی ترتیب و طباعت کی طر سے بروڈر شہ قلم کر دیا، اور یہ حصہ دیباچے کے وعدے کے باوجود شائع نہ ہو سکا سنہ ۱۸۹۵ء میں مولوی عبدالاحد مرحوم، مالک مطبع مجنہائی دہلی نے اردو علی کی اشاعت کا ارادہ کیا۔ خواجہ حالی مرحوم نے حصہ دوم کے لیے

اور لکھ دیتا ہے کہ یہ جو اردوی معنی تصنیف فقیر مطبع اکل المطالچ
دہلی میں چھاپا ہوا، سو میں نے ازراہ فرط فحبت اپنا حق تالیف فورچیم
اقبال نشان، حکیم غلام بدخشاں کو بخش دیا ہے اور اس حق کو خاص
امن کا حق کیا۔ اب اردو کوئی صاحب اگر مالک اکل المطالچ حکیم غلام
رضا خاں کے بے اطلاق اردوی معنی کے چھاپے کا قصد کریں گے، تو
مواخذے سے محفوظ نہ رہیں گے، اور فوراً حسب فتاویٰ قانون ستم
سنہ ۱۸۷۴ء سزا پا میں گے۔ د فہرہ مجمل الدولہ دبیر الملک اسد اللہ
بہادر نظام جنگ ۱۲۲۷ھ

اردوی معنی کا پہلا ایڈیشن

اردوی معنی حصہ اول کا پہلا ایڈیشن ۱۸۶۷ء صفحات پر مشتمل ہے، جن
میں ۵ صفحے مجروح کے دیباچے کے ہیں۔ پانچویں صفحے کی پندرہویں سطر سے
خطوط شروع ہو کر صفحہ ۸۵ کی تیرہویں سطر پر ختم ہوتے ہیں، اور باقی
چار سطریں خاتمۃ الطبع پر مشتمل ہیں۔ صفحہ ۵۹ء سے ۷۱ء کی ساتویں
سطر تک سالک کا خاتمہ ہے۔ اس کے بعد جوہر کی تاریخ طبع، اور پھر
اسی صفحے کی گیارہویں سطر سے صفحہ ۷۲ء کی تیرہویں سطر تک تصحیح افلاط
کا نقشہ ہے۔ بعد ازاں میرزا صاحب کا اعلان عطیۃ حق تالیف ہے
کتاب خانہ راہپور کے نسخے کے شروع میں زرد رنگ کا سرورق
نما (۲) یہ میرزا صاحب کی زندگی ہی میں چھپ گیا تھا۔ اس لیے اس میں
انہیں سرورق نہیں لکھا گیا ہے۔

رقعات کی تعداد

اردوی معنی کے اس ایڈیشن کے رقعات کی کل تعداد ۷۷ ہے
۱۔ اردوی: ۷۷ (۲) ڈاکٹر عبدقی صاحب (الکبار) کے پاس اس ایڈیشن کے نسخے میں دو دولوں کی لوح لکھی
سبز رنگ کے کاغذ کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوح کے لیے مختلف رنگوں کے کاغذ کا اہتمام کیا گیا تھا۔

ما طلبای مدرسہ فائدہ اٹھائیں، دوسرے حصے میں مطالب مشککہ کی تحریر اور تقریظ وغیرہ لکھی، غالباً پہلی بار صرف حصہ اول شائع ہو سکا، اس لیے کہ کتب خانہ عالیہ رامپور میں جو نسخہ موجود ہے، وہ مکمل ہوتے ہوئے صرف حصہ اول پر مشتمل ہے۔

اردو معنی کا سال طباعت

لیٹا ہر پہ یقین کرنے کے تمام وجوہ موجود تھے کہ خطوط کا یہ مجموعہ جلد از جلد شائع ہو گا۔ لیکن قدرت نے اس ادبی انقلاب کی ادویت کا شرف میرٹھ ہی کو ودیعت کیا تھا۔ عود ہندی، عربی سنہ ۱۲۸۵ھ کو شائع ہو گئی، اور اردو معنی میرزا صاحب کے انتقال کے ۱۹ دن بعد، ۲۱ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۵ھ (۶ مارچ سنہ ۱۸۶۹ء) کو چھپ کر تیار ہوا۔ سالک نے سال طبع لکھا:

لسب پہ نالوں کا ازدحام ہوا
سبب رنج خاں دعام ہوا
آج اُن کا سخن تمام ہوا

کیا کہوں کچھ نہیں جاتا
صدمہ مرگ حضرت غالب
ہے یہی سال طبع و سال دنیا

مقام طباعت اور حق تصنیف

اردو معنی، دکنی کے مطبع اکل المطابع میں طبع ہوا، حکیم غلام رضا خاں اس کے مالک، میر فتح الرحمن ہنتم، اور لالہ بہاری لال لکشی تھے۔ کتاب کے آخر میں ایک اعلان شائع ہوا کہ اس کا حق تصنیف میرزا صاحب نے حکیم غلام رضا خاں کو عطا کر دیا ہے، اور ایک رقعہ بطور سند لکھ دیا ہے، لہذا کوئی صاحب حکیم صاحب کی بلا اجازت رقعہ چھاپنے کا قصد نہ کریں۔ اس کے بعد میرزا صاحب کی حسب ذیل تحریر چھپی:

”پیکر بے روح و زوال، فقیر اسد اللہ خاں غالب تخلص پیچیدہ لکھتا ہے

اس کے سوا کسی کو موجود نہیں جاسکتا ہے، کہ خطوط کے ارسال کو کر
 نہ لکھنا ازراہ طال نہ تھا۔ طالب کے ذوق کو سست پا کر میں متوقع
 ہو گیا۔ متوسط ایک جلیل القدر آدمی اور طالب کتب کا سوداگر ہے
 اپنا نفع نقصان سوچے گا، لاگت پچتا کو جانچے گا۔ میں متوسط
 کو ہتھم سمجھا تھا، اور یہ خیال کیا تھا کہ یہ چھپوانے گا۔ ۲۰ رتے ایک جگہ
 سے لیکر اس کو بھیجے۔ اس کی رسید میں تقریباً انہوں نے طلب رقعات
 بہ تکلیف سوداگر لکھی، اور اس سوداگر کو مفقود انجیر لکھا۔

اب ہر کتابیں لیکر کہیں گیا ہو مخلص کتابیں لینے کہا ہو گاسیہ ۲۲
 لغاتے ۱ اور ہم ۳ خط بدستور میرے بکس میں موجود و مفقود رہیں گے
 اگر متوسط ہتھما طلب کرے گا، ان خطوط کی نقلیں اس کو اور
 اصل تم کو بھیج دوں گا، ورنہ تمھارے بھیجے ہوئے کا غزتم کو پہنچ
 جائیں گے۔“

غالباً اس خط کی روانگی کے بعد ہی ہتھم مطبع نے خطوط کی نقلیں حاصل
 میرزا صاحب یک شنبہ ۳۰ محرم الحرام سنہ ۱۲۸۰ھ ۲۱ جولائی سنہ ۱۸۶۳ء
 پہل خطوط واپس کر کے لکھتے ہیں:

”میری جان! مرزا علی حسین خاں ۲۷ اور مجھ سے ملے رہیں نے خطوط
 مرسلہ تمھارے یک مشت ان کو دیے۔ اب تمھارے پاس بھیجے گا
 ان کو اختیار ہے، رسید کا البتہ مجھے انتظار ہے۔“

اردو علی

خطوط کا یہ نمبر مجموعہ اردو علی کے اسم سے موسوم ہوا۔ مجرد
 نے اس کا دیباچہ اور سالک نے اس کا خاتمہ لکھا۔ کتاب دھنوں میں
 منقسم ہوئی۔ پہلے حصہ میں صافات عبارت کے خط تحریر کیے

جائے سے تم بھی خوش ہو گے ۱۷

اس خواہش کی تکمیل میں علائی نے پس و پیش کیا۔ میرزا صاحب نے سمجھا کہ غالباً نواب صاحب نجی معاملات کی اشاعت کے خیال سے گریز کر رہے ہیں۔ اگرچہ کچھ عرصہ قبل خود میرزا صاحب نے قفۃ کو یہ کہہ کر اشاعت خطوط سے روکا تھا کہ نجی واقعات کو منظر عام پر لانا کیا ضرور ہے، لیکن اب انکا ادبی عقیدہ بدل چکا تھا، اس لیے نواب صاحب کے اس خیال کی تردید میں تحریر کیا:

”میرے خطوط اردو کے ارسال کے باب میں جو کچھ نے تم نے لکھا، تمہارے حسن طبع پر تم سے بعید تھا، میں سخت بے مزہ ہوا۔ اگر بے مزگی کے وجہ لکھوں، تو شاید ایک تختہ کا خذ سیاہ کو نا پڑے۔ اب ایک بات موجز و مختصر لکھتا ہوں۔ سنبھائی، اگر اُن خطوط کا تم کو اخفا منظور ہو، اور شہرت تمہارے منافی طبع ہے، تو ہرگز نہ بھیجو۔ دفعہ تمام ہوا۔ اور ان کے ٹھکانے کا اندیشہ ہے، تو میرے دستخطی خطوط اپنے پاس رہنے دو، اور کسی مقصدی سے نقل اگر کرنا چاہو کسی کے ہاتھ چاہو۔ بسیں پارسل ارسال کرو، لیکن جلد۔ خدا کے واسطے کہیں غصے میں آکر ”عطائی تو بقای تو“ کہہ کر اصل خطوط نہ بھیج دینا، کہ یہ امر میرے مخالف مقصود ہے ۱۷ (۲)

معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کے بعد بھی علائی نے ارسال نقول میں توقف کیا تھا، مگر میرزا صاحب نے پھر اس کے متعلق کچھ نہ لکھا، اور جب انھوں نے اصل خطوط بھیج کر میرزا صاحب کے ترکیب طلب کا سبب دریافت کیا، تو صبح شنبہ ۳۳ مئی سنہ ۱۸۶۳ء کو ازراہ معذرت لکھا:

”لا موجود الا اللہ! اس خدا کی قسم، جس کو میں نے ایسا مانا ہے، اور

گزرنے لگا اور کسی طرح کتاب نہ چھپی، تو انہیں اس کی طباعت کی طرف سے مایوسی ہو گئی۔ اجاب دہلی نے میرٹھ کے کار پر دازوں کا تسالہ دیکھ کر اس شرف کو خود حاصل کرنے کا تہیہ کیا، اور مالک اکل المطابع دہلی کو، اخراجات طباعت برداشت کرنے پر آمادہ کیا۔ اب خطوط کی فراہمی کا مسئلہ باقی رہتا تھا۔ وہ اس طرح حل ہو گیا کہ خود میرزا صاحب جو اپنی انشا کی حقیقی قدر و قیمت اور بازاری مانگ سے باخبر ہو چکے تھے۔ اس میں ہاتھ بٹانے کے لیے تیار ہو گئے۔ چاروں طرف اہل خطوط ان کے نقول کی طلب میں خطوط لکھنے لگے، اور رفتہ رفتہ کافی ذخیرہ اہم ہو گیا۔ اس سلسلے میں خود میرزا صاحب نے جن اجاب کو لکھا ان میں سے بجز اور علاقائی کے متعلق دستاویزی ثبوت موجود ہے۔ بقیہ اصحاب نے میرزا صاحب کے تقاضائی خطوط کی نقلیں نہیں بھیجیں، اس لیے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کون بزرگ تھے، جنہیں خود میرزا صاحب نے ارسال نقول کے لیے لکھا تھا۔ ہتھ کے نام کا خط پنجاب علاقے کی مانگ کے تحت درج ہو چکا ہے، علاقائی کو سب سے پہلا مکتوب ان کے دوبارہ پہنچنے کے بعد لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

”مقصود ان مسطور کی تحریر سے یہ ہے کہ مطبع اکل المطابع میں چند اجاب میرے مسودات اردو جمع کرنے پر اور اس کے چھپوانے پر آمادہ ہوئے ہیں، مجھ سے مسودات مانگے ہیں، اور اطراف و جوارب سے بھی فراہم کیے ہیں۔ میں مسودہ نہیں رکھتا۔ جو لکھا وہ جہاں بھیجنا ہو، وہاں بھیج دیا۔ یقین ہے کہ خط میرے ہتھ سے پاس بہت ہوں گے۔ اگر ان کا ایک یا رسل بنا کر بسیل ڈاک بھیج دو گے، یا آج کل میں کوئی ادھر آئیو والا ہو، اس کو دیدو گے، تو موجب میری خوشی کا ہو گا۔ اور میں ایسا جانتا ہوں کہ اس کے چھاپے

عود ہندی میرزا صاحب کے انتقال سے کئی ماہ پہلے شائع ہو چکی تھی۔ لیکن اُن کے مکاتیب میں اس کی طباعت یا حتیٰ تصنیف کے نسخوں کی وصولیابی کا ذکر نہیں پایا جاتا۔

عود کے رقعات کی تعداد

عود ہندی کے کل رقعات کی تعداد ۶۲ ہے۔ ان میں ۲۵ سرور کے نام، ۲ صاحب عالم مارہروی کے نام، ۲ شاہ عالم مارہروی کے نام، ۲ شفق کے نام، ۲ عزیز کے نام، ۳ مجسروح کے نام، ۱ میر سرفراز حسین کے نام، ۱ عتالی کے نام، ۱ نفقہ کے نام، ۱ اچھر کے نام، ۲۵ بیخبر کے نام، ۱ انساج کے نام، ۱ اظہیر الدین خاں کی طرف سے اُن کے چچا کے نام، ۱ شیفتہ کے نام، ۱ رعنہ مراد آبادی کے نام، ۱ حمزہ رحیم بیگ کے نام، ۱ شاکر کے نام، ۱۵ جنون بریلوی کے نام، ۱ انولوی عزیز الدین کے نام، ۱ سید محمد عباس صاحب کے نام اور ۱ غشی غلام بسم اللہ صاحب کے نام ہے۔

ان خطوط کے علاوہ دو تقریظیں، قہر کی مثنوی کی تقریظ اور سرور کی گلزار سرور کی تقریظ، اور تین دیباچے، حدائق الانظار کا دیباچہ قواعد نگہ گیر، نانیش کا دیباچہ، اور مرزا کلب حسین خاں بہادر کے مجموعہ قصائد کا دیباچہ بھی کتاب میں شامل ہیں۔ ایک خط بیخبر کا بھی درج کیا گیا ہے۔ جو میرزا صاحب کے خط کا جواب اور اپنی ادبی خوبیوں کی وجہ سے مرتب کی نظر میں شامل مجموعہ ہونے کے قابل شمار

غالب کے خطوط کا قیصر مجموعہ

ابھی عود ہندی طبع ہونے نہ پائی تھی کہ اطراف ہند سے میرزا صاحب کے مجموعہ خطوط کی مانگ شروع ہو گئی۔ میرزا صاحب نے بیخبر کو اُن کے مرتب کردہ مجموعے کی طباعت کے متعلق بار بار لکھا، اور جب سال پر سال

میرٹھی نے لکھا۔ آخر میں چار تاریخیں قطعے اضافہ کیے گئے۔ ان میں ایک قلعہ کا، ایک اُل کے شاگرد مٹو میرٹھی کا اور بقیہ دو غالباً خود لکھی ممتاز علی خاں کے ہیں۔

ان قطععات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۸۵ ہجری میں طباعتِ بانیہ تکمیل کو پہنچی، آخری صفحے کے نچلے گوشے میں ۱۰ رجب سنہ ۱۲۸۵ ہجری ۲۷ اکتوبر سنہ ۱۸۶۸ء درج ہے، جس سے تاریخ ۱۵ بھی متعین ہو جاتی ہے۔

میور صاحب کی نذر

آخری قطعے سے ایک نئی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ غشی ممتاز علی خاں نے میور صاحب، سر ولیم میور گورنر مالک مغربی و شمالی، کی خدمت میں خود کا مطبوعہ نسخہ نذر گزارا تھا۔ سر ولیم میور علومِ مشرقیہ کے عالم تھے، بیخبر نے، جو خود ہندی کی جمع و ترتیب میں براہِ برکے شریک تھے، طابع کو مشورہ دیا ہو گا کہ مطبوعہ نسخہ عدو بے کے، علی حاکم کے نام معنون کر کے نشر و اشاعت کی تکمیل پر مہر تو ثیق ثبت کریں۔ اس زمانے میں اردو زبان میں ایسی نادر کتابیں محدودے چند شائع ہوئی تھیں۔ گورنمنٹ بعض سیاسی مصالح کے ماتحت نئی مفید کتابوں کی اشاعت میں انعام کے نام سے یا امداد طبع کہہ کر اخراجات کا بار اٹھایا کرتی تھی، بعید نہیں کہ غشی صاحب کو بھی کچھ روپیہ مل گیا ہو۔

میرزا صاحب کا حق تصنیف

ایک بار میرزا صاحب نے کتاب کی فوری اشاعت کا تقاضا کرتے ہوئے بیخبر کو لکھا تھا:

”اور ہاں، حضرت، وہ مجموعہ چھپ چکا ہو تو حق تصنیف کی جتنی جلد میں غشی ممتاز علی خاں صاحب کی ہمت اکتفا کرے، فقیر کو بھیج دے“

فارسی سے ہزار درجہ بہتر ہے، یہ سلاستِ بیان، یہ شستگی، زبان، روزمرہ کی صفائی، اداؤں کی شوخی، کسی کو کب بے سر ہے؟ اُسے بھی ترتیب دیکھ کر قدر دانوں پہ احسان کیجیے۔ میرے عنایت فرما اور میرزا صاحب کے شاگرد بیکتا چودھری عبدالغفور صاحب سرور تخلص سے یہ ذکر آیا، تو انھوں نے جتنے خطوط میرزا صاحب کے اُن کے نام آئے تھے، سب کو ایک جگہ کے اور اسپر ایک دیباچہ لکھ کے وہ مجموعہ عنایت کیا۔ عربی تک سرگرم تلاش رہا۔ جا بجا سے اور تخریریں میرزا صاحب کی بہم پہنچا میں۔ بڑی محنت اٹھائی، تب تنابر آئی، اور مجموعہ مرتب ہوا۔ آج پورا اپنا مطلب ہوا۔

خواجہ غلام غوث خاں صاحب بہادر بیختر، جو نواب معنی القاب لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک مغربی و شمالی کے میرنشی اور میرے مخدوم خاص اور حضرت غالب صاحب کے مخلص، باختصاص ڈیرا، اس تلاش میں میرے معین اور مددگار رہے۔ بہت کچھ ذخیرہ اُن کی بدولت بہم پہنچا۔

اس کتاب کی دو فصل اور ایک خاتمہ ہے۔ پہلی فصل میں چودھری صاحب کے مرتب کیے ہوئے خطوط اور اُن کا لکھا ہوا دیباچہ، دوسری فصل میں میرے جمع کیے ہوئے رقعات اور خاتمے میں چند نثریں ہیں، جو جناب غالب نے ادروں کی کتابوں پر تحریر فرمائی ہیں۔ عود ہندی اس کتاب کا نام ہے۔ ۱۱

عود ہندی کا سال طباعت

عود ہندی کا یہ ایڈیشن منشی ممتاز علی خاں نے اپنے مطبع مجتہائی واقعہ شہر میرٹھ میں طبع کیا۔ کتاب ۱۸۸ صفحوں پر تمام ہوئی۔ خاتمہ تلقین

اندا ز میں لکھا:

” بندہ پرور؛ اگر ایک بنہ قدیم، کہ عمر سبھ فرمان پذیر رہا ہو، بڑھاپے میں ایک حکم بجانہ لائے، تو مجرم نہیں ہو جاتا۔ مجموعہ نثر اردو کا انطباع اگر میرے لکھے ہوئے دیباچے پر موقوف ہے، تو اس مجموعے کا چھپانا بالفتح میں نہیں چاہتا بلکہ چھپ جانا بالضم چاہتا ہوں۔ سعدی علیہ الرحمہ، فرماتے ہیں:

رسم است کہ مالکانِ تخریر آزاد کنند بندہٴ پیر
آپ بھی اسی گروہ، یعنی مالکانِ تخریر، میں سے ہیں پھر اس شعر پر
عمل کیوں نہیں کرتے؟

مود ہندی

بیخبر نے میرزا صاحب کا عذر تسلیم کر کے اپنے جمع کردہ خطوط منشی ممتاز علی خاں کے پاس بھیج دیے۔ منشی صاحب نے سرور اور بیخبر کے مجموعہ ہمای مکاتیب کو یکجا کر کے عود ہندی نام رکھا، اور خود دیباچہ لکھ جمع و ترتیب میں سعی کرنے والے اصحاب کی محنت کی اس طرح

وادی:

...نجم الدولہ اسد اللہ خاں بہادر نمائندہ جن کی ذاتِ باکمالت محتاجِ تعریف نہیں۔۔۔۔۔ سارا ہند اُنھیں جانتا ہے۔ ایران تک ان کی جادو بیانی کا چرچہ ہے۔ مجھے مدت سے اس کا خیال نہ کہ فارسی کی تصنیفیں تو اُن کی بہت مرتب ہوئیں اور چھاپی گئیں۔۔۔۔۔ مگر کلامِ اردو نے سوائے ایک دیوان کے ترتیب نہ پائی۔ یہ دولتِ اربابِ شوق کے ہاتھ نہ آئی۔ حالانکہ نثر اردو اُن کی اور وں کی

(۱) عمود: اسے یہاں یہ امر واضح کر دینا چاہئے کہ تحریروں کے معنی غلام آزاد کرنے کے ہیں، اور مالک تحریر۔

شعور کہا ہے جس کے باطن میں ہومو ہیرڈ تھا۔ نر اور اہل طیفہ شجرہ سے عام بول بیاں کے مطابق، لیکن حرار لب کا دور
 لاکھ بیکو فنی اور میکا ہم معنی قرار دے کر سب سے پہلے ہمیش کی کہ جب اٹھاپا لاکھ برس پہلے ہوئے تو کچھ کیلیکریٹس میں دیناغہ کو پہنچ گئے۔

خطوط آنے لگے۔ ان تقاضوں سے پریشان ہو کر میرزا صاحب نے
مارچ سنہ ۱۸۶۲ء کو بیخبر کے نام حسب ذیل خط لکھا،

”ہاں، حضرت، کیسے، فشی ممتاز علی خاں کی سعی بھی مشکور ہوگی و وہ

مجموعہ اردو چھپے گا، یا چھپا ہی رہے گا؟ احباب اس کے طالب ہیں،

بلکہ بعض نے طلب کو سرحد تقاضا پہنچا دیا ہے۔“

پنجاب احاطے کی مانگ

ان تقاضا کرنے والے احباب میں سب سے زیادہ حصہ زندہ دلان
پنجاب نے لیا تھا۔ ان سے مجبور ہو کر میرزا صاحب نے فشی ممتاز علی خاں کو
مذموم ٹھہراتے ہوئے بیخبر کو تحریر کیا:

”اے میرزا، یہ فشی ممتاز علی خاں کہا کر رہے ہیں؟ رقتے جمع کیے اور

نہ چھپوا۔۔۔ فی الحال پنجاب احاطے میں اس کی بڑی خواہش ہے۔

جاننا ہوں کہ وہ آپ کو کہاں ملیں گے جو آپ ان سے کہیں۔

مگر یہ تو حضرت کے اختیار میں ہے کہ جتنے میرزا خطوط آپ کو پہنچ

ہیں، وہ سب یا ان سب کی نقل بطریق پارسل مجھ کو بھیج دیں۔ جی

یوں چاہتا ہے کہ اس خط کا جواب دہی پارسل ہو،“

میرزا صاحب کا دیباچہ

غالباً اس کے جواب میں بیخبر نے میرزا صاحب کو لکھا کہ آپ مجھ کو

نیز اردو کے لیے دیباچہ لکھ کر روانہ فرمائیں، تو قلاب مطبع کو بھیجی

جائے۔ اس سلسلے میں میرزا صاحب نے تحریر فرمایا:

”میں صاحب فراموش ہوں، اٹھنا بیٹھنا ناممکن ہے۔ خطہ دلیٹ لیتے

لکھتا ہوں۔ اس حال میں دیباچہ کیا لکھوں؟“

بیخبر نے اس کے بعد بھی دیباچہ لکھنے کی درخواست کی تو انہیں ظریفانہ

مگر بیخبر نے اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے لکھا کہ منشی ممتاز علی خاں رئیس میرٹھ نے اپنے مطبع میں طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ میرزا صاحب ان بزرگ سے واقف تھے، اس لیے بیخبر کی اس خبر پر اطمینان ظاہر کیا، اور جب بیخبر نے دوبارہ اُن کا ذکر کیا، تو تخریر فرمایا:

بر حضرت پیر و مرشد، اس سے آگے آپ کو لکھ چکا ہوں کہ منشی ممتاز علی خاں

صاحب سے میری ملاقات ہے، اور وہ میرے دوست ہیں اور

طباعت میں تاجیر

بیخبر نے مکاتیب کی جمع و ترتیب کا کام سنہ ۶۱ء میں شروع کیا۔ میرزا صاحب کے مکتوب الیہوں میں سے جو بزرگ خود ان کے دوست تھے، اُن سے براہ راست، اور جن کی خدمت میں خود نیاز حاصل نہ تھا، اُن سے بنو سٹا غالب خطوط کی نقلیں مہیا کیں اور سنہ ۶۵ء میں یہ سلسلہ ختم کیا۔ دیار لیکن میرزا صاحب نے، جو سنہ ۶۳ء کے بعد سے طباعت کا انتظار کرنے لگے تھے، آخر کار مجبور ہو کر اتفاقاً شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک خط کے آخر میں بیخبر کو لکھا ہے:

”اور ہاں حضرت، وہ مجموعہ جچپے گا بالفتح، یا چچپے گا بالضم۔ جچپ چکا

ہو تو حق التصنیف کی عینی جلدیں منشی ممتاز علی خاں صاحب کی ہمت

اقتضا کرے، فقیر کو بھیجیے (۲۲)

۱. احباب کے تقاضے

اس مجموعے کی ترتیب میں مختلف اصحاب کے پاس سے خطوط کی نقلیں منگائیں گئیں، اس لیے ملک میں اس کی شہرت ہو چکی تھی جب اشاعت میں زیادہ تاخیر ہو گئی، تو میرزا صاحب کے پاس تقاضے کے

در بچوں کو دعا۔ بچوں کی ہندگی۔ مولوی الطاف حسین صاحب کو سلام۔
 یہ تحریر اس ہفتے میں گئی ہے۔ غرض کہ عامیانا لکھنا اختیار کیا ہے۔ اب
 یہ عبارت جو نظم کو لکھ رہا ہوں یہ لائقِ شمولِ مجموعہٴ نثر اردو کہاں ہے؟
 یقیناً جانتا ہوں کہ ایسے نثریوں کو آپ خود نہ درج کریں گے۔
 اسی زمانے میں نساخ کو ایک خط لکھا تھا۔ اس کی نقل پیچر کو روانہ کرتے
 ہوئے تہنیداً تحریر کرتے ہیں:

”پروردگار، کوئی صاحب ڈپٹی کلکٹر ہیں سکتے ہیں مولوی عبدالغفور خاں
 ان کا نام اور نساخ ان کا شخص ہے۔ میری ان کی ملاقات نہیں انہوں
 نے اپنا دیوان چھالے کا موسوم بہ دفتر بے مثال مجھ کو بھیجا اس کی
 رسید میرے خط میں نے اُن کو لکھا۔ چونکہ یہ خط مجموعہٴ نثر اردو کے
 لائق ہے۔ آپ کے پاس ارسال کرتا ہوں۔“
 مجموعہٴ خطوط میں ان نجی خطوں کی موجودگی سے معلوم ہوتا ہے کہ پیچر نے اُن کے
 اس مشورے کو نہ مانا، اور ہر قسم کے خط شامل مجموعہ کر لیے۔

مقام طباعت

میرزا صاحب کا خیال تھا کہ پیچر اس مجموعے کو الہ آباد میں جہاں
 وہ مقیم تھے، طبع کرائیں گے، اس لیے ایک انگریز کے استفسار کے سلسلے
 میں پیچر کو لکھا:

”جناب کمیس صاحب بہادر انسٹریکشنز اور غرب و شمال کا باوجود عدم تعاون
 خط مجھ کو آیا۔ کچھ اردو زبان کے ظہور کا حال پوچھا تھا۔ اس کا
 جواب لکھ بھیجا۔ نظم و نثر اردو طلب کی تھی۔ مجموعہٴ نظم بھیجا۔ نثر کے
 باب میں تمہارا نام نہیں لکھا، مگر یہ لکھا کہ الہ آباد میں وہ مجموعہ چھاپا جاتا
 ہے۔ بعد از طباعت و حصولِ اطلاع وہاں سے منگا کر بھیج دوں گا۔“

خاطر ظہور میں آیا۔ وہ مکتوب کہ غلام حبیب نے لکھا تھا، مرتب ہے۔
گویا جو اہل بہا کاں گلہاں سے نکال کر گندھی اورانی میں رکھ دیا۔
چونکہ صحبت جناب غالب میرے حال و صحت کے لیے بہت سودمند و
انشا کا یہ غالب (بجسہ ہم) مناسب ہے۔ اس لیے ہم اس کو مستحسن

سے مطابق بابا

یہ تجویز منظور ہو گئی اور غشی ممتاز گلی خاں میرزا نے اسے اتنی ہی وقت میں لکھ کر
ہوئی تھی کہ انہیں خیال پیدا ہوا کہ میرزا صاحب کے لئے مناسب و اہمیت کے ساتھ
کہہ کے اس مجموعے میں شامل کیے جائیں۔ اس سال کی خیمیں ہیں کہ رستہ
امداد کی اور انہیں ایک اور مجموعے میں چاہیے۔ میرزا صاحب
کے علم اور ان کی امداد سے مرتب کیا گیا۔

غالب کے خطوں کا دوسرا مجموعہ

یہ مجموعہ پیچھے مرتب کر رہے تھے۔ انہوں نے اسے ایک ہی اعلیٰ مرتبہ
صاحب کو پہلے سے دیدی تھی اور خواہش کی تھی کہ ان کے مجموعوں کی باتوں
بھی ہیا کر دیں، جو دوسرے اجلاس اور مذاکرے کے بعد ملے ہیں
میرزا صاحب نے اس التماس و قول کو ایا کیا۔ اس وقت تک
ان کا یہ خیال تھا کہ صرف وہ خط مرتب کیے جائیں جن میں کوئی اور
خوبی ہو۔ روزمرہ کی بنی ضرورت یا سنہ پر سنہ کے خطوں کو ضرورت کر دیا گیا
اس لیے پیچھے کو جو اس میں لکھا تھا:

”اسپیکر کو معلوم ہے کہ غشی حبیب اللہ زکاء اور نواب مسطوفی صاحب سرگئی
کو کبھی اردو خط نہیں لکھا۔ ہاں ذکا کو غزل امداد کے بہ منہ کے
تخت میں فشار اصلاح سے آگے دی جاتی ہے۔ جواب صاحب کو جو
لکھا جا رہا ہے، ”کہا ریا۔ خط لایا۔ آم پیٹھے۔ گنبد بانٹے۔ کچھ کہہ رہے۔“

طباعت خطوط

میرزا صاحب کی ممانعت

سب سے پہلے منشی شیونرائین اور نقضہ کو میرزا صاحب کے خطوط کی طباعت کا خیال پیدا ہوا۔ ان دونوں نے علیحدہ علیحدہ میرزا صاحب کو اپنی تجویز سے مطلع کر کے اشاعت کی اجازت چاہی۔ اس عہد تک مراسلت میں انشا پر داری کے تمام ہول و ضوابط کا لحاظ ضروری شمار ہوتا تھا، اور میرزا صاحب کے خیال میں زبان اردو کے پہلے اس بار گراں کا شمل دشوار تھا۔ چنانچہ ہنری اسٹوارٹ ریٹ صاحب کی فرمائش اردو کے جواب میں انھوں نے یہ لکھی: "تھا کہ اس زبان میں زور قلم نہ دینا کر کے معافی نازک پیدا کرنا اور اس طرح اپنا کمال انشا تمام کرنا شے ہے۔ اس میں گنجائش عبارت آرائی کہاں، جو کوشش کی جائے؟ لہذا مجھے اس خدمت سے معاف رکھا جائے۔ علاوہ ازیں انھوں نے اردو مراسلت کاوش پڑھائی سے بچنے کیلئے شروع کی تھی، اور اس وجہ سے کبھی قلم نہ بٹھال کر اور دل لگا کر کوئی خط نہ لکھا تھا۔ ان یا ان بانسفا کی تجویز منظور کر لینے میں خطرہ ہوا کہ کہیں کمال انشائی فارسی کے مداح اردو نثر و بیچ کر شکوہ ستوری پر نکتہ چینی نہ کرنے لگیں، اور اردو کا یہ پھیکا پھوان فارسی کی ادنیٰ دوکان کی شہرت پر دھبا نہ لگا دے۔ اس لیے ۱۸ نومبر سنہ ۱۸۵۸ء کو منشی شیونرائین کو جواباً لکھا:

”اردو کے خطوط جو آپ جھپا چاہتے ہیں، یہ بھی زائد بات ہے کہ قید

(۱) اردو کی پہلی، ۳۶، ۳۷، ۳۸ پر وہ خطوط ملاحظہ ہوں جن میں میرزا صاحب نے اردو نثر لکھنے سے انکار کیا ہے، اور ساتھ ہی اس انکار کے وجوہ بھی تمہارے ہیں۔

”لاٹرد“ یورڈ، کو بوڑد، ریونوڈ، نیو، سارٹیفکٹ، کو سارٹیفکٹ، پنشن کو پنسن، کلکٹر کو کلکتر، ہارڈنگ اور ڈھونڈی کو ہارڈنگ اور دھونڈی اور اسٹیشن کو اسٹیشن لکھا ہے۔

علامت اوقات

میرزا صاحب کی تحریروں میں پرانی علامات اوقات کا استعمال بھی پایا جاتا ہے۔ وہ پیراگراف کے آخر میں اکثر یہ علامت (ۛ) لکھتے ہیں۔ جو لفظ فقط کی طغرائی شکل ہے، کبھی بارہ کا ہندسہ (۱۲) بھی اس مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں، جو لفظ ”حد“ کے عدد ہیں۔ اس ہندسے کے بارے میں لطیفے کے طور پر یہ قہر کو لکھتے ہیں:

”صاحب، بندہ اثنا عشری ہوں، ہر مطلب کے خاتمے پر بارہ کا ہندسہ لکھتا ہوں (۱)۔ چند خطوں میں یہ علامت دستخط پیراگراف کے آخر میں لکھی ہے، جو لفظ بیاض کا مخفف ہے۔ یہ علامت باوشاہوں کے فرامین کے آخر میں بھی پائی جاتی ہے، جس سے غرض یہ نٹھی کہ آگے کوئی لفظ نہیں لکھا جاسکے، اور اگر کوئی لکھ دے، تو جعلی متصور ہو (۲) رفتہ رفتہ نہ صرف کسی تحریر کے آخر میں بلکہ ایک پیراگراف کے ختم پر بھی بطور علامت خاتمہ لکھنے لگے:

کبھی نئے جملے کے پہلے لفظ کے اوپر یہ شکل (س) براتے ہیں، جو عربی کے لفظ نسبت، بمعنی قطع کی شکل ہے۔ کچھ خطوں میں نئے پیراگراف کے آغاز میں بھی یہ علامت ہنائی ہے۔

ایک دو خطوں میں میرزا صاحب نے نئے پیراگراف کو دوسری سطر سے شروع کیا ہے، جو اس کی دلیل ہے کہ وہ انگریزی طریق کتابت سے آگاہ تھے۔ ایک خط میں صفحہ ختم ہو جانے کے باعث کچھ عبارت عاشیہ پر

پائی جاتی ہے۔ ایک مکتوب میں انھوں نے ”مولانا“ لکھا ہے۔ ستر اس کے
سولہ دن بعد مولانا اور اولڈا لکھا ہے (۱)

(۵) لفظ ”مویہ“ اور ”رڈسا“ کو بے ہنرمند کے ”مویہ“ اور ”رڈسا“ لکھا ہے
یہ بھی عجیب نتیجہ ہے۔

اطلا کی غلطیاں

میرزا صاحب سے بعض الفاظ کی اطلاع میں جمل چوک بھی ہوئی ہے۔
جو عربی، فارسی، اردو اور انگریزی ہر زبان کے لفظوں میں پائی جاتی ہے
(۱) اردو کا لفظ سوچنا ہے اس کے مشتق ”سوچ“ کو انھوں نے ”سوچ“
اور ”سوچنا“ لکھا ہے (۲) اسی طرح ”پہنچنا“ کے مشتق ”پہنچ“ کو ایک جگہ ”پونچنا“
لکھ گئے ہیں (۳) ”گھٹا میں“ ان کے قلم سے ”گھٹا میں“ بن گئی ہیں ”گھٹا میں“
کی جگہ ”گھٹا میں“ اور فرامیے کی جگہ ”فرامیے“ بتا دیا ہے (۵)

(۷) عربی کے معرفت باللام اسموں سے پہلے حرف جر ”ب“ ہو، تو اسے
الف کے ساتھ ملا کر لکھتے ہیں۔ میرزا صاحب نے ”بال“، ”بال“، ”بال“ کو
”بال“، ”بال“، اور ”بال“ لکھ کر دیا ہے (۸)

(۳) فارسی کے جن لفظوں میں اللہ کے بعد ”ی“ آتا ہے، جیسے گنبد،
آئینہ وغیرہ، ان کا صحیح اطلاق ”ی“ کے ساتھ نہیں، بلکہ اسی طرح میرزا
صاحب نے لکھا ہے، مگر پائیدہ اور فراہ کو ”پائیدہ“ اور فراہ کو ”فراہ“
خرام کو خورم بواؤ لکھا ہے (۹) ”لانگہ اسی“ کے مرکب ”لانگہ“ کو بغیر واؤ
لکھا ہے (۱۰)

فارسی کے وہ لفظ جن کے آخر میں ”ید“ آتا ہے، جیسے موبد، اسپہبد،
وہ بفتح با صحیح ہیں۔ میرزا صاحب نے اسپہبد کو اسپہبد بضم با لکھا ہے (۱۱)
(۱۲) انگریزی الفاظ اپنے زمانے کے تلفظ کے مطابق لکھے ہیں۔ چنانچہ لارڈ کو

مکاتیب: ۴، ۵، (۲) ایضاً: ۳۰، ۴۰، (۳) ایضاً: ۴۱، ۷، (۴) ایضاً: ۷، (۵) ایضاً: ۷، (۶) ایضاً: ۸،
۴، ۶، (۷) ایضاً: ۲۱، ۲۲، ۲۳، (۸) ایضاً: ۱۰، (۹) ایضاً: ۷، (۱۰) ایضاً: ۳۶

(۱۳) لفظ آئینہ جب فاعل کے وزن پر نظم میں باندھا ہے، تو اسے آئینہ لکھا ہے، آئینہ نہیں لکھا، اور یہی اٹا ناظم کو بتایا ہے۔ اسی طرح خامشی اور ہمیدہ میں "و" کے اضافے کو منع کیا ہے۔

عربی الفاظ کا اٹا

میرزا صاحب عربی الفاظ کا اٹا اپرا نیوں کے انداز پر لکھتے تھے۔ (۱) کتاب نے ایک شعر میں "جز ولا ینفک" لکھا تھا، میرزا صاحب نے انھیں بتایا کہ بجائے اس کے "جز ولا ینفک" لکھنا چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کا اس لفظ کو سہ حرفی بتانا درست ہے، لیکن اس کے آخر میں ہمزہ کی جگہ واؤ لکھنا عجیبوں کا دستور ہے۔ مولوی نجم الغنی خاں حرم لکھتے ہیں:-

"بتبدیل حرف چال کہ در بد... بمعنی ابتدا کردن و آغاز، ہمزہ آخر ا بواجہل

کردند" وہمچنین در جزء، بمعنی پارہ چیز، بجای ہمزہ واؤ نویسند و خوانند مگر بشرطی کہ اس را مضاف نمایند، چون جز و کتاب و جز و بدن والا

در عبارت پارسی بدون ہمزہ نویسند" (۲)

(۲) جن عربی اسم فاعل کے صیغوں میں الف کے بعد "ی" آتی ہے، جیسے دائم، قائم وغیرہ، ان کا اٹا ہمزہ کے ساتھ ہے۔ مگر میرزا صاحب نے بیشتر "ی" کے ساتھ لکھا ہے اور اگر ہمزہ ہے، تو "ی" کے اوپر چنانچہ مادہ کو مادہ، مطلقہ کو مطبوعہ، جائز کو جائز، اور طائر کو طاہر لکھا ہے۔ لفظ قائل اور مائل کو پہلے قائل اور مائل لکھا تھا۔ اس کے تیزوں بعد قائل اور مائل لکھا (۳)۔ دوسری حال عربی کئی اُن جمعوں کا ہے، جو فواعل وزن پر آتی ہیں، مثلاً حقائق، وفاق، میرزا صاحب نے انھیں بھی حقائق، وفاق، طابع وغیرہ لکھا ہے جو عجیبوں کی پیروی ہے۔

۳، مولانا اور مولانا کی کتابت میں میرزا صاحب کے یہاں دورنگی

ہو جاتی ہے، ایسی ہلکی گویا اس کا وجود ہی نہیں۔ میرزا صاحب نے اس ہلکی "ہ" کا نام مضمرہ رکھا ہے، اور کتاب میں اکثر حذف کر دیتے ہیں چنانچہ رتھ کورت، ہاتھی کوہاتی اور اودھ اور میرٹھ کو اود اور میرٹھ اور مجھ کو، تنجہ کو کی جگہ مجکو، نجلو لکھا ہے۔ "ہاتھ" کو بھی خود بات لکھتے تھے (۱) مگر ناظم کے مصرعوں سے: ہاتھ سے رضواں کے چھوٹا شانہ زلف حور میں، اور غ: ہاتھ میں خط لیا کہ دم نکلا، میں کاتب نے بات اور ہاتھ لکھا تھا، ان دونوں شکلوں کو ہاتھ میں تبدیل کر دیا۔ مگر ساتھ کو ہمیشہ "ہ" سے لکھتے تھے، تاکہ سات سے، جو عدد ہے، القباس نہ ہو۔ اسی طرح اُن لفظوں میں بتاکید ہای مخلوط لکھ دیتے تھے، جن میں بول چال کے اندر "ہ" موجود ہے، مثلاً نواب ناظم کے مسودے میں کاتب نے "ڈھونڈا"، لکھا تھا، میرزا صاحب نے اسے "ڈھونڈھا" بنا دیا ہے۔ بتیاب کے کاتب دیوان نے "منہ چڑانا" اور "بچلنا" لکھا۔ میرزا صاحب نے چڑھانا اور بچھلنا کر دیا ہے (۱۳)

(۱۱) بعض ہندی الفاظ کا تلفظ ایک مقام پر دڈ سے اور دوسرے پر ٹ سے کیا جاتا ہے۔ جیسے گاڑی، بوڑھا، کہ اہلدار سہارنپور و میرٹھ میں "گاڑی" اور بوڑھا بولتے ہیں۔ میرزا صاحب نے ان دونوں لفظوں میں سے پہلے کو ڈ سے اور دوسرے کو ایک حکم ڈ سے اور دوسری جگہ ٹ سے لکھا ہے۔

(۱۲) پہلے زمانے میں "اُن نے"، اور "اُس سے"، کو ملا کر اُن نے اور اُس سے بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ میرزا صاحب بھی دو لفظ ملا کر لکھ دینے کے عادی ہیں، مگر اُن دونوں لفظوں کو نہیں لاتے تھے، جن میں سے اول کا حرف اخیر اور دوسرے کا پہلا حرف ایک ہو چنانچہ ان مثالوں میں بتیاب کے دیوان کے اندر اصلاح کی ہے۔

(۱) مکاتیب: ۷۹، ۱۱۸، ۱۲۰ وغیرہ ۲، ایضاً ۱۲۸، ۹۵ (۱۴) مصدر مخلوط غالب از ڈاکٹر صدیقی

دوم مکاتیب: ۷۹، ۱۱۸، ۱۲۰ وغیرہ ۲، ایضاً ۱۲۸، ۹۵ (۱۴) مکاتیب: ۷۹، ۱۱۸، ۱۲۰ وغیرہ ۲

میرزا صاحب نے اس غلطی کی بالائے سرعام اصلاح کی ہے۔

”دونوں“ کو بعض خطا دو، نو، بے، نو، ن اور آخر لکھتے ہیں۔ میرزا صاحب اسے نو، ن کے ساتھ لکھتے تھے۔ مذکورہ بالا مسودوں میں بھی اس لفظ کی اصلاح کی ہے۔

”بھوکا“ کا تلفظ کچھ اس طرح کیا جاتا ہے کہ واو کے بعد نو، ن غنہ محسوس ہوتا ہے۔ بیتاب کے کاتب مسودہ دیوان نے بھونکا لکھ دیا تھا۔ میرزا صاحب نے اسے نو، ن غنہ سے پاک کر کے بھوکا بنا دیا ہے۔

”ہای مخلوط“ کی کتابت میں شاید فصحاء دہلی کے تلفظ کا لحاظ زیادہ رکھا ہے۔ چنانچہ ٹرٹ پنا میں اُن کے نزدیک ہای فارسی اور نو، ن کے درمیان ہای مخلوط تلفظ ضرور ہے۔ یہاں ”ہے“ کے مخفف ”ہاں“ کو دلی والے یہاں بولتے تھے۔ میرزا صاحب نے اس تلفظ کو ا فصیح قرار دیا ہے۔ ”بگھارنا“ کی جگہ ”بھگازنا“ اور ”گڑ بھنگھ“ کی جگہ ”گڑھ بھونک“ یا ”گڑ بھونک“ تلفظ کا اتباع معلوم ہوتا ہے۔ ”ٹھہرنا“ دلی میں ٹھہرنا بولا جاتا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ میرزا صاحب ہمیشہ ایک ”ہے“ سے لکھتے ہیں۔ ناظم نے لکھا تھا ”جو آگے ہو مرے گھر، تو کوئی دم شیرو“

میرزا صاحب نے اسے ”ٹھرو“ بنایا۔ بیتاب کا شعر تھا: کیسا مزہ دکھاتے ہیں ہم بھی تو ٹھیر جا۔ تقریریں کر کے اور یہ، ناصح، تو ہلکا اس میں میرزا صاحب نے ”ٹھیرنو جا“ اصلاح دی۔

مخلوط و دھ” جسے لفظ کے آخر میں آتی ہے تو اس کی آواز بہت ہلکی سمجھا اس کے اگر واحد کی لکھاوت ”پانوں“ یا ”پاؤں“ قرار دیکھ، تو صحیح محبت ”پانوں“ یا ”پاؤں“ بنتی ہے جو ہرگز قبول کرنے کے لائق نہیں۔ میں عرض کرنا چوں کہ ڈاکٹر صاحب کا استدلال تو یہ نہیں کہنا، دھواں رواں جوں کی معین کنوئیں کنوئیں دھویں، دھوؤں، روئیں، دوں اور جیوں، جو دہیں۔ مذکورہ مولیٰ کے بیش نظر ہم یوں کہتے: ”اس کنوئیں کا پانی شہر بھر کے کنوئوں سے بہت ہے“ حالانکہ کنوئوں سے بہت ہے ”سب کی بول چال ہے۔ میری ناخن رالے ہے کہ ان لفظوں میں الفاء اور واو، دونوں کے بعد نو، ن غنہ ہے، اس لیے بہتر اچھا چھانوں اور بیکہ نو، ن ہے۔

دیوار اور غصہ کی بات کو کچھ کی دیوار اور غصے کی بات بولتے ہیں۔ خطوط میں میرزا صاحب نے بھی زیادہ تر اسی رد و ایج عام کی پیروی کی ہے۔ لیکن انتخاب اردو میں تین چار جگہ اور ناظم و بیتا سب کے مسودوں میں ایسے تمام الفاظ کی "ہ" قلمزد کو کے ہیں کی جگہ "ی" بنا دی ہے، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے مواقع پر تلفظ کے مطابق اٹا کو پسند کرتے تھے ہاں، ایک لفظ "ریختہ" ایسا ہے جسے انہوں نے تلفظ کے خلاف لکھا بھی ہے اور لکھو یا بھی۔ نواب ناظم کے اس شعر میں

یہ طرز کسی اور کو کب یا ہے ناظم ہیں ریختے میں اپیر و انداز تزیین
میرزا صاحب نے ریختے کو اپنے قلم سے ریختہ بنا دیا ہے۔

میری رائی میں ریختہ کی "ہ" پر اصرار "ریختی" سے القباس دور کرنے کے خیال سے ہوگا، جو اس زمانے میں یای معروف و مجہول کی کتا بستیں میں فرق نہ ہونے کے سبب سے بسبھلت پیدا ہو سکتا تھا۔ ہاں مختفی پر ختم ہونے والے ہندی یا ہند لفظ کی کتا بست میں میرزا صاحب ایک روشن کے پابند نہ تھے "تھانہ، پوہینہ، اور کیوٹہ" کو باوجود ہندی ہونے کے اور نہ نقشا "کو باوجود ہند ہونے کے" "ہ" سے لکھا ہے۔ چھوڑ کہ ورشن، پرچہ ہندوی، گل نیکیہ، تولہ، چو ترہ، دودڑہ، جولاہہ، روزمرہ وغیرہ بھی ان کے خطوں میں موجود ہیں، جنہیں زیادہ تر "ہ" سے اور کمتر "ہ" سے لکھتے ہیں۔

لفظ گلہ بمعنی شکوہ کو خوشخط دیوان اردو کے کاتب نے ہر جگہ "گلا" لکھا ہے۔ میرزا صاحب نے کسی جگہ اس کی تصحیح نہیں کی۔ لیکن

۱۔ انتخاب اردو قلمی ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴

(۳) تیسری دو طرح پر ہے :

پای مصدری، اور وہ معروضہ ہوگی، دوسری پای توجید و تنکیر، اور
اور وہ مہول ہوگی، مثلاً مصدری، آشنائی۔ یہاں ہمزہ ضرور بلکہ ہمزہ نہ لکھا
عقل کا قصور۔

توجیدی، آشنائے، یعنی ایک آشنا یا کوئی آشنا۔ یہاں جب تک
ہمزہ نہ لکھو گے، دانا نہ کہا دگے (۱۱)

اسی اصول کے ماتحت نواب فردوس مکاں کے مسودوں میں ایک جگہ
”موی سر“ اور دوسری جگہ ”رای“ کی ہمزہ کو قلمزد کر دیا ہے۔

مگر جہاں کہیں آخر کلمہ کئی سے قبل الف یا واو مڑا نہیں ہے،
وہاں میرزا صاحب نے ہمزہ بھی لکھا ہے۔ چنانچہ نثر تہنیتِ غسلِ صحت
میں فحشتگی و فرخندگی چند (۱۲) اور خلد آشیال کے مدجہ قصیدے میں گلیمِ فی من (۱۳)
ان کے اپنے ہاتھ کا مطلب ہے۔ ان حواقع پر بھی اشعار نے اپنے قلم سے
ہمزہ لکھا ہے (۱۴)

کو چہ غمی، تا بجویم شام را؟
در چشم بخت غیر رہا کرد خواب را
در ماگست جلوہ چای رنہای را
صدرہ آہنگ را میں بوس قدم ہے ہم کو (۱۵)

گشتیو تارنگی روزم نہاں
بہوشی بہ ہمدی مابسر برو
بہ منزل رسائی اندیشہ خودیم
واں پہنچ کر جو غش آتاپی ہم ہم کو
بیناب کے اس شعر میں بھی

آج میں موزونی طبع پہ نازاں ہوا
صبح ہے کہ روفی پذیر لب مراد یواں ہوا
میرزا صاحب نے ”موزونی طبع“ بنا دیا ہے۔

(۶) ہای متغنی پر ختم ہونے والے مذکر اسموں کو تخریف کی حالت میں بالعموم
”ی“ کے ساتھ بولا اور ”ہ“ کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ چنانچہ کعبہ کی

(۱) خطبہ ۱، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳

ایک ذرہ تسلی نہ ہو خوشی جہاں کو اک بوسہ بھی جب تک اُسے انا نہ ہوگا
 اگرچہ اب تنہا مشدد نہیں بولتے، لیکن کسی ایسے لفظ کے ساتھ آئے، جو
 وزن یا ناپ کو ظاہر کرتا ہو، تو ذرہ ہی لفظ کرتے ہیں، جیسے ”اُسے میری
 ذرہ بھر پر دانا“ ظاہر ہے کہ یہ تشدید وہیں باقی رہ گئی ہے جہاں
 حقیقی معنی مراد ہیں۔ پس اس لفظ کو موجودہ معنی کے لحاظ سے اردو
 اور مستحدث کہا جائے گا۔ میرزا صاحب اسی کے قائل تھے اور ۱۲ نومبر
 سنہ ۱۸۶۵ء کے ایک خط میں انہوں نے ”زرا“ ہی لکھا ہے (۱)
 (۵) جن فارسی الفاظ کے آخر میں الف یا واو کے بعد ”ی“ آئی ہے،
 خواہ اصلی ہو یا اضافت و صفت کی علامت، عام کاتب اس ”ی“
 پر ہمزہ لکھ دیتے ہیں۔ میرزا صاحب اسے عقل کو گالی دینا جانتے تھے۔ فقہ
 کے خط میں صراحت فرماتے ہیں:

”دیکھو پھر تم دیکھا کہتے ہو؟... فلاں میں جہور کی پیروی کیا تو
 ہے۔ یاد رکھو، یا تحتانی تین طرح پر ہے۔

(۱) جزو کلمہ

ہمای بوسہ مرغان ازاں مشرف دلدور

ایک سرنامہ نام نو، غزل گرہ کنایہ را

یہ ساری غزل اور مثالی اس کے جہاں پائی تھائی ہے، جزو کلمہ ہے۔

اس پر ہمزہ لکھنا گویا عقل کو گالی دینا ہے۔

دوم دوسری تحتانی مصناف ہے۔ صرف اضافت کا کسر ہے

ہمزہ وہاں بھی ملتی ہے، جیسے آسپہای چرخ یا آشنای قدیم۔

تو صیفی، انسانی، بیانی کسی طرح کا کسرہ ہو، ہمزہ نہیں چاہتا

ندای تو شوم، رہنمای تو شوم، یہ بھی اسی قبیلہ سے ہے۔

۱۳۰ اردو: دیوان غالب کے خوشخط نسخے میں ایک جگہ کاتب نے ذرا کو دال سے لکھا تھا میرزا
 جیسے یہاں بھی ذال کا سر جاقوسے پچھل کر ذرا بنا دیا ہے۔

اور سینہ زد ری سے "ذ" کو فارسی سے غارت کرنے کی کوشش کی ہے
میں یہ لفظ "ذ" سے لکھئے، تو مضائقہ نہیں، مگر فارسی میں "ذ" نہ لکھتا
غزوری ہے ۱۱۱

اس قاعدے کی انہوں نے اتنی پابندی کی ہے کہ ان عربی افظوں میں بھی
عربی کے مخصوص حروف نہیں لکھتے، جو اپنے معنی کی بنا پر ہندی
یا ہند بن گئے ہیں، جیسے لہیار اور ذرا۔ لہیار کے بارے میں
قدّر بلگرامی کو لکھا ہے۔

"لہیار لغت عربیۃ الاما اس کی طاعتی سے ذرا میں
اس لغت نے جنم لیا، حقیقت بول گئی، طوی اتے بن گئی، معنی جب کوئی شہر کی طرف
شکار کرنے لگا، بازداروں نے بادشاہ سے عرض کی کہ "فداں باز" نہ لے
شدہ است و صید ہی گیرد"

پھر حال اب تہائی قرشت سے بہ افطہ شامکلی آیا۔ اس افطہ کو مستند شہ اور اس
ارود اور تہائی قرشت یعنی آمادہ، اشخاص اور اشیا پر دم مہر کو کیا جاتے ہیں ۱۱۲

اور ذرا "اصلاً عربی ہے اور اس کا اطلاق ذرا ہے۔ تے اور دوسری درجہ
بتشرید بھی بولا جاتا تھا۔ شاہ نامہ بادشاہ دہلی آفتاب بخش
لے آفتاب دل کو ذرا نہ چلین اُس بن اس رشتہ میں کو جہانگیر کے کوئی دے
دوسرے مقطع میں بھی اسی طرح باندا ہے؛

(۱۱) حاشیہ و ستور الفصاحت اس ایرڈ اکثر صاحب نے یہ تشریر لکھ کر حقیر کو بھیجی ہے۔

۲۲ خطوط: ۱۸۳۱۔ مگر خان آرزو کا بیان ہے اچراغ ہدایت نو لکھنؤ کے کہ طیار عربی میں
معنی پرندہ ہے، لیکن ایرانی آمادہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، اور یہ بطور معائنہ۔ لیکن
کے نزدیک ایک صورت یہ بھی ہے کہ تیار عربی میں معنی جہند ہے۔ معنی آمادہ جو فارسی میں آیا ہے
ممکن ہے یہی ہو۔ آرزو کا قول صحیح ہے، تو غالب کا بیان کہ آمادہ کے معنی میں اردو ہے، قابل قبول
نہیں اور اس کا اطلاق اور طو دونوں سے ہو سکتا ہے (۱۲) (معاصر ج ۸ نمبر اول)

متحد و جگہ یہ لفظ آیا ہے، اور ہر جگہ اسے کاتب نے ”مو نہہ“ لکھا ہے
میرزا صاحب نے ایک جگہ کو مستثنیٰ کر کے ”معہ“ بنا دیا ہے۔
۴م، فارسی اور ہندی لفظوں کے املا میں عربی کے مخصوص حروف و ثانیات
ح، ص، ض، ط، ظ، ع، استعمال نہیں کرتے تھے۔ سیاح کو لکھتے
ہیں:

”عین کا حرف فارسی میں نہیں آتا۔ جس لغت میں عین ہو اس کو
سمجھنا کہ عربی ہے..... جس طرح عین فارسی میں نہیں ہے، طوی
بھی نہیں ہے، مثلاً قشت لغت فارسی لاصل ہے۔ املا اس کی

لموی سے غلط ہے (۱)

بتیاب نے ”طمانچہ“ اور ”طمیور“ لکھا تھا۔ میرزا صاحب نے طمانچہ کو
”تپمانچہ“ بنا دیا، اور طمیور کے بارے میں یہ لکھا:
”یہ لفظ لموی سے نہیں، تے سے ہے۔ اور پھر تیمور بوزن تیمور
نہیں۔ دراصل تیمور بوزن سے ڈر ہے“ (۲)

میرزا صاحب ”ذ“ کو بھی عربی کے مخصوص حروف میں شمار کرتے،
اور کبھی کسی فارسی لفظ میں ”ذ“ نہیں لکھتے تھے۔ بتیاب کے مسودے میں
”خذف“ تھا اسے ”خزف“، بنا کر لکھا ہے:

در خزف بمعنی ٹھیکری کے لغت فارسی اور املا اس کی ز سے ہے۔
گذشتن پذیرفتن، وغیرہ فارسی مصادر کے تمام مشتقات میں جہاں ”ذ“
مروج ہے، میرزا صاحب نے ”ز“ استعمال کی ہے۔ ناظم نے ”سرگذشتن“
لکھ دیا تھا، تو اسے ”سرگزشتن“ بنا دیا ہے۔ ڈاکٹر صدیقی صاحب فرماتے ہیں۔
”گذشتن، گزشتن، پذیرفتن، یہ سب لفظ ذال سے ہیں۔ البتہ گزاردن“

ز سے صحیح ہے۔ میرزا غالب نے پہلے نادانی سے پھر سخن برداری

بہت سب کے اس شعر میں:

پھٹکا جائے دل سینے میں، اللہ چھپاؤں کب تک سوز نہال کس؟
کاتب نے، پھوکا، جانتا ہے، لکھنا تھا۔ اس میرزا صاحب
نے واو نکال دیا ہے

خود میرزا صاحب کے انتخاب دیوان اردو میں کاتب نے لکھا تھا:
”رکھو لتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ“
اسے میرزا صاحب نے ”کھلتا“ بنایا ہے۔

”خور اور خورشید“ کا عام اطلاق ہے۔ میرزا صاحب خورشید کو
پے واو اور خور کو صرف خور سے التباس دور کرنے کے خیال سے پے واو لکھا
کرتے تھے۔ اُن کی رائے یہ تھی کہ پاری قدیم ”پے خور“ بضم الخا، نور کا ہر
کو کہتے ہیں۔ ”شید“ بکسر شین کے معنی روشنی ہیں۔ ایمانی، آفتاب
کو بعد از خدا بزرگ جانتے تھے، اس لیے اُنھوں نے سورج کو خور اور
خورشید کہا۔ جب عرب و عجم مل گئے، اکابر عرب نے واسطے دفع التباس کے
”خور“ میں واو معدولہ بڑھا کر ”خور“ لکھنا شروع کیا (۲)

”منہ“ کا پورا انا، انا، مونہ یا مونہ، ہے۔ نواب ناظم کے مسودوں میں

(۱) انتخاب غالب اردو فلمی: ۱۳۷۲ء رضا قلی پاشا نے فرہنگ انجمن آرای نامری و لغت خور، میں لکھا ہے: ”ناظم
آفتاب و متاخرین برای آن کہ بیکر خورشید نشود و پے واو نویسد۔ لیکن در زبان قدیم پے واو بود“ اس سے میرزا صاحب
کی رائے کی تائید ہوتی ہے مگر ڈاکٹر صدیقی صاحب فرماتے ہیں کہ انھوں نے اپنے اس مسلک کی جو توجہ یہ کہ وہ درست نہیں یہ کہنا
صحیح نہیں کہ قدیم فارسی میں ”خور“ کو پیش تھا حقیقت یہ ہے کہ ایران کی پرانی زبان میں بعض لفظوں کا پہلا حرف ساکن
ہوتا تھا، چنانچہ خور اور خود وغیرہ کا ”خ“ ساکن تھی اور ”داد“ مفتوح، یعنی ”رخ“ و ”آپس“ میں ملکر ایک دہری آواز پیدا
کرتے تھے۔ آگے چل کر جب ابتدا بسکون فارسی زبان میں ترک ہو گئی تو ”د“ کی قدر بڑھ کر غلط میں ایک ہمزائی رہ گیا۔

کتا بہت میں ایک ”معدول“ داد برقرار ہے۔
پہنچا بیچ ہیں کہ عروں ہے واسطے دفع التباس کے واو معدولہ بڑھانے خور لکھنا شروع کیا
عرب کی زبان میں نہ خور کو دخل ہوا نہ خورشید کو، اور نہ خور ان کی زبان میں دخلی تھا۔ پھر ان کو
التباس کے دور کرنے کی فکر کیوں ہو لے لگی۔ ”مقدمہ خطوط صفحہ ۲۷

لفظ کے شروع میں واقع ہونے والے الف مضموم کے علاوہ ہر جگہ اعراب
بالحروف کو ناپسند کرتے تھے۔ بتیاب کے کاتب نے ”مہر و مہ“ کو ”مہر و ماہ“
اور ”اسی“ کو ”ایسی“ لکھا تھا۔ انھوں نے اس کتابت کو غلط قرار دیتے
ہوئے ”مہر و مہ“ بجذوف الف، اور ”اسی“ بجذوف یا اپنے قلم
سے بنا دیا ہے۔

اور مینہ“ کا اٹلا بھی بجذوف ”ی“ پسند کرتے تھے۔ خود ان کی اپنی تحریروں
میں ”مینہ“ موجود ہے (۱) لیکن نواب فردوس مکاں کے اس شعر میں
آکر ترے کوچے میں یہ کچھ ہم سے بنائی جاتے ہوئے اک مینہ تھا کہ ہر سا گنہیں
مینہ کو ”منہ“ بنا پایا ہے۔

عام طور پر ”پہنچنا“ اور اس کے مشتقات میں ”ہ“ کے بعد لوگ ”و“
لکھ دیا کرتے ہیں۔ میرزا صاحب کے خود نوشتہ خطوں میں بھی کئی جگہ یہ لفظ
آیا ہے، مگر ایک جگہ کے علاوہ انھوں نے ”پہنچنا“ کبھی نہیں لکھا۔
انتخاب دیوان الہ آباد اور ناظم و بتیاب کے مسودوں کے کاتبوں نے بھی
جہاں کہیں واؤ کے ساتھ لکھا تھا، میرزا صاحب نے اس کی ہر مقام پر
اصلاح کی ہے۔

ناظم کا ایک شعر ہے:

حوال کے جانے سے رکے اور لگی فصل بہار۔

و مبارک جمع پھیر و حشمت کے سماں ہو گئے

کاتب نے اس میں ”ر د کے“ لکھا تھا۔ میرزا صاحب نے ”و“
قلمزد کر دیا ہے۔

ایک شعر میں ”دو کان“ تحریر ہو گیا۔ اس کا بھی واؤ کاٹ دیا ہے۔

مکتبہ راہپوری کے کاتب و لیاؤ نے ”طیسور“ لکھا تھا۔ اس پر فرماتے ہیں:

”لفظ ”طوی“ سے نہیں ”تے“ سے ہے اور پھر تیمور ہونے پر متبور

نہیں۔ دراصل تمبروزن سے دُر ہے (۱۶)

میرزا صاحب کے قلم کے لکھے ہوئے خطوط اور نواب ناظم اور مکتبہ کے اصلاحی مسودوں کی خامی تعداد ہمارے سامنے ہے، ان سے نیز دوسرے مشائخ و مولوں کی اعلیٰ تصحیح سے جو اردو علی اور عود ہندی کے اوراق میں محفوظ ہے، اظہار رسم خط سے متعلق حسب ذیل نتائج مستنبط ہوتے ہیں۔
۱۔ اپنے عہد کی طرز کتابت کے مطابق بای معروف و مجہول کے لکھنے میں بول چال سے زیادہ خطی خوشنمائی اور کافہ پر باقی ماندہ جگہ کا لحاظ کرتے تھے۔ معروف کی جگہ مجہول اور مجہول کی جگہ معروف ”ی“ کا استعمال ان کے یہاں اتنا عام ہے کہ بعض اوقات پڑھنے میں وقت اور تفریق تائید کے متعین کرتے ہیں دشواری پیدا ہو جائے۔

۲۔ ان کی تحریروں میں بای مخلوط و جنبی ”ہ“ کی جگہ بای سادہ کی ہم شکل ”ا“ آتی ہے۔ اس زمانے کے کاتبوں کا دستور تھا کہ مخلوط ”ہ“ کو دو سادہ ”ا“ سے ظاہر کرتے تھے، جیسے آنکھ، پاتھ، لکھہ وغیرہ۔
۳۔ میرزا صاحب اس کے بھی خلاف تھے۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں اس قسم کے اکثر اور مکتبہ و ناظم کے مسودوں میں اس قسم کے تمام الفاظ کو ایک ہی سادہ ”ا“ سے لکھا ہے۔

۴۔ ان کے زمانے تک ترکی رسم الخط کی دیکھا دیکھی اردو خط میں بھی اعزاس باحر و عسا کا طریقہ ایک حد تک مروج تھا۔ مگر میرزا صاحب

۱۔ مکتبہ راہپوری کے بہت سے انشاء آثری حرف مفتوح ہوتا ہے ان کے زیر کو ”ا“ سے ملنے اور کتابت میں بای مختفی پڑھائی گئی تھی موجودہ لکچے میں ایسے تمام الفاظ کی اکثر بولے جاتے ہیں اس لئے اب ایک سادہ ”ا“ سے ہی لکھنا چاہیے۔

املائی غالب

میرزا صاحب کی نوشتہ تحریروں اور اصلاحوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں صحتِ املا کا بڑا خیال تھا۔ خود بھی غلطی اٹلا سے پرہیز کرتے اور شاگردوں سے بھی اسی توجہ کے متوقع رہتے تھے۔ اگر شاگرد معمولی غلطی کا مرتکب ہوتا تو صرف اصلاح پر اکتفا کرتے، ورنہ خطی اصلاح کا مشابہ بھی واضح کر دیتے تھے۔ ایک بار جنون بریلوی نے فارسی کے ماہی قریب کے صیغہ واحد حاضر کو "ی" کے ساتھ لکھا۔ آج کل اہل ایران اسی طرح لکھتے ہیں، مگر اُس نے ہاسنے میں ایسا دستور نہ تھا۔ اس کی اصلاح میں ارشاد فرمایا ہے:

» پروردہ، رفتہ، یہ جتنے الفاظ ہیں بن میں پای تختانی نہیں لکھتے بس وہی ہای ابنای حرکت رہتی ہے۔ پس اگر وہ ساکن ہے، تو تو رفتہ، بردہ اس صورت پر ہے گی۔ اور اگر اُس کو حرکت لازم آئے، تو علامتِ حرکت ہمزہ لکھ دیا جائے گا۔ رفتہ آمدہ اور ان مفعول کے سب صیغوں کا یہی حال ہے۔ (۱)

شیونہ راہن کو تحریر کیا ہے:

» و چونکہ تم کو مشاہدہ اخبار اطراف اور خود اپنے مطبع کے اخبار کی عبارت کا شغل رہتا ہے، یہ تقلید اور انشا پر داذوں کے ننھاری عبارت میں بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ میں تم کو آگاہ کرتا رہتا ہوں۔ خدا چاہے، تو اٹلا کی غلطی کا ملکہ زائل ہو جائے۔ (۲)

کی تلاش میں آتور گئے اور دلی میں بیٹھا اور ایک بچی چھوڑ گئے۔ میرزا صاحب سے امید تھی کہ اپنی اور ہوا اور پوتی کی خیریت سے جلد عذر مطلع کرتے رہیں گے۔ میرزا صاحب اُن کو بھی تاخیر سے جواب دیتے تھے۔ ایک بار اُنہوں نے شکایت کی۔ میرزا صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا:

درمجمہ سے جو نم لکھ کرتے ہو خط کے نہ بھیجئے گا، بدنی، اب میرزا انگلیاں نکھی ہو گئی ہیں اور عبارت میں بھی ضعف آگیا ہے۔ دوسٹر بہا نہیں لکھ سکتا۔ اطراف و محاذ کے خدو لہ آئے ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ جب کوئی دوست آجائے، میں اس سے جواب لکھ دوں گا۔ یہ سول کا تمہارا خط آیا ہوا دیکھا تھا۔ اب اسی وقت میرزا یوسف علی خاں آگئے۔ میں نے اُن سے یہ خط لکھوا دیا۔

میں میں نے اپنا حال مفصل چھپوادی ہے، اور اس میں میں نے عذر چاہا
خطوں کے جواب سے اور اشعار کی اصلاح سے۔ اس پر کسی نے
عمل نہ کیا۔ اب تک ہر طرف سے خطوں کے جواب کا تقاضا اور
اشعار اصلاحوں کے چلے آتے ہیں، اور میں شرمندہ ہوتا ہوں،

بوڑھا، اپنا بیچ، پورا بہرا، آدمی اندھا۔ دین راست پڑا رہتا ہوں (۱)

نواب میر غلام بابا خاں بہادر نے کبھی کبھی اطلاع خیریت کی خواہش کی
تھی انھیں ۶ اپریل سنہ ۱۸۶۸ء کو لکھتے ہیں:

مددِ جو فرماتے ہیں، کہ تو اپنی غیر عافیت کبھی کبھی لکھا کہ آگے دینی طاقت
باقی تھی کہ لیٹے لیٹے کچھ لکھتا تھا۔ اب وہ طاقت بھی زائل ہو گئی، ہاتھ
میں۔ عیشہ پیدا ہو گیا، مینائی ضعیف ہو گئی۔ متصدی نوکر رکھنے کا
مقدور نہیں۔ عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی صاحب وقت
پر آگئے، تو میں مطلب کہتا گیا، وہ لکھتے گئے (۲)

سید احمد حسن موہودی کو کسی دوست نے اطلاع دی کہ اب میرزا
صاحب کو افاتہ ہے۔ انھوں نے میرزا صاحب سے اس کی تصدیق
چاہی۔ اس پر تحریر فرماتے ہیں:

”جو آپ نے سنا ہے کہ اب غالب کو مرض سے افاتہ ہے،
سو محض غلط ہے۔ آگے نا تو ان تھا، اب نہ جان ہوں، خط نہیں لکھ
ایک لڑکے سے یہ چند سطر لکھوا دی ہیں۔ جو میں کہتا گیا ہوں
وہ غریب لکھتا گیا ہے (۳)

اپنی اس مجبوری کے زمانے میں میرزا صاحب دوستوں اور شاگردوں
کے خطوط کی طرح اعزہ کے خطوط کا جواب بھی مشکل دیا کرتے تھے۔
عارف کے پیچھے باقر علی خاں سہتلی، جعفری بیٹوں کی طرح پالا تھا، روزگار

ہو سکا، احباب کی خدمت بجالایا اور ارقی اشعار لیٹے لیٹے دیکھتا تھا اور اصلاح دیتا تھا۔ اب نہ آنکھ سے اچھی طرح سوچے، نہ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا جائے۔ کہتے ہیں کہ شاہ شرف علی قلندر کو بسبب کبر سنی کے خدانے فرض اور پیہر نے سنت معاف کر دی تھی۔ میں شوق ہوں کہ میرے دوست خدمت اشعار صحیحہ پر معاف کر دیں۔ خطوط شوقیہ کا جواب جس صورت سے ہو سکے گا لکھ دیا کروں گا۔ زیادہ مطلوب ہے۔

ذکاء نے کیفیت مزاج دریافت کی، تو اسپر در نشانی فرماتے ہیں:۔
 ”تم میری بات پوچھتے ہو، مگر میں کیا لکھوں! ہاتھ میں رشتہ، انگلیاں کہنے میں نہیں، ایک آنکھ کی بینائی زائل جب کوئی دوست آجاتا ہے، تو اس خطوط کا جواب لکھو اور بتا ہوں“ ۲۱

جون سنہ ۱۸۶۷ء میں سہاج کو اپنی حالت لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:
 ”میرا حال اسی سے جانو کہ اب میں خط نہیں لکھ سکتا۔ آگے لیٹے لیٹے لکھنا تھا۔ اب رشتہ و ضعف بصارت کے سبب سے وہ بھی نہیں ہو سکتا“ ۲۲

انھیں کو اگست ۱۸۶۷ء میں لکھا ہے:
 ”آگے میں لیٹے لیٹے کچھ لکھنا تھا۔ اب وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاتھ میں رشتہ آنکھوں میں ضعف بصر۔ کوئی مقصدی میرا نوکر نہیں۔ دوست آشنا کوئی آجاتا ہے، تو اس سے جواب لکھو البتہ ہوں۔ بھائی، میں تو اب کوئی دن کا مچان ہوں۔ اور اخبار والے میرا حال کیا جانیں؟ ہاں اکمل الاخبار اور شرف الاخبار والے کہ یہاں کے رہنے والے ہیں، ۲۳ در مجھ سے ملے رہتے ہیں۔ سو ان کے اخبار

یاد کیا آوے۔ لیٹا ہوا ہوں۔ دمہ دم پاؤں کے درم کی بیس ہوش
اڑاے دیجیے۔ انا لیلہ وانا الیہ راجعونؑ
اسی زمانے میں تفتہ کو لکھا ہے:

میں ناتوان بہت ہو گیا ہوں۔ گو یا صاحب فراش ہوں۔ کوئی شخص نہ
تکلف کی ملاقات کا آجائے تو اٹھ بیٹھتا ہوں، ورنہ بڑا رہتا ہوں۔
لیٹے لیٹے خط لکھتا ہوں ۲

ضعف کے سبب مراسلت میں کمی

جب بوجہ پیرانہ سالی میرزا صاحب کا ضعف روز افزوں ہونے
لگا، تو مجبوراً مراسلت میں کمی کرنی پڑی۔ تاہم اس حالت میں یہ کبھی نہ ہوا
کہ کسی جواب طلب کا جواب نہ دیا ہو۔ ہاتھ میں ریشہ اور بینائی میں
نقصان کھانے کے بعد اخبارات میں اپنی اس حالت کا اعلان کر کے
ارباب ادب سے التجا کی تھی کہ آئندہ جواب خط اور اصلاح اشعار سے
معاف رکھا جائے۔ اس پر بھی برابر خطوط چلے آتے تھے۔ میرزا صاحب جی بے تکلف
دوست کے منتظر رہنے۔ جب ایسا دوست آجاتا، اس سے جواب لکھا
دیتے۔ ایک بار رضوان نے کوتاہ فہمی کی شکایت کی۔ اس کے جواب میں ارشاد
فرماتے ہیں:

”مرزا رسم تحریر خطوط بسبب ضعف ترک ہوتی جاتی ہے۔ تحریر کا
تیارک نہیں ہوں، بلکہ متردک ہوں۔۔۔۔۔ اگر تمہارے خط کا جواب
نہ لکھوں، تو محلِ ترحم ہے، نہ مقامِ شکایت ۳

اپریل سنہ ۱۸۹۶ء میں سید احمد حسن مودودی کو لکھتے ہیں:

”پیر و مرشد! آپ کو میرے حال کی بھی خبر ہے؟ ضعف نہایت کو پہنچ گیا
ریشہ پیدا ہو گیا، بینائی میں بڑا فتور پڑا، جس منتقل ہو گئے۔ جہاں تک

سنہ ۱۸۵۴ء میں تپ و لرزہ کا شدید دورہ ہوا۔ ابھی مرض کی شدت باقی تھی کہ تفتہ کا خط آگیا۔ میرزا صاحب نے اسی حالتِ ضعف میں جواب دیا، اور اس میں لکھا:

”میں چار دن سے لرزہ میں مبتلا ہوں۔ اتنی سطریں مجھ سے بہزار
جرتقیل لکھی گئیں (۱)۔“

صاحبِ عالم مارہروی کو بحالتِ بیماری لکھا ہے:

”جو کچھ لکھنا چاہتا ہے وہ بھی اکڑ بیٹے بیٹے لکھنا ہوں“ (۲)

اسی طرح ایک مرتبہ پنچر کا خط آیا، تو میرزا صاحب کو اٹھنا، بیٹھنا، نشو و نما۔
اسی حالت میں جواب لکھ کر آخر میں فرمایا:

”بارہ پر دو بجے ہر کارے نے آپ کا خط دیا۔ پلنگ پر پڑے پڑے

خط پڑھا، اور اسی طرح جواب لکھا“ (۳)۔

سنہ ۱۸۶۲ء میں تقریباً سارا جسم زخموں سے بھرا ہوا اٹھا، اور بالخصوص
سیدھے ہاتھ کے پھوڑے کی تکلیف سے روح تحلیل ہوئی جاتی تھی۔
اس حالت میں بھی خطوں کے جوابات برابر بھیجتے رہے۔ سرور کو لکھتے ہیں:

”اشعار کی اصلاح یک قلم موقوف۔ خطوط فردری بیٹے بیٹے لکھنا ہوں

دو خط چودھری صاحب کے آئے، اور ایک خط شاہ عالم صاحب کا اور

دو خط حضرت صاحب کے آئے، جواب نہ لکھ سکا۔ آج اپنے کو

طعن دے کر مرد بنایا، جب یہ عبارت لکھی“ (۴)۔

انہیں کے ایک خط میں اشعار کے حسن و قبح کا معیار بتاتے ہوئے۔۔
آتش و ناخ کا ذکر کرتے ہیں۔ استنباد میں اُن کا کوئی شعر نہیں
آتا، تو کہتے ہیں:

ایک بار قہر کو خط لکھا، اور کہیں میں رکھ لیا۔ کئی دن کے بعد کہیں کھولا تو خط برآمد ہوا۔ اس کے متعلق انھیں تحریر فرماتے ہیں:

مراسدہ دیہائی من توان بخشد خطا نموده ام و چشم آفرید رام
کل و شبنے کا دن بہ ستمبر کی تھی۔ صبح کو میں نے آپ کو شکایت نامہ
لکھا، اور ہرنگ ڈاک میں بھیج دیا۔ دوپہر کو ڈاک کا ہرکارہ آیا۔
تمہارا خط اور ایک مرزا تفتہ کا خط لایا۔ معلوم ہوا کہ جس خط کا جواب
میں آپ سے مانگتا ہوں، وہ نہیں پہنچا، کچھ شکوے سے شرمندگی اور
کچھ خط کے نہ پہنچنے سے حیرت ہوئی۔ دوپہر ڈھلے مرزا تفتہ کے خط کا
جواب لکھ کر ٹکٹ نکالنے لگا۔ جس میں سے وہ تمہارے نام کا خط
کل آیا۔ اب میں سمجھا کہ خط لکھ کر بھول گیا ہوں، اور ڈاک میں نہیں بھیجا۔
اپنے خیال کو لعنت کی اور چپ ہو رہا۔ متوقع ہوں کہ میرا قصور
معاف ہو گا!

ایک مرتبہ میرزا صاحب نے تفتہ کو خط لکھا۔ اُن کی طرف سے جواب نہ
ملا۔ بلکہ خط آیا تو الٹی خط نہ بھیجنے کی شکایت درج تھی۔ میرزا صاحب
اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

”آج چھٹنے کے دن ۱۸ نومبر کو تمہارا خط آیا اور میں آج ہی جواب
لکھتا ہوں۔ کیا تماشا ہے کہ تمہارا خط پہنچتا ہے، اور میرا خط نہیں

پہنچتا؟

لیٹے لیٹے لکھتے

میرزا صاحب شدت مرض اور زیادتی ضعف کے باعث نشست
و برخاست کی قوت نہ ہونے کی حالت میں بھی جواب خط سے دوستوں
کو محروم رکھنا گوارا نہ کرتے، اور لیٹے لیٹے جواب لکھتے تھے۔ ایک بار زوری

ہر کارے کو دیا ۱۸۹۹

عذر تاخیر

چونکہ میرزا صاحب خطوط کا جواب باقاعدگی سے دیا کرتے تھے،
اس لیے اگر ان کا کوئی دوست اپنے نیاز نامے کا جواب نہ پانے کی شکایت
لکھتا، اور فی الحقیقت کسی وجہ سے جواب میں تاخیر ہو جاتی، تو میرزا صاحب
فوراً عذر تاخیر لکھ دیتے۔ مگر آخر شکایت پادروا ہوتی، تو اپنے اوپر کبھی ذمہ داری
نہ لیتے اور صاف انکار کر دیتے۔ ایک بار میرزا احمد حسن مودودی نے
شکایت کی کہ آپ نے میرے کئی خطوط کا جواب نہیں بھیجا
اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

در آپ کے کسی خط کا جواب میرے ذمے ہائی نہیں ہے دو یا تین خط

کا جواب نہیں پہنچا، اس کو یہ سمجھے کہ وہ خط راہ میں تلف ہوئے اور

میرے پاس نہیں پہنچے۔ ۳۱

ایک بار اپنی عادت کے خلاف پتھر کے خط کا جواب دوسرے دن لکھا
تو تاخیر کی تلخی کو طرافت کی چاشنی سے بدلنے کی بھی کوشش کی۔
فرماتے ہیں:

» بندہ بے در، آپ کا خط کل پہنچا۔ آج جواب لکھتا ہوں۔ درود نہاد

کتنا شباب لکھتا ہوں! ۳۲

اسی طرح مجروح کے خط کے جواب میں کئی دن کی دیر ہو گئی، تو نہیں لکھا:

» واہ سید صاحب! تم تو بڑی عبارت آریاں کر لے لگے۔ نثر میں

خود نمایاں کرنے لگے۔ کئی دن سے تمہارے خط کے جواب کی

فکر میں ہوں، مگر جاڑے نے بے حس و حرکت کر دیا ہے۔ آج جو

بسبب اب کے وہ سردی نہیں، تو میں نے خط لکھنے کا قصد کیا ہے۔ ۳۳

اس وقت کہ بارہ پر تین بجے ہیں، عظم وقت نامہ پہنچا۔ اُدھر پڑھا،
اُدھر جواب لکھا۔ ڈاک کا وقت نہ رہا۔ خط کو معنون کر رکھتا ہوں۔
کل شنبہ ۱۶ فروری کو ڈاک میں سچو ادوں گا (۱)

علانیٰ کو لکھتے ہیں:

۱۱ آج یوم النہیس ۱۹ جون المبارک بارہ پر تین بجے تمہارا خط آیا۔ اُدھر
پڑھا، اُدھر جواب لکھنے بیٹھا (۲)

ایک بار مجروح کا خط صبح کی ڈاک سے موصول ہوا۔ میرزا صاحب نے اس کا
فوراً جواب لکھا اور اس میں تحریر کیا:

۱۱ آج شنبہ ۱۵ اکتوبر صبح کا وقت، بھی کھانا پکا بھی نہیں، تبرید پی کر بیٹھا تھا
کہ تمہارا خط آیا اور پڑھا اور یہ جواب لکھا (۳)

انہیں کو لکھتے ہیں:

۱۱ اس وقت تمہارا ایک خط اور یوسف مرزا کا ایک خط آیا۔ مجھ کو باتیں
کرنے کا حرا ظا، تو دونوں کا جواب ابھی لکھ کر روانہ کیا۔ اب میں
روٹی کھانے جاتا ہوں (۴)

تفتہ کو تحریر کیا ہے:

۱۱ آج سیخربار کو دو پہر کے وقت ڈاک کا ہرکارہ آیا، اور تمہارا خط
لایا۔ میں نے پڑھا، اور جواب لکھا، اور کلیان کو دیا وہ ڈاک
کو لے گیا۔ خدا چاہے تو کل پہنچ جائے (۵)

معلوم ہوتا ہے کہ دسمبر سنہ ۱۸۵۷ء تک ڈاک کا ہرکارہ تقسیم و
جمع خطوط دونوں کام کیا کرتا تھا میرزا صاحب نے تفتہ کے خط میں
لکھا ہے:

۱۱ اس وقت تمہارا خط پہنچا اور اسی وقت میں نے یہ خط لکھ کر ڈاک کے

مشعلات انشا

اس بحث کے آخر میں بعض ایسے حالات کا تذکرہ بھی ضروری ہے، جو بظاہر میرزا صاحب کے عادات و خصائل کی ایک کڑی معلوم ہوتے ہیں، لیکن اُن کی انشا کی کیفیت و کیفیت کے اندازے کے لیے اُن کا مطالعہ افادے سے خالی نہیں، اور اس لیے انہیں متعلقات انشا کے عنوان سے ذکر کیا جاسکتا ہے۔

جواب میں جلدی

خطوط کا جواب قینے میں میرزا صاحب بہت باضا بطبہ تھے۔ وہ بول تو ہر خط کا جواب فوراً لکھتے، اور غیر اختیاری عذر کے علاوہ کسی اور عذر کے پیش کرنے کا بھی موقع نہ آنے دیتے، لیکن ضروری اور جواب طلب خط کے جواب میں بچہ جلد بازی سے کام لیتے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ یہ جانتے ہوئے کہ اب ڈاک کا وقت گزر چکا ہے، جواب لکھ لیتے اور مکتوب الیہ کو ہٹا دیتے کہ اس مجبوری کے سبب آج خط سپرد ڈاک نہ ہو سکا۔ مثلاً: پیچہ کو تخریر کیا ہے:

در جناب عالی، آج دو شنبہ ۳ جنوری سنہ ۱۸۵۹ء کی ہے۔ پہر دن چڑھا

ہو گا۔ غمزدہ و دردمند بیٹھا تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط

لا یا۔ با آنکہ خط جواب طلب نہ تھا، جواب لکھنے لگا۔ ۱۱

شفقت کو لکھا ہے:

خداوند نعمت، آج دو شنبہ ۶ رمضان کی اور ۱۵ فردری کی ہے

وہ جو تم نے لکھا تھا کہ تیرا خط میرے نام کا میرے ہمنام کے ہاتھ جا پڑا،
صاحب تصور تمہارا ہے۔ کیوں ایسے شہر میں رہتے ہو، جہاں
دوسرا میر قہدی بھی؟ مجھ کو دکھیو کہ میں کب سے دلی میں رہتا ہوں
نہ کوئی اپنا ہمنام ہونے دیا، نہ کوئی اپنا دھم، عرف بننے دیا، نہ
اپنا ہم نکلےں بہم پہنچایا؟ (۱)

ابتدائی میرا سلسلہ میں نواب فردوس مکاں کے فرامین جامع مسجد
کے پتے سے جاتے تھے، حالانکہ میرزا صاحب ساتھ آٹھ برس سے بیماروں
میں چلے آ رہے تھے۔ اس کے باوجود یہ فرامین میرزا صاحب کو ملتے رہے
جب خود انھوں نے سرکار کو لکھا کہ:

در ویران خاں بر عنوان نامہ ہای پیشین نشان کلبہ این درویش دلریش

عقب مسجد جامع ہشتہ اندومن از ہفت ہشت سال در محالہ بیماران

میا مانم۔ سپس نشان این محلہ نگاشتنہ شد ۲۷

اور اس پر سرکار نے اہل و فتر کو ہدایت فرمائی، تو یہاں سے خط
بیماروں کے پہرے لکھے جانا شروع ہوئے۔

مٹی ماروں کا محلہ کیا چنیے ہے ؟
 قہر کو تخریر کیا ہے ؟

اور یہ بھی آپ کو معلوم رہے ، کہ میرے خط کے سرنامے پر محلے کا

نام لکھنا ضرور ہیں ۔ شہر کا نام اور میرا نام ، قصہ تمام (۲)۔

ایک بار میرزا صاحب نے مکان تبدیل کیا ۔ تفتہ کو تر دو ہوا کہ
 یہ مکان کس محلے میں واقع ہے ۔ اُن کے اس تر دو کے رفع کرنے کے لیے
 ارشاد ہوا ہے :

” یہ مکان بہ نسبت اُس مکان کے بہشت ہے ، اور یہ عربی کہ محلہ ہے ”

بلیماروں کا ۔ اگرچہ ہے یوں کہ میں اگر اور محلے میں بھی جا رہتا ، تو قاصدان

ڈاک وہیں پہنچتے ۔ یعنی اب اکثر خطوط لال کنوے کے پتے سے آتے

ہیں ، اور بے تکلف یہیں پہنچتے ہیں ۔ بہر حال تم وہی دلی بلیماروں

کا محلہ ، لکھ کر خط بھیجا کرو ، ۳۰

تفتہ ہی کو دوبارہ لکھا تھا ،

” میرے نام کا کوئی لطافہ ضائع نہیں جاتا ۔ خدا جانے ، اس پر کیا بھوک

پڑا ہے ؟

سید احمد حسن موہود کی شکایت پر تحریر کیا ہے :

” میرے نام کا لطافہ جس شہر سے چلے اسی شہر کے ڈاک گھر میں رہ جائے

تو رہ جائے ، ورنہ دلی کے ڈاک میں پہنچ کر کیا امکان ہے کہ تلف

ہو ! ۱۵

ایک بار میرزا صاحب نے میر محمدی مجروح کے نام خط لکھا ۔ ڈاک کے

غلطی سے کسی دوسرے میر محمدی کو جا دیا ۔ اُنھوں نے میرزا صاحب کو

اس کی اطلاع دی ۔ اس اطلاع پر ارشاد ہوا ہے :

(۱) اردو (۱۸۷۸ء) ایضاً : (۳) ۲۵۱ ایضاً : ۴۵۷ ، ایضاً : (۵) ۱۶۸ ایضاً : ۲۲۵ -

محبوبستان تم کو میری خبر بھی ہے؟ آگے ناتوان تھا، اب نیم جاں ہوں۔ آگے بہرا تھا، اب اندھا ہوا ہوا ہوتا ہوں۔ رامپور کے سفر کا رہا اور ہے، رشتہ وضعیت بصر۔ جہاں چار سطریں لکھیں، انگلیاں ٹیڑھی ہو گئیں، حرف سو جھننے سے رہ گئے۔ اکھتر برس جیا عرصت جیا۔ اب زندگی برسوں کی نہیں، مہینوں کی اور دنوں کی ہے۔ پہلا خط تھکرا پہنچا۔۔۔۔۔ دو سرا خط مع غزل آیا۔۔۔۔۔ غزل بعد مشاہدہ تم کو بھیجی گئی۔ اور لکھا گیا، نوید حصول صحت جلد بھیجے۔ کل ایک خطا جبری وار آیا۔ گویا ستارہ دنبالہ دار آیا۔ تیران کہ ما جم کیا ہے! بارے کھولا اور دیکھا۔ خط نوید رفع مرض و حصول صحت سے خالی اور ٹکڑی ہی بیجا سے لبریز۔

صاحب میرے نام کا خط جہاں سے روانہ ہو وہیں رہ جائے تو رہ جائے، ورنہ دلی کے ڈاک خانے میں پہنچ کر کیا مجال ہے کہ مجھ تک نہ پہنچے! اسی طرح میرا خط یہاں کے ڈاک خانے سے نہ روانہ ہو، کیا معنی! جہاں پہنچے، وہاں کے ڈاک کے کاریروں اور داندوں کو اختیار ہے، مکتوب الیہ کو دیں یا نہ دیں! ۱

تفقتہ کو ایک خط میں صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ نامور آدمی کے واسطے محلے کا پتا ضرور نہیں۔ فرماتے ہیں:

در بات یہ ہے کہ نامور آدمی کے واسطے محلے کا پتہ ضرور نہیں۔ میں غریب آدمی ہوں، مگر فارسی انگریزی جو خط میرے نام کے کتے ہیں، تلفظ نہیں ہوتے۔ بعض فارسی خط پر برا محلے کا نہیں جوتا، اور انگریزی خط پر تو مطلق پتا ہوتا ہی نہیں، شہر کا نام ہوتا ہے مین چا خط انگریزی ولایت سے مجھ کو آئے۔ جانے ان کی بلا کہ

یہاں تک کہ ولایت کے آئے ہوئے، صرف شہر کا نام اور میرا نام
یہ سب مراتب تم جانتے ہو، اور ان خطوں کو دیکھو پکے ہو، اور پھر
مجھ سے پوچھتے ہو کہ اپنا مسکن بتا۔ اگر میں تمہارے نزدیک ایشیہ،
نہ سہی، اہل حرفہ میں سے بھی نہیں ہوں، کہ جب تک مسئلہ اترکھانہ
نہ لکھا جائے، ہر کارہ میرا پتا نہ پائے۔ آپ صرف دہلی لکھ کر میرا
نام لکھ دیا کیجیے۔ خط کے پہنچنے کا میں ضامن ہے،
جنوں پر بلوی نے پتا معلوم نہ ہونے کی وجہ سے خط لکھنے میں تردد کا اظہار
کیا۔ ان کو لکھتے ہیں:

در قبلہ، آپ کو خط کے بھیجنے میں تردد کیوں ہوتا ہے؟ ہر روز دو چار
خط اطراف و جوانب سے آتے ہیں، گاہ گاہ انگریزی بھی یاد ر
ڈاک کے ہر کارے بھی میرا گھر جانتے ہیں۔ پوسٹ، ماسٹر، ہیلڈر، شا
ہے۔ مجھ کو جو دست خط بھیجتا ہے، وہ صرف شہر کا نام اور
میرا نام لکھتا ہے، محلہ بھی ضرور ہٹیں۔ آپ ہی انصاف کریں کہ
آپ لال کھنواں لکھتے رہے، اور مجھ کو بلی ماروں میں خط پہنچتا رہا
خلاصہ یہ کہ خط آپ کا کوئی تلف نہیں ہوا۔ ۲

ڈاکانے یکے بنی دیگرے دو تیار نامے بھیجے، مگر میرزا صاحب کی طرف
سے جواب نہ ملا۔ انھوں نے اس کو دلی کے ڈاک خانے کی غفلت
پر محمول کر کے آخری خط بذریعہ رجسٹری ارسال کیا، اور اس میں
جواب نہ دینے کی شکایت لکھی۔ اس کے جواب میں میرزا صاحب الفاظ
و مطالب کے گلے کھلاتے ہیں:

”میرے مشفق، میرے شفیق، مجھ سے پیچ و پوچ کے ماننے والے،
مجھ سے برے کو اچھا جاننے والے، میرے محب، میرے

میرزا صاحب کا پتا

اگرچہ باعتبار حسب و نسب میرزا صاحب دلی کے مشاہیر میں شمار کیے جاتے تھے، لیکن اُن کی وسیع اور مسلسل مراسلت نے اس شہرت میں چار چاند لگا دیے تھے۔ اُن کے پاس روزانہ ہندوستان اور بیرون ہند سے اردو، فارسی اور انگریزی خطوط آتے رہتے، جن میں سرکاری اور نجی ہر قسم کی تحریریں ہوتی تھیں چونکہ شہر میں انھیں ہر شخص جانتا تھا، اس لیے اُن کا خیال یہ تھا کہ دلی کے ڈاک خانے میں پہنچ کر میرے نام کا خط کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ اُن کی ڈاک خانے کی معروفیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پورے شہر دلی میں وہ اپنے نام کے اعتبار سے یکہ و نہایت اور ڈاکباز اسد اللہ خاں غالب کا مسمیٰ ایک ہی ذات کو جانتا تھا۔

میرزا صاحب کو اپنی اس شہرت و ناموری کا اس درجے پاس تھا، کہ کوئی دوست یا شاگرد اُن کے مکان کا پتا دریافت کرتا، یا اُن کے نام کے خط پر لانا چڑھا پتا لکھ دیتا، تو وہ اس کو اپنی توہین خیال کرتے۔ ایک بار علانی نے مکان کا پتا دریافت کیا۔ میرزا صاحب نے برہم ہو کر لکھا:

دوست صاحب! حسن پرستوں کا ایک قاعدہ ہے کہ وہ امر کو دوچار برس لکھنا کر دیکھتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ جو ان ہے، لیکن بچہ سمجھتے ہیں یہ حال تمہاری قوم کا ہے۔ قسم شرعی کھا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اس کی عزت اور نام آدری جمہور کے نزدیک ثابت ہو، متحقق ہے کہ اور تم صاحب بھی جانتے ہو۔ مگر جب تک اس سے قطع نظر نہ کرو، اور اس سحرے کو گناہ و ذلیل نہ سمجھو، تم کو چین نہ آئے گا یہاں برس برس سے دلی میں رہتا ہوں۔ ہزار باخط اطراف و جوانب سے آتے ہیں۔ بہت لوگ ایسے ہیں کہ محلہ نہیں لکھتے۔ بہت لوگ ایسے ہیں کہ محلہ سابق کا نام لکھ دیتے ہیں۔ حکام کے خطوط سفارسی اور انگریزی

حرام ہے۔ کل تمام کو میں نے سنا، آج صبح قلعے نہیں گیا، اور یہ خط لکھ کر
 ازراہ احتیاط بیرنگ روانہ کیا ہے۔ تم بھی اس کا جواب بیرنگ
 روانہ کرنا۔ آدھ آنہ ایسی بڑی چیز نہیں۔ ڈاک کے لوگ بیرنگ
 خط کو ضروری سمجھ کر جلد پہنچاتے ہیں، اور پوسٹ پڈ پڑا رہتا ہے۔
 جب اس محلے میں جانا ہوتا ہے، تو اس کو بھی لیجاتے ہیں۔
 دستنبو کی طباعت کے متعلق ضروری باتیں بیرنگ لکھ کر فرماتے ہیں؛
 درجہ اسطے تا یکید کے بیرنگ بھیجا گیا۔ ۲۶

اسی طرح ڈاک کو ایک ضروری خط بیرنگ لکھ کر عذر کرتے ہیں؛
 درجہ اسطے تا یکید خط ازراہ احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔ (۳۷)
 نواب فردوس محال کی خدمت میں ایک عریضہ جو ان کی والدہ ماجدہ کی
 تعزیت و فاتحہ کے متعلق تھا، ارسال کیا ہے، اور اس کا جواب نہ پا کر
 دوسرا عریضہ بیرنگ ارسال کرتے ہوئے آخر میں ازراہ معذرت
 لکھتے ہیں؛

”پرسوں اک قطعہ جناب سلیم صاحبہ و قبلہ کی تاریخ و فاتحہ کا بھیجا ہے
 یقین ہے کہ پہنچے گا۔ ازراہ احتیاط یہ خط بیرنگ روانہ
 کرتا ہوں۔ (۳۸)“

میرزا صاحب پوسٹ پیٹھ خط کے منائے ہو جانے کے اس درجہ قائل تھے
 کہ جب کبھی انھیں کوئی خط نہ ملتا، وہ اسے ڈاک خانے کی سہل انگاری
 پر محمول کر کے لکھ دیا کرتے کہ ڈاک میں منائے ہو گیا ہوگا، اور اگر کسی دست
 سے جواب خط میں تاخیر ہوئی، یا ان کے مرسلہ خط کا حوالہ نہ ہوتا، تو ہاور
 کر لیتے کہ خط ڈاک میں تلف ہو گیا۔

بیرنگ بھیجتا ہوں، تاکہ ضائع نہ ہونے کا احتمال قوی رہے۔
سرور کو ضرور اپنی خطوط کے بیرنگ ارسال کرنے کی ہدایت کرتے
ہوئے لکھتے ہیں۔

”ایک قاعدہ آپ کو بتاتا ہوں۔ اگر اس کو منظور کیجئے گا، تو خطوط
کے نہ پیچ کا احتمال اٹھ جائے گا، اور رجسٹری کا درد سر جاتا رہے گا۔
آدھ آنہ نہ سہی، ایک آنہ سہی، آپ بھی خط بیرنگ بھیجا
کیجئے، اور میں بھی بیرنگ بھیجا کروں۔ اسٹامپ پیڑ خطوط
تلف بھی ہوتے ہیں۔ اس قاعدے کا جیسا کہ میں واضح ہوا ہوں،
بادی بھی ہوا، اور یہ خط بیرنگ بھیجا (۲)۔

مولوی عزیز الدین نے، جنون بریلوی کے خط ارسال کرنے کی اطلاع
دے کر اس کا جواب نہ لکھنے کی شکایت کی، اس پر جواب میں میرزا صاحب
نے لکھا ہے:

”خط ازرونی اعتباط بیرنگ بھیجا ہے۔ پوسٹ پڑ خط اکثر تلف ہو جاتا
ہیں۔ چنانچہ قاضی عبد الجلیل صاحب کا خط، جس کا آپ نے ذکر کیا،
ہے، آنکھیں پھوٹ جائیں، اگر میں نے دیکھا ہو! آپ ان سے
بر اسلام نیاز کیجئے، اور خط کے نہ پہنچنے کی ان کو خبر پہنچائیے۔“

والی بھر پور کا انتقال ہوا اور یہ خبر دہلی پہنچی، تو میرزا صاحب کو فکر
ہوئی کہ کہیں جانی جی، جو میرزا قفّہ کے مربی تھے، معزول تو نہیں
کر دیے گئے۔ اس خبر کے استفسار کے لیے قفّہ کو خط لکھا اور اس میں بتایا
کی کہ:

”دوست خدا کے! نہ ختم نہ سرسری، بلکہ مفصل اور منقح جو کچھ واقع
ہوا ہو، اور جو صورت ہو، مجھ کو لکھو، اور جلد لکھو، کہ مجھ پر خواب غور

کا خطرہ ہوتا۔ چونکہ تلف ہو جانے کا خطرہ انہیں مکاتیب کے سب سے بڑا اور نا پسندیدہ معلوم ہوتا ہے، اور اگرچہ مکاتیب کے تلف ہونے اور ہانپنے کا وہ نول قسم کے مکتوب الیہ کو لکھے جاتے ہیں۔ بنا برآں اس عذر کے ماتحت میرزا احمد اسحاق نے، والیار اریاست اور امراتہ کو جو خط خطوط لکھے ہیں (۱) ایک بار شفق نے۔۔۔ لکھنے کی نیت کی تو اس کے جواب میں میرزا احمد اسحاق نے، لکھا ہے۔

در صورت چنانچہ ہوں کہ دونوں خط ہرنگ کے تھے۔ تلف ہو گئے۔
متعذر نہیں ہے۔

ورنہ اصل میرزا صاحب یہ سمجھتے تھے کہ ڈاکہ ہرنگ خط کو نشخ کر کے مکتوب الیہ تک جلا پہنچا دیتے ہیں، تاکہ اس سے محمول ڈاک وصول کر سکے نہ یہ خیال نہ مارچ ۱۸۵۹ء کے شفق کے خط میں اس طرح ظاہر کیا ہے:

”ہرنگ پر ضائع ہونے کا کمان کم ہے۔ اس دستور کا بدی اور بانی میں ہوتا ہوں۔ آپ بھی جب بھی امراض محال خط بھیجیے تو ہرنگ بھیجیے۔“

یہاں رائے سید احمد حسن مودودی کے خدا میں بھی ظاہر کی ہے۔ فرماتے ہیں:
”یہ خط عمدتاً ہرنگ بھیجتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ یہ خط تلف ہونے کا احتمال ہے، اور ہرنگ کا نہیں ہے۔“
سباح کو لکھتے ہیں

”پہلے خط نگاہ کاہ تلف بھی ہو جاتا ہے۔ نظر اس بات پر یہ خط کم کو

دراغ ذاب فردوس مکاں کے نام و دسرا خط، جس میں قصیدہ فلک تھا، ہرنگ بھیجا تھا
(۱) اردو ج ۲، ۳۰۳، خطوط: ۱، ۱۴۱، ۱۴۲، اردو ج ۲، ۳۰۳۔

بیرنگ خطوط

بیرنگ خطوط ار سال کرنے کو میرزا صاحب قانون محبت اخلاق کے خلاف جانتے تھے۔ سید احمد حسن مودودی کو ایک بیرنگ خط لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

”میرا شیوہ نہیں ہے خط بیرنگ بھیجنا (۱)“

لیکن کبھی بیرنگ خط بھیجتے، تو بیرنگی کی وجہ سے لکھ دیا کرتے تھے۔ اُن کی تحریروں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱، یا تو اُس وقت بیرنگ خط لکھا کرتے، جب اُن کے پاس ٹکٹ موجود نہ ہوتا، خواہ اس لیے کہ جیب اس کی اجازت نہ دیتی، یا بروقت ڈاک خانے سے ٹکٹ کا حصول دشوار ہوتا۔ مگر اس عذر کے لیے بے تکلف جواب اور شاگرد مخصوص تھے۔ مجروح کو ایک بیرنگ خط میں لکھا ہے:

”بھائی، نہ کاغذ ہے نہ ٹکٹ پیٹا گئے لفافوں میں ہے ایک بیرنگ

لفافہ پڑا ہے۔ کتاب میں سے یہ کاغذ بھاڑ کر تم کو خط لکھتا ہوں اور

بیرنگ لفافے میں پیٹ کر بھیجتا ہوں۔ تمہیں نہ ہونا۔ کل شام کو

کچھ فوج کہیں سے پہنچ گئی ہے۔ آج کاغذ و ٹکٹ منڈیوں کا ۲

اسی طرح علانی کو لکھتے ہیں:

”بھائی، بیچ تو یہ ہے کہ انڈوں میرے پاس ٹکٹ نہیں۔ اگر بیرنگ

بھیجوں، تو کہا رہا نہ، اٹھ نہیں سکتا۔ ڈاک گھر تک جائے کون؟ (۳)

شائبہ کو زیادہ مضحکہ انداز میں تحریر کیا ہے:

”آج میرے پاس ٹکٹ ہے، نہ دام، معاف رکھنا، والسلام“ ۴

۲ یا اس وقت بیرنگ ار سال کرتے جب خط کے ”زلزلہ“ ہو جانے

ہوئے۔ مگر اس کے آگے کافی ہرزہ و رکچہ انگریزی لکھا ہوا۔ ہرکارے
نے کہا کہ ایک سو روپیہ دس آنے دوا بیچتے۔ دوا دے دو اور پائل لے لیا،
مگر حیران کہ یہ کیا بیچ پڑا اقیاس و یا چاہتا ہے کہ تمہارا آدمی جو
ڈاک گھر گیا، اس کو خطوں کے بجس میں ڈال لکھا۔ ڈاک کے کارپرو
نے غور نہ کی، اور اس کو بیرنگ خطوں کی ڈاک میں
بھیج دیا۔

لطیفہ

ایک بار میرزا صاحب کے نام خط آیا۔ پتے میں مکتوب الیہ کے نام
کے ساتھ جو تعظیفی الفاظ تھے، ان میں ایک لفظ ”کیشان“ بھی تھا
ڈاک نے اسے کوپٹان پر بٹھا دیا، اور میرزا صاحب کی خدمت میں مبارکباد
پیش کی۔ میرزا صاحب نے شفق کو یہ واقعہ لکھا ہے:
فرماتے ہیں:

”ایک لطیفہ نشانہ انگریزی۔ ڈاک کا ہرکارہ، جو بلواروں کے
خطوط پہنچاتا ہے، ان دنوں ایک بیبا پر بٹھا لکھا جو سبب شناس
کوئی فلاں ناتجہ بڑھک داس ہے۔ میں بالافسانے پر رہتا چوں
حوٹی میں آکر اس نے واردہ کو خط دیا، اور اس نے خط دے کر
مجھ سے کہا کہ: اک کا ہرکارہ بندگی عرض کرتا ہے، اور کہتا ہے
کہ مبارک ہو! آپ کو، عیا کہ دکن کے بادشاہ نے نوابی کا خطاب
دیا تھا، اب کاپٹی سے خطاب کپتانی کا ملا، حیران کہ یہ کیا کہتا ہے:
سرنامہ کو فورسے دیجھا۔ کہیں قبل از اتم و مخدوم نیا کیشان، کوکھانما
اس قمر ماق نے اور الفاظ سے قلع نظر کے نہ کیشان“ کو
کپتان پر بٹھا ہے۔

”پارسل میں خطوط بچھنے محل اندیشہ ہے۔ خدا نے بچا یا۔ چونکہ آپ وہ خط آپ کے کچھ کام کے نہ سمجھا اور راہ احتیاط پارسل میں سے بحال لیے ۱۷“

ایک بار تفتہ کے نام ایک پارسل حسب قاعدہ ایک آنے کا ٹکٹا چسپاں کر کے ڈاک خانے بھیجا۔ جو شخص پارسل لے کر گیا تھا، اس نے غلطی سے خطوں کے بجائے پارسل ڈال دیا۔ میرزا صاحب نے دقت سے مطلع ہو کر تفتہ کو لکھا:

”صاحب، کل پارسل شمار کا ایک آنے کا ٹکٹ لگا کر اور اس پر یہ لکھ کر کہ یہ پارسل ہے، خط نہیں ہے، ڈاک میں بھیج دیا۔ ڈاک فشی نے کہا کہ خطوں کے صندوق میں ڈال دو۔ خدا کا راز خواندہ آدمی اس حکم کو بھالایا، اور اس کو خطوں کے صندوق میں ڈال آیا وہ غلط کہ ”یہ خط نہیں ہے“ پارسل ہے“ دست کو بیوقوف سے اگر وہاں کے ڈاکے تم سے خط کا حصول مانگیں، تو تم اس چلے کے فریضے سے گنگو کر لینا ۲۱“

دور اصل میرزا صاحب کی احتیاط کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک بار تفتہ کی غلطی کا غمناک پہلے چکے تھے، اور غالباً پارسل کو خطوں کے بجائے ڈال دینے کی وجہ سے ان کو پوسٹ پیڈ پارسل کا مزید حصول ادا کرنا پڑا تھا۔ ۲۸ جولائی سنہ ۱۸۵۸ء کو یہ واقعہ خود تفتہ کو لکھا ہے۔

”میرزا تفتہ، کل قریب دوپہر کے ڈاک کا ہر کارہ، وہ جو خطا باقتضا ہے، آیا اور اس نے پارسل موسم جلے میں لپٹا ہوا دیا۔ پہلے تو حیران رہا کہ پاکٹ خطوں کی ڈاک میں کیوں آیا! بارے جب اس کی تحریر دیکھی، تو تمھارے ہاتھ کا پیمنٹ لکھا ہوا اور دیکھ لگے

روشنائی

میرزا صاحب ہمیشہ سیراء روشنائی استعمال کرتے تھے، جو عموماً روشن اور چمکتی ہوئی۔ آخری ایام کے خطوط میں پستی روشنائی بھی نظر آتی ہے، جس کی وجہ خود میرزا صاحب کی قلمدانِ انشا سے ہے تو جی بھی ضرورت کے وقت لڑکوں کے قلم اور انہیں کی روشنائی سے لکھا کرتے ہوں اور خود لوح و قلم کی دستی اور اہتمام سے اس لیے بے پروا ہو گئے ہوتے کہ اب انہیں ان دونوں کی شہادت کی ضرورت باقی نہ تھی، عالمِ ادب ان کا لواں چکا تھا۔

قواعد ڈاک کی پابندی

میرزا صاحب ڈاک کے قاعدوں کے سخت پابند تھے۔ وہ خود بھی خلافِ دوزئی خاٹون سے احتراز کرتے، اور احباب کو بھی اسی امر کی ہدایت کرتے رہتے تھے۔ ایک بار ڈاک کو لکھا ہے۔

خط میں خط غفوت کھونا جانبِ مکام سے ممنوع ہے۔ اگر یوں نہ ہوتا تو میں ان کے کام کا خط تمہارے خط میں غفوت کر کے بھیجتا۔
نشی فلام بسم اللہ نے اپنی غزل کے ساتھ کسی مزمع صاحب کی غزل بھی ارسال کر دی تھی۔ ان کی اس سہل انگاری پر سرورِ نقش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”سینے۔ حضرت، خط میں خط کا، تداخلِ بڑا ہے۔ اگر یہاں کی ڈاک میں کبھی خط کھل گیا، تو مجھ سے بچاؤ روپیہ لے جائیں گے یا قید کا حکم ہو گا۔ آئندہ آپ خط جدا نہ بھیجا کیجیے۔ اس باب میں تاکید جائیے۔ کوئی جیلہ جواز کا آپ کی طرف سے ممنوع نہ ہو گا۔“
سرور نے پارسل میں کچھ خط رکھ دیے تھے۔ ان کو تحریر کرتے ہیں:

چسپاں کرتے تھے۔

میرزا صاحب نے ایک دو چھوڑ کر باقی ہر ٹکٹ پر اپنا تخلص اسٹامپ "غالب" اور اگر دو ٹکٹ ہوئے، تو پہلے پر اسٹامپ اور دوسرے پر غالب ضرور لکھا ہے۔ ایک دو پر اسٹامپ بھی ہے۔ غالباً اس سے مقصود یہ تھا کہ دوسرے شخص اس ٹکٹ کو استعمال نہ کر سکے۔ لیکن قدر بلگرامی کو ایک خط میں بھی لکھا ہے کہ

”پیاں بھی ٹکٹ پر تحریر کی مخالفت ہے۔ بہتر پہلے کہ طریق سے

خطوط ہر نگ بھیج جائیں کہ یہ قطعہ ٹکٹ جاکے ۱۵

یہ خط مرتب خطوط غالب کے نزدیک جون ۶۲ء اور فروری ۶۳ء کے درمیان کسی تاریخ کو لکھا گیا تھا۔ اگر میرزا صاحب کا مطلب یہ ہے کہ ٹکٹ پر نام لکھنا ممنوع ہے، تو وہ اپنے اکتوبر سنہ ۸۶۸ء تک کے رام پور بھیجے ہوئے لفافوں پر دستخطی ٹکٹ چسپاں کرتے رہے ہیں۔

ان ٹکٹوں پر ڈاک خانے کی جو ہر لگائی گئی ہے، اس پر ”نومبر“ سنہ ۵۹ء تک انگریزی میں ”۶۲“ اور ۱۳ جولائی سنہ ۱۲۸۷ء سے ”۶۷“ لکھا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک ہر اور ثبت ہے، جس پر انگریزی میں دلی (DELHI) منقوش ہے۔ ۱۱۷ پریل سال ۱۲۸۷ء کے لفافے سے ڈاک خانے والوں نے سرخ روشنی سے انگریزی میں ”راپور بھی لکھنا شروع کر دیا ہے۔ اس لفافے سے وہلی کی ہر کے ساتھ ایک ہر میرٹھ کی بھی شروع ہوئی ہے۔ اس میں اوپر میرٹھ اور میان میں ”تاریخ اور نیچے سورٹڈ (SORTED) منقوش ہوتا ہے۔ ۵ جولائی سنہ ۱۸۶۱ء سے مراد آباد کی ہر بھی چسپاں نظر آتی ہے۔

ملائے مرثیہ دوپہر پتا
 ہے۔ اردو والوں
 رام پور کے نام ہے، جس

رام پور آزاد
 محمد عین خدا

محکم دلائل

دوسرا جنو کی بریلوی کو
 صفحہ ۱۱۳ کے مقابل شا

بریلی جامع مسجد کے پاس
 بنگلہ ہرنگ ۱۱ ماہ آ

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے
 احباب اور شاگردوں کو

محکم دلائل

میرزا صاحب بیشتر پو
 میں "پیڈ" پوسٹ پیڈ، ا
 پیڈ ضروری واجب العزم،
 ضروری۔ یا پیڈ واجب العزم
 لگانے پر محکم لگانے
 پر اور کبھی پشت پر، اور
 کبھی وسط میں نیچے کی طرف